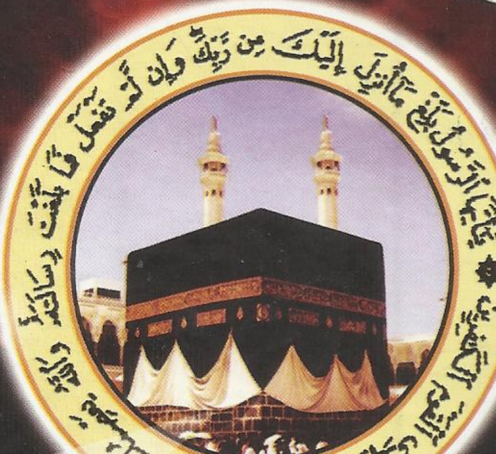
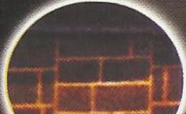
بسم اللہ الرحمن الرحیم

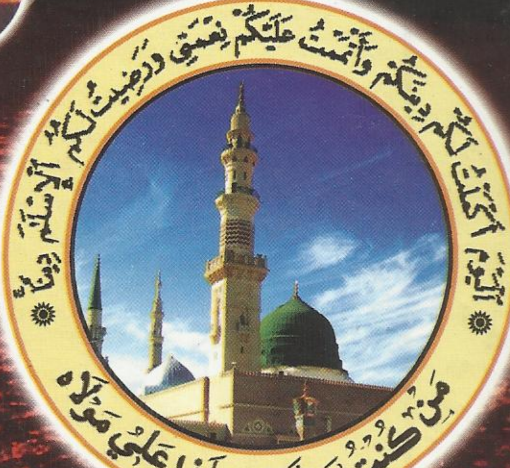
وجودِ کائنات مولا علیؑ اور غدیرِ خم

(ندائے غیبی)

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار   لافتیٰ الا علیؑ ولا سیف الا ذوالفقار







KAPTAN ABRO

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Knowledge for All

SABIL-E-SAKINA

یا عباسؑ

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

یا صاحب الزّماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

وجودِ کائنات

مولا علیؑ

اور

غدیرِ خم

مؤلف

میجر (ر) سیّد افتخار حسین زیدی

ناشر:

باب العلم دار التحقیق

(فروغِ ایمان ٹرسٹ، مسجد باب العلم، شمالی ناظم آباد، کراچی)

کتاب کا نام : وجود کائنات مولا علیؑ اور غدیر خم

مؤلف: میجر (ر) سیّد افتخار حسین زیدی

ترتیب و تنظیم: مولانا محمد یعقوب شاہد آخوندی

ایضاً: مولانا محمد حسین کریمی پارویؔ

تعداد: ۱۰۰۰

طبع اوّل: ۲۰۱۱ء

ناشر: باب العلم دارالتحقیق، کراچی پاکستان

کمپیوٹر کمپوزنگ: عریبہ پبلی کیشنز کراچی۔فون 0300-2152634

پرنٹنگ: پی کاک پرنٹرز کراچی۔فون 021-35213829

قیمت: ۴۰۰ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے
میں اپنی اس فکری کاوش کو
خلد مکانی والدۂ گرامی قدر
سیّدہ نثار فاطمہ زیدی بنت سیّد منظور علی زیدی مرحوم
اور اپنے والد بزرگوار جنت مکانی
سیّد حسین علی زیدی ابن سیّد باقر حسین زیدی مرحوم
کے نام سے معنون و منسوب کرتا ہوں
اور بارگاہ ربوبیت میں دعا گو ہوں کہ وہ میرے والدین
کو جنت الفردوس میں جوار پنجتن پاک علیہم السلام میں جگہ دے اور ان کے
گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کو درگزر فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)
بحق محمدؐ و آل محمدؐ

غریق تقصیر
میجر (ر) سیّد افتخار حسین زیدی
کراچی (پاکستان)

فہرست مطالب

تقریظ

از............حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی قمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ،وَصَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ.(ط)

دین، جو اللہ کی جانب سے انسان کو بہترین تحفہ ہے وہ بہت پہلے سے اپنے کام کو کرتا آرہا ہے اور پوری تاریخ میں نشیب و فراز کا شکار رہا ہے اور خاردار وادیوں سے گزرا ہے، دین کے نحیف اور ظریف و نازک پیکر کو بدعت و تحریف کے تازیانوں نے نہایت اذیت و تکلیف پہنچائی ہے کہ یہ بیمار و متاثر دین دوسروں سے اپنی کمزوری اور مصیبت دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

دین عزیز خود تو ہر صدی اور ہر دور میں مظلوم رہا، مگر مسلسل لطافت و مہربانی کے ساتھ صدائے فلاح اور اذان محبت دیتا رہا اور بہر حال گرتا پڑتا "ولی اللہ" کی وادی امن تک پہنچ ہی گیا اور ان کی گود میں سر رکھ کر سکون محسوس کرنے لگا اور اب دین پہلے کی نسبت مطمئن اور خوشحال اور فتح و نصرت کا نعرہ ماذنہ ولایت سے بلند کر رہا ہے کہ "اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ.... وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ....."

دین کی شادمانی اور خوشحالی اس وجہ سے ہے کہ امامت کے سائے میں پروان چڑھ رہا ہے اور ولایت کے ساحل پر نظر ڈالے ہوئے ہے تاکہ انسانوں کی ہدایت و آزادی کے لیے بہتر کردار ادا کر سکے۔

غدیر کے ایام میں جو اہل آسمان کی میعاد گاہ اور اہل زمین کا مقام میثاق ہے، دین کے دو قدم اٹھائے گئے:

پہلا قدم: بہترین موقع اور مناسب ماحول میں ولایت کا اعلان کہ جب آخری لحظات حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے تو حقیقت ولایت کو دین کا حصہ قرار دیا گیا، گویا حقیقی اور واقعی دین وہ ہے جس کی تبیین وتفسیر، تعلیل وتحلیل وہ کرسکتا ہے جو مقام ولایت پر فائز ہو، کیونکہ دین ایسے اولیاء کے بغیر بالکل دین کہلانے کے قابل نہیں بلکہ مخالف دین ہے

دوسرا قدم: یہ طے ہو کہ وہ جو حریم وحدود دین کا دفاع کرے گا اور تعدی وتجاوز اور دین پر حملہ کی کسی کو اجازت نہیں دے گا وہ "ولی اللہ ہے جس نے اپنے خدا سے عہد کو اپنے خون سے ثابت کیا۔ وہ احکام، معارف اور آئین الٰہی یعنی دین پر ظلم وحدود کی بے حرمتی کی اجازت نہیں دے گا اور اس کی شمشیر عدالت اس آسمانی میثاق کے اثبات اور اس کے دفع کے لیے مسلسل مبارز اور دشمن کو دعوت جنگ دیتی رہتی ہے کہ اس کی ایک عاشقانہ ضربت تمام انسانوں اور جنوں کی عبادت سے افضل قرار پائی "ضَرْبَةُ عَلِيٍّ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ" اور جو بھی دل سے امامی نہ ہوا، وہ نادم ہوگا اور جس نے اس بارگاہ ملکوتی پر سر خم نہ کیا وہ امریکیوں اور امویوں کا گرفتار ہو جائے گا، جس نے آستانہ ولایت سے سر تکریم خم نہ کیا وہ مصر میں آج کے فرعونوں کے ہاتھوں ذلیل ہو جائے گا" اس طرح جس نے اس درگاہِ ولایت پر سر نہ رکھا تو وہ آیت "تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ" کا مصداق قرار پائے گا۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہی وہ اساس وبنیاد اور حق وباطل کی تمیز کا ذریعہ ہیں، جو واقعۂ غدیر سے لے کر تا دیر کسوٹی اور پیمانہ ایمان وکفر رہیں گے۔ حضرت سے عقیدت ومحبت ہر سالم ذہن اور بیدار ضمیر انسان کی علامت ہے۔ ایسے ہی ایک عظیم المرتبت اور ہر دل عزیز ودل سوز شخصیت، جن کی طبیعت میں نظم وضبط یوں تو جذبۂ حسینیت اور جرأت حیدریت کی وجہ سے ہے، مگر پاک فوج میں اعلیٰ منصب پر فائز رہنا بھی آپ کی شخصیت کا ایک جزء لاینفک ہے یعنی جناب محترم میجر (ر) سید افتخار حسین زیدی کی درست کاوش جہاں آپ کی عزت ووقار کا

سبب ہے، وہاں آباء واجداد کی دینی تربیت کی عکاس بھی ہے۔ خوب لکھا ہے اور محنت سے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے، جسے باب العلم دارالتحقیق کراچی کے محققین جناب مولانا یعقوب شاہد آخوندی، جناب مولانا محمد حسین کریمی پاروی، اور ادیب و شاعر جناب سید ذوالفقار حسین نقوی (مصحح) کی کاوش قابل قدر ہے کہ جنہوں نے اردو کی تصحیح اور عربی اعراب و عبارت پر توجہ کے ساتھ کتاب کی تزئین و آرائش میں کردار ادا کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ میجر (ر) سید افتخار حسین زیدی کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ آمین۔

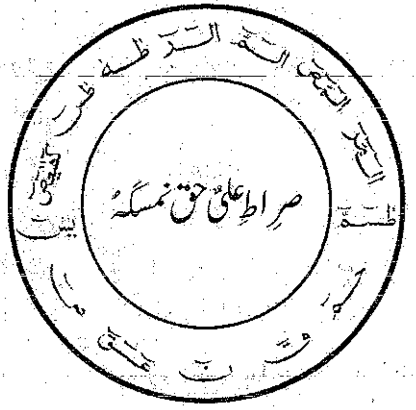
والسلام

سید شہنشاہ حسین نقوی قمی

سربراہ باب العلم دارالتحقیق،

خطیب مسجد باب العلم (فروغ ایمان ٹرسٹ) کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



صِرَاطُ عَلِیٍّ حَقٌّ نُمْسِکُہ:

مندرجہ بالا حروف مقطعات جو تعداد میں چودہ (۱۴) بنتے ہیں، جن کا علم اللہ تعالیٰ یا اہلِ ذکر یا معصومین علیہم السلام جانتے ہیں۔ ان حروف سے جو لفظ یا با معنی فقرہ بنتا ہے، وہ ''صراط علی حق نمسکہ'' ہے اور دوسرا کوئی فقرہ ہزارہا کوششوں سے نہ بن سکا۔ اس میں تمام 'حروف تہجی' وہی ہیں جو حروف مقطعات میں دیے گئے ہیں۔

موت اور زندگی

لفظ 'موت' قرآن پاک میں ۱۶۵ بار مذکور ہوا ہے، اور اگر اس میں ۱۴ یعنی ۱۴ معصومینؑ ملاؤ گے تو زندگی بنتی ہے۔ اور لفظ 'زندگی' قرآن پاک میں ۱۷۹ بار مذکور ہوا ہے۔ یعنی اگر موت میں ۱۴ یعنی چودہ معصومینؑ کو ملاؤ گے تو ابدی زندگی پاؤ گے۔

چند حیرت انگیز حقیقتیں

قارئین کرام اپنے مضمون کو شروع کرنے سے پیشتر چند حقیقتیں آپ کی نذر ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کل اعداد ہیں ۷۸۶، یہ مندرجہ ذیل کے اعداد کا مجموعہ ہے۔

اللہ	۶۶
مصطفٰیؐ	۲۲۹
علیؑ	۱۱۰
فاطمہؑ	۱۳۵
حسنؑ	۱۱۸
حسینؑ	۱۲۸
کل میزان	۷۸۶

کائنات انہی مقدس اسمائے گرامی کے صدقے میں وجود میں آئی۔

بسم اللہ اور یا علیؑ مدد

ہمارے صوبہ سندھ میں ادب واخلاق کا ہر موقع پر مظاہرہ کیا جاتا ہے اور جب دو لوگ آپس میں ملتے ہیں تو یا تو 'بسم اللہ' کہتے ہیں یا پھر 'یا علیؑ مدد' کہتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ ایسا کیوں ہے۔

بسم اللہ کے اعداد	۱۶۹ بنتے ہیں
یا علیؑ مدد کے اعداد بھی	۱۶۹ بنتے ہیں

دراصل کوئی لفظ بھی کہو بات ایک ہی ہے۔

بسم اللہ جس نے جب بھی کہا اور جہاں کہا
در اصل اس بشر نے کہا 'یا علیؑ مدد'
(جناب شوکت رضا شوکت)

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

ابتدا اُس جلیل القدس پاک نام سے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔

راقم الحروف نے انتہائی عرق ریزی سے کتاب ہذا کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب میں تین موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اور میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ میجر (ر) سید افتخار حسین زیدی، جنہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں ذکر کردیا ہے کہ وہ عالم دین نہیں ہیں اور نہ ہی اس سے پہلے کسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ نے تینوں عنوانات پر بہت خوبصورت انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور دلائل کے ساتھ گفتگو کی۔ درحقیقت ان موضوعات پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، لیکن تشنگی برقرار رہے گی۔ میں علمائے کرام اور قارئین سے صرف ایک گزارش کروں گا کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں، مجھے امید واثق ہے کہ یہ کتاب طالبان حق کے لیے ''مشعل راہ'' ثابت ہوگی۔ آخر میں دعا گو ہوں بارگاہ ایزدی میں بہ طفیل محمدؐ و آل محمدؐ بھائی افتخار حسین زیدی کو دنیا میں عزت و توقیر اور خلائق میں مقبول و عام بنائے، آمین یارب العالمین۔

والسلام

رفیع نقوی

میجر (ر) جناب افتخار حسین صاحب ہی کو یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ ایسی تحقیقی کتاب لکھیں، جو نہ صرف ہدایت ورشد کا ذریعہ قرار پائے، بلکہ تحقیق کے طلباء کے لیے بھی کارگر ثابت ہو۔ انسانی ذہن میں وہ طاقت کہاں جو باب العلم، مظہر العجائب، صاحب سلونی کے اوصاف حمیدہ کا احاطہ کر سکے۔ آئندہ بھی جو کچھ لکھا جائے گا یقیناً وہ گزشتہ سے پیوستہ تو ہوگا مگر اپنے دور کے علوم کا استفادہ کرتے ہوئے ذواتِ مقدسہ کا تعارف کرانے میں چند قدم ضرور آگے جائے گا۔ اس کے باوجود مؤلف نفسِ رسولؐ کی ابجد ہی پر سرگرداں رہے گا۔ ان کا صحیح تعارف تو اللہ جانے اور اللہ کا رسولؐ ہم تو ان رسالت کی جان، ناطق قرآن، اسلام کی شان اور حق کی اذان کے نام کے عین سے بھی واقف نہیں۔

بہر حال دعا گو ہوں کہ خدائے کریم میجر افتخار صاحب کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

بقلم خود
سید احمد حسین زیدی
مورخہ، ۲۵ نومبر، ۲۰۱۰ء
مطابق، ۱۸ ذی الحجہ، ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز میجر (ر) افتخار حسین زیدی سے میری آشنائی چار عشروں سے بھی زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ آپ کا خاندان تشکیل پاکستان کے بعد حسین پور ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان میں ضلع خیر پور میرس کے تاریخی شہر ہنگورجہ میں سکونت پذیر ہوا۔

میجر صاحب کے والد صاحب سید حسین علی زیدی مرحوم بہت اچھے انسان تھے۔ پنج پٹی ہنگورجہ میں ہماری دکان پر اکثر آیا کرتے تھے۔ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہی محبت ان کے فرزند میجر (ر) افتخار حسین زیدی میں ہے۔ کچھ عرصہ قبل میرا ان کے گھر جانا ہوا تو آپ نے اپنی زیر طبع کتاب کا سرسری تذکرہ مجھ سے کیا، اس ناچیز نے کتاب کو کمپوز کروانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے جتنا بھی لکھ چکے تھے، وہ مسودہ کمپوزنگ کے لیے عریبہ پبلیکشنز کے ظفر ابڑو کو دیا۔ اور کتاب کے ٹائٹل کے لیے ماہر آرٹسٹ کپتان ابڑو سے رابطہ کیا، جس نے مہارت سے ٹائٹل تیار کیا۔ اسی دوران ۲۰۰۹ء میں میجر صاحب عمرے کی سعادت کے لیے سعودی عرب روانہ ہو گئے۔ واپسی پر کتاب مکمل کی وہ مسودہ بھی الحمدللہ کمپوز ہو گیا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب کتاب جس کا عنوان ''وجود کائنات مولا علیؑ اور غدیر خم'' ہے، شایع ہو کر قارئین کرام کے مطالعے کی زینت بنے گی۔

میجر صاحب کی کتاب پر تبصرہ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے، اس پر تو عالم دین ہی اپنی رائے دیں گے۔ میجر صاحب نے ایک عمدہ کتاب لکھ کر فقط مجھے نہیں بہت سارے لوگوں کو حیران کر دیا ہے، میجر صاحب کی تخلیقی صلاحیت دیکھ کر کم از کم میں اس بات کا ہو گیا ہوں کہ ہر وہ آدمی اہم ہے، جو تخلیق کے ذریعے اپنے اندر کے انسان کو ظاہر کرتا ہے۔ مؤلف تاریخ دانوں کی قطار میں آگے نہ سہی، مگر ان کے شانہ بشانہ ضرور ہیں۔ میری طرف سے میجر (ر) سید افتخار حسین زیدی کو مبارکباد ہو۔ اور امید کرتا ہوں کے آپ کے قلم سے اور بھی بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف ہو کر قارئین تک پہنچیں گی۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ یہ کتاب ''وجود کائنات مولا علیؑ اور غدیر خم'' پورے عالم اسلام میں مقبول عام و خاص ہو۔ اور کتاب کے مؤلف کو ربّ کریم جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

فقیر محمد سومرو

۴ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، مطابق، ۱۱ دسمبر ۲۰۱۰ء

ہنگورجہ، ضلع خیر پور، حال رہائش پزیر کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میجر (ر) افتخار حسین زیدی کی زیرِ طبع کتاب ''وجودِ کائنات مولا علیؑ اور غدیرِ خم'' کا مسودہ مجھ ناچیز کو موصول ہوا، تاکہ میں بھی اپنے چند جملوں کے توسط سے اس کتاب کے تبصرہ نگاروں میں شامل ہوکر سعادت حاصل کرسکوں۔

میجر (ر) افتخار سے میری پہلی ملاقات اُن کے فرزندِ اکبر فرخ زیدی کے گھر پر منعقدہ محفلِ منقبت کے موقع پر ہوئی۔ میجر صاحب سے گفتگو کے دوران اندازہ ہوا کہ اُن کی علم و ادب سے کس قدر گہری وابستگی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد میجر صاحب کا خاندان ہجرت کر کے سرزمینِ سندھ کے قدیمی شہر ہنگورجہ ضلع خیرپور میرس میں آباد ہوگیا کہ جہاں سید آلِ محمد رزمی اور اسلم خیال زیدی جیسی معروف مذہبی و ادبی شخصیات کا بھی قیام رہا۔ ہنگورجہ مجھ کو بھی کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا، مگر میجر افتخار سے ملاقات نہ ہوسکی، کیونکہ اس وقت یہ کراچی منتقل ہو چکے تھے، مگر اب بھی ایامِ عزا میں یہ وہاں جاتے اور اپنے خاندان کی قائم کردہ قدیمی مجالس اور جلوس میں شرکت کرتے ہیں۔ قلم کاروں میں ان کا شمار پہلے نہ تھا، مگر اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان شاء اللہ ضرور ہوگا۔ یہ بات اس لحاظ سے بھی قابلِ ستائش ہے کہ میجر افتخار کی یہ پہلی کوشش ہے کہ ۲۸۱ صفحات پر مبنی کتاب وہ بھی نثر کی صورت میں لکھنا، جس میں اسلامی تاریخ کے حوالہ جات کو تحریر کرنا بہت بڑا کمالِ فن ہے۔ مثال کے طور پر لفظ موت قرآن پاک میں ۱۶۵ بار آیا ہے۔ اور اس میں ۱۴ کو ملاؤ تو زندگی بنتی ہے اور لفظ زندگی قرآن پاک میں ۱۷۹ بار آیا یعنی اگر موت میں ۱۴ کو ملاؤ گے تو ابدی زندگی پاؤ گے۔ اس بات کو بتانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میجر افتخار نے اپنی تحریر کو کتاب کی شکل دینے سے قبل دینی کتب کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کا بھی مکمل مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی تحریر کو قرطاس کی زینت بنانے سے قبل حوالہ جات کے لیے معلومات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

میجر افتخار حسین زیدی کی ۳۹ سالہ (۱۹۶۵ تا ۲۰۰۴) عملی زندگی، جس کا زیادہ تر وقت پاک فوج سے وابستگی رہی، اس سے ظاہر کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب کا عنوان بھی اس ہستی کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب کیا کہ جس نے حضور اکرم محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر لبیک کہا اور تمام اسلامی جنگوں اور غزوات میں ایک جرنیل کا کلیدی کردار ادا کیا۔

یہ تو صرف ۲۸۱ صفحات ہیں۔ ۱۴۰۰ سال سے مولائے کائناتؑ کی فضیلتیں تمام مسلمانوں کی سماعتوں تک پہنچ رہی ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۲۸۱ صفحات مولائے متقیانؑ کی زندگی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ علیؑ کی زندگی تو ایک سمندر کی مانند ہے۔ مؤلف نے ایک مقام پر ابن ابی جمہور احسائی کی (عوالی اللیالی) کی چوتھی جلد، صفحہ ۱۰۳ سے ایک حدیث قدسی کو نقل کیا کہ جس کا خوبصورت ترجمہ یہ ہے: ''میرا بندہ مستحب اور پسندیدہ اعمال، نوافل اور عبادتوں کے ذریعے مجھ سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت

کرنے لگتا ہوں اور جب میں محبت کرنے لگتا ہوں تو میں خود ہی اس طرح کی سماعت بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنے کانوں سے نہیں میرے واسطے سے سنتا ہے۔ میں خود ہی اس طرح کی بصارت بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنی آنکھوں سے نہیں میرے واسطے سے دیکھنے لگتا ہے۔ میں خود ہی اس طرح کے ہاتھ بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنے ہاتھ سے نہیں بلکہ میری قدرت کے ذریعے پکڑنے لگتا ہے۔ میں خود ہی اس طرح اس کے پیر بن جاتا ہوں کہ وہ اپنے پیروں سے نہیں، بلکہ میری طاقت کے ذریعے چلنے لگتا ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ معروف حدیث کساء کے اس خوبصورت اور خاص حصے کا ذکر کیا کہ جو تخلیق کائنات کا حوالہ ہے۔ اور جو مجھ کو ہی نہیں، بلکہ یقیناً تمام مسلمانوں کو بھی پسند آتا ہے جس کے سننے سے ہر شخص پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

مؤلف نے ایک اور مقام پر ہندو شاعرہ روپ کنواری کے دو مصرعوں کو تحریر کیا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اس شاعرہ کے مزید دو مصرعوں کو اس میں شامل کر کے مکمل کر دوں، کیوں کہ اشعار میری کمپیئرنگ کا حصہ ہوتے ہیں۔

نثار مرتضیٰؑ ہوں پنجتنؑ سے پیار کرتی ہوں
خزاں جس پر نہ آئے اس چمن سے پیار کرتی ہوں
عقیدہ مذہب انسانیت میں کب ضروری ہے
میں ہندو ہوں مگر اک بت شکن سے پیار کرتی ہوں

کتاب کی ابتدا میں مؤلف نے ۲۰۰۹ء کا ذکر کیا، جب وہ عمرے کے لیے سعودی عرب گئے اور وہاں کی سرزمین پر ایک شاعر کے یہ چار خوبصورت مصرعے بھی تحریر کیے۔

میں پر شکستہ سہی اس کے شہر میں ہوں جہاں
زمین پر بھی مجھے آسمان دیتا ہے
میں حرف و صوت کی خیرات اس سے مانگتا ہوں
جو پتھروں کو بھی رزق زبان دیتا ہے

میجر افتخار نے اپنی کتاب میں ہر اس شخصیت کا ذکر کیا کہ جس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت علیؑ سے رہا۔ اس موقع پر انہوں نے اس محسن اسلام حضرت ابو طالبؑ کو بھی یاد رکھا کہ جس کی آغوش میں رسالتؐ اور امامت پروان چڑھی۔ میجر صاحب نے کسی مشہور شاعر کے دو مصرعے تحریر کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

بس اس خطا پہ زمانے نے تجھ کو چھوڑا ہے
کہ تیرے لال نے ان کے بتوں کو توڑا ہے

اور مزید یہ اشعار بھی دیکھیے:

جس کے چہرے پہ فروزاں تھی شجاعت کی شفق

جس کی آنکھوں میں رواں تھی آدمیت کی رمق
جس کی پیشانی تھی تاریخ صداقت کا ورق
وہ ابو طالبؑ جسے مطلوب تھا عرفان حق

جس نے سینے سے لگایا حادثوں کو جھوم کر
چھا گیا جو زندگی پر موت کا منہ چوم کر

ان اشعار سے یہ اندازہ بخوبی ہو گیا کہ میجر صاحب کو ہر شخصیت کے حوالے سے اشعار تلاش کرنے میں کتنی محنت کرنی پڑی ہوگی۔ اور اشعار بھی خوبصورت کہ جن سے ان کے شعری ذوق کا پتا چلتا ہے۔

مؤلف نے ایک مقام پر شہنشاہ دو جہاں محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰؐ کے حوالے سے کہا جو کہ میں سمجھتا ہوں ان کی کتاب کے مضمون کا نچوڑ اور حاصل ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا:

''اے علیؑ اگر دین سے امت کے گمراہ ہونے کا احساس نہ ہوتا تو میں تمھاری وہ فضیلتیں بیان کرتا کہ لوگ تمھارے قدموں کی خاک کو تبرکاً اپنے سروں پہ ڈالتے اور تمھارے وضو کا پانی بطور شفاء استعمال کرتے۔''

اس مقام پر مؤلف کے تینوں فرزندوں کا ذکر نہ کیا جائے تو انصاف نہ ہوگا۔ ان کے بڑے صاحبزادے کیپٹن سید فرخ تقی زیدی جو کہ siemens پاکستان میں مینیجر سکیورٹی ہیں، دوسرے بیٹے سید راحیل حسین زیدی جو کہ اسی کمپنی میں کمرشل آفیسر، تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے سید مہدی حسین زیدی عرف خرم یہ بھی اس کمپنی میں ایڈمن آفیسر ہیں۔ پروردگار نظر بد سے بچائے ان بیٹوں کو اور siemens پاکستان کو۔

اتنی اچھی اور جامع کتاب لکھنے پر میں میجر (ر) سید افتخار حسین زیدی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ان کی مدد اور رہنمائی فرمائی، ان میں تینوں بیٹے جن کے نام اوپر دیے گئے ہیں، ان کے علاوہ ان کی دونوں بیٹیاں محترمہ سائرہ بانو زیدی، ندا بانو زیدی، ان کے بھائی حسن اختر زیدی اور ان کے تینوں صاحب زادے نبیل اختر زیدی، محمد باقر زیدی اور عدنان رضا زیدی، میجر صاحب کے قریبی عزیز اور دوست سید حسین احمد زیدی کے علاوہ خصوصی طور پر ذکر کرنا چاہوں گا مؤلف کی بڑی بہو ڈاکٹر سائرہ زیدی جو کہ سید فرخ زیدی کی اہلیہ ہیں جو سندھ پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے آج کل ڈیپوٹیشن پر اقوام متحدہ کے ادارے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے EPI پروگرام سے وابستہ ہیں اور خدمات انجام دے رہی ہیں۔ یہ تمام افراد مبارکباد کے مستحق ہیں کہ جن کی محنت اور کاوشوں سے یہ کتاب تکمیلی مراحل طے کرتے ہوئے ہمارے ہاتھوں تک پہنچی۔

بس اب میں اپنی تحریر کا اس دعا کے ساتھ اختتام کرتا ہوں کہ پروردگار عالم میجر (ر) افتخار حسین

زیدی کو ہمت، طاقت اور ان کے قلم کو اتنی قوت عطا کرے کہ یہ اس طرح کی اور اس سے مزید خوبصورت کتب تحریر کریں، ہم لوگ صاحب کتاب پر تنقید تو بڑی آسانی سے کر دیتے ہیں، مگر کیا کبھی کسی نے غور کیا کہ ایک مؤلف کو کسی کتاب کے لکھنے کے لیے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے۔ کہاں کہاں سے مواد اکٹھا کرنا پڑتا ہے، کتنی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ کتنی شخصیات سے رابطے کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر ایک کتاب مکمل ہو پاتی ہے، جیسا کہ اس کتاب کو لکھنے میں میجر صاحب کو پانچ سال کا عرصہ درکار ہوا۔ بس انہی باتوں کو سوچ کر ہمیں میجر افتخار جیسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ یہی ہمارا مؤلف کو خراجِ تحسین ہے۔

والسلام
مقصود عالم ہمایوں
ناظم محافل و مجالس
و دیگر ادبی تقریبات
ہفتہ، ۱۳ نومبر، ۲۰۱۰ء

مؤلف پر ایک نظر

میجر (ر) افتخار حسین زیدی میرے پھوپھی زاد بھائی اور نہایت محترم دوست ہیں۔ ہمارا بچپن اکٹھے گزرا، جبکہ میجر افتخار مجھ سے عمر میں چند سال بڑے ہیں۔ علم اور ادب سے لگاؤ شروع ہی سے تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ تعلیم حاصل کرنے کے لیے پنجاب چلے گئے۔ پہلے فیصل آباد (لائل پور) گورنمنٹ کالج سے ایف اے کیا، بعد میں بی اے کرنے کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور کالج کی "بزم فروغ ادب" کے صدر منتخب ہو گئے۔ ۱۹۶۳ء میں آپ کا فوٹو پہلی بار ہم نے اخبار میں دیکھا جو ہمارے گھر میں آتا تھا۔ میرے والد بزرگوار میجر (ر) سید مزمّل حسین زیدی نے جو میجر افتخار کے رشتے میں ماموں لگتے تھے، فوٹو دیکھتے ہی مجھے کہا کہ فوراً پھوپھی حضور کے پاس جاؤ اور انہیں مبارکباد بھی دو اور فوٹو بھی دکھاؤ۔ میں دوڑتا ہوا گیا اور پھوپھی حضور کو دکھایا۔ وہ پہلے تو گھبرا گئیں، کیونکہ اُس زمانے میں اخبار میں فوٹو وغیرہ بہت ہی کم چھپتے تھے، پھر بعد میں خوش ہوئیں۔

آیئے قارئین ان کے بارے میں کچھ اپنی اور کچھ ان کی زبانی بات کرتے ہیں:

۱۔ میجر (ر) سید افتخار حسین زیدی ابن سید حسین علی زیدی۔

۲۔ آبائی وطن حسین پور تحصیل ریواڑی ضلع گوڑ گاؤں مشرقی پنجاب (انڈیا) پیدائش، ۶ مئی، ۱۹۴۴ء حسین پور

۳۔ ابتدائی تعلیم موجودہ سکونت گاہ ہنگورجہ تحصیل گمبٹ حال تحصیل صوبوڈیرو ضلع خیر پور میرس کے پرائمری اسکول میں حاصل کی اور میٹرک بھی گورنمنٹ ہائی اسکول ہنگورجہ ہی میں ۱۹۶۱ء میں کیا۔ ان دنوں دو سال میں میٹرک کیا جاتا تھا اور سندھ یونیورسٹی امتحان لیتی تھی۔

۴۔ ایف اے گورنمنٹ کالج فیصل آباد (لائل پور، پنجاب) سے، ۱۹۶۳ء میں مکمل کیا۔

۵۔ بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۵ء

۶۔ مشاغل: گھڑسواری، کرکٹ، کتب بینی، پولو، سیر و سیاحت اور تحریر و تقریر۔

ملازمت:

۱۹۶۵ء میں فوج میں کمیشن حاصل کیا اور پی ایم اے کاکول میں مئی ۱۹۶۵ء میں داخل ہوئے اور مارچ ۱۹۶۶ء میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے طور پر لاہور محاذ پر توپ خانے کے ایک یونٹ میں پہلی مرتبہ تعینات ہوئے۔ دسمبر ۱۹۶۷ء میں آزاد کشمیر میں پوسٹنگ ہوئی اور پھر کیپٹن بن کر سیالکوٹ آ گئے اور فروری ۱۹۷۱ء میں میجر کے عہدے پر فائز ہوئے اور لاہور دوبارہ توپ خانے کے ایک درمیانے درجے کے یونٹ میں بیٹری کمانڈر رہے۔

اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں حسینی والہ قصور محاذ پر حصہ لیا اور گھمسان کی جنگ اسی محاذ پر لڑی گئی اور بھارتی قلعہ ''قصر ہند'' کی فتح میں حصہ لیا۔

۱۹۷۴ء میں افریقی ملک یوگنڈا کے مشہور زمانہ صدر جناب عیدی امین کے ملٹری سیکریٹری تعینات ہوئے۔ ۱۹۷۵ء میں اسکردو بلتستان (ناردرن ایریا) کے قراقرم اسکاوٹ میں بطور کمانڈنٹ تعینات ہوئے اور ۱۹۷۷ء میں اوکاڑہ چھاؤنی میں پوسٹنگ ہوگئی۔

۱۹۷۷ء کے مارشل لا لگنے کے بعد وہاڑی ضلع ملتان میں پریذیڈنٹ سمری ملٹری کورٹ نمبر ۳۰ تعینات ہوئے۔

۱۹۸۰ء میں یونٹ کا تبادلہ کراچی ہوگیا۔

۱۹۹۰ء میں ریٹائرمنٹ لے لی اور سندھ حکومت کے ایک ذیلی ادارے (کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ) میں چیف سیکورٹی آفیسر تعینات ہوئے اور پھر ڈائریکٹر بلک ریکوری (ٹیکس ڈپارٹمنٹ) اور ڈائریکٹر لینڈ کے عہدوں سے ۲۰۰۴ء میں ریٹائر ہوئے اور آج کل مولائے کائناتؑ کی خدمت اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

شادی خانہ آبادی اپنے حقیقی بڑے ماموں سید علی کوثر زیدی کی صاحبزادی سیدہ طاہرہ خاتون سے ۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء میں ہنگو رجہ میں ہوئی اور تین بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بڑے بیٹے سید فرخ تقی زیدی جو آج کل ایک ملٹی نیشنل کمپنی Siemens Pakistan Ltd میں بطور Manage Security and Administration کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دوسرے بیٹے سید راحیل حسین زیدی بھی اسی کمپنی میں بطور Commercial Office لاہور Project میں فرائض انجام دے رہے ہیں اور تیسرے بیٹے سید مہدی حسن زیدی بھی اسی کمپنی میں بطور Admin Office فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مؤلف کا خاندانی پسِ منظر: (مؤلف کی زبانی)

قارئین کرام مؤلف کا تعلق ایک متوسط زیدی سادات خاندان سے ہے۔ ان کے اور ہمارے جدِ اعلیٰ میر سید قاسم علی زیدی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ساتھ عراق کے علاقے ''واسط'' سے آ کر ہندوستان میں آباد ہوئے اور دہلی کے قریب تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ضلع گوڑگاؤں کی تحصیل ریواڑی (آج کل موہالی) کے نزدیک موضع ''حسین پور'' کے نام سے آباد کیا، جہاں صرف زیدی سادات آباد تھے اور قرب وجوار میں ہندو قومیں اہیر اور جاٹ آباد تھے، جو ان کی اور ہماری زمینوں پر کھیتی باڑی وغیرہ کا کام کرتے تھے۔

حسین پور گاؤں تقریباً ۸۰۰ (آٹھ سو) ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا، جس کے آدھے حصے کے مالک میر سید مطلوب حسین زیدی تھے اور آدھا حصہ مؤلف کے بڑے نانا میر سید اکبر علی زیدی کی ملکیت تھا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ گاؤں آباد ہوتا چلا گیا۔ ان کے ننھیالی اور ددھیالی بزرگوں نے حسین پور میں عزاداری امام مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام کی بنیاد رکھی اور مسجد وامام بارگاہ تعمیر کرائی اور تعزیہ، علم و ذوالجناح کے برآمد ہونے کا بندوبست کیا، جو جلد ہی قرب وجوار میں مشہور ومعروف ہوگیا۔

مؤلف کے بڑے نانا میر اکبر علی زیدی بہت متقی، عبادت گزار اور مولائے کائناتؑ کے عقیدت مند تھے۔ نذر ونیاز کا اہتمام نہایت ہی پاکیزگی اور بہترین طریقے سے کیا کرتے تھے۔ محرم الحرام کی سات تاریخ سے عاشورہ کے روز تک کھانا پینا موقوف کر دیتے تھے اور یوم عاشورہ پر جلوس علم وتعزیہ کے ساتھ بے ہوشی کے عالم میں گھوڑے کی پشت پر ڈال کر لے جائے جاتے تھے اور یہ ایک کرامت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ہمارے گاؤں حسین پور جو اب ''نیا گاؤں'' کے نام سے مشہور ہے، وہاں پر اگر کوئی قبر سلامت ہے تو وہ میر سید اکبر علی زیدی کی ہے، جہاں آج بھی ہندو جمعرات کے روز چراغ جلاتے ہیں اور قبر منور کی مٹی بیماروں کی شفا یابی کے لیے لے جاتے ہیں اور ''مٹی والے پیر'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے جدِ اعلیٰ میر سید حیات علی زیدی اور ان کے دو بیٹے میر سید مہدی حسین زیدی اور میر سید امتیاز حسین زیدی کا صوفی ازم، درویشی اور علم میں اپنا ہی ایک مقام تھا اور انہوں نے عزاداری میں ان کے بڑے نانا اور ان کے بیٹے میر فتح حسین زیدی اور میرے نانا میر منظور علی زیدی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور اس طرح عزاداری امامؑ کو عقیدت کے ساتھ آگے بڑھاتے رہے۔ ان کے نانا میر سید منظور علی زیدی اس زمانے میں تحصیل دار کے عہدے پر فائز تھے اور دادا میر سید باقر حسین زیدی ریلوے پولیس میں ملازم تھے۔

مؤلف کی تربیت کی زیادہ ذمے داری ان کی والدہ گرامی سیدہ نثار فاطمہ زیدی مرحومہ جنت مکانی کے ذمے رہی، کیونکہ والد گرامی فوج میں ملازم ہونے کی وجہ سے عالمی جنگ دوم میں برما کے محاذ پر مصروف تھے۔ مؤلف بتاتے ہیں کہ والدہ گرامی کو بچپن ہی سے نماز اور دیگر مذہبی فرائض کی پابندی سے بجا آوری کرتے

دیکھتا تھا۔ انہیں آج بھی یاد ہے کہ فجر کی نماز کے بعد وہ مجھے اپنی آغوش میں لے کر مولائے کائناتؑ کی منقبت ضرور پڑھا کرتی تھیں۔ اس منقبت کے چند شعر آج بھی یاد ہیں:

ابھی ہوتی ہے مشکل آسان — علیؑ علی کہہ علیؑ علیؑ کہہ
نبیؐ جو علم خدا کا گھر ہے — یقین جانو یہ اس کا در ہے
علیؑ کا در بھی عجیب در ہے — کہ حاصل جس سے جہاں میں گھر ہے
نہ کچھ خلل ہے نہ کچھ زلل ہے — نہ کچھ ضرر ہے نہ کچھ خطر ہے
بصدق نیت بصدق ایماں
علیؑ علیؑ کہہ علیؑ علیؑ کہہ

پاکستان بننے کے بعد ہم لوگ سندھ کی ایک شیعہ ریاست ''خیر پور میرس'' کے ایک گاؤں ''ہنگورجہ'' میں آکر آباد ہوئے اور آج تک وہیں آباد ہیں۔ وہاں کی مقامی شیعہ آبادی جن میں بخاری سادات نمایاں طور پر عزاداری امام مظلومؑ بڑی عقیدت سے مناتے ہیں ان کے بڑے صوفی بزرگ حضرت سید عیدل شاہ صاحب مرحوم اپنے وقت کے مشہور و معروف ذاکر اور روحانی پیشوا تھے۔

ان کے بعد ان کے پوتے سید منظور شاہ ذاکری کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ ہنگورجہ میں آباد ہونے کے بعد سب سے پہلے فرش عزاء میری والدۂ گرامی قدر نے اپنے گھر میں بچھایا اور بعد میں اپنے بھائی سید علی کوثر زیدی جو اس وقت ملتان میں محکمۂ خوراک میں ایک اعلیٰ عہدے پر تعینات تھے، ان کے ساتھ عزاداری امام مظلومؑ اپنے آباواجداد کے طریقے پر شروع کی۔

سائیں عیدل شاہ کا گھرانہ ایک مذہبی اور درویش گھرانہ رہا ہے جس نے بہت ہی مشہور و معروف شاعر ذاکر اور خطیب پیدا کئے ہیں۔ سائیں کے بھانجے حیدر شاہ ایک بہت بڑے شاعر تھے اور سندھ کے شاعروں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے ان کے بھانجے الطاف شاہ آج کل ایک اچھے ذاکر ہیں۔ سائیں عیدل شاہ کے پوتے منظور شاہ آج کل سندھ کے بڑے شہروں میں جا کر ذاکری کرتے ہیں اور ان کا امام بارگاہ ''بڑا علم'' پورے خیر پور میں مشہور ہے۔ سائیں کے نواسے کاظم شاہ جو محکمہ فوڈ میں ہیں ان کے بیٹے اصغر شاہ جو کراچی کے گلشن حدید کے ایک مشہور و معروف مدرسے ''دارالشفاء'' میں زیر تعلیم ہیں اور کم عمری میں ہی ایک بہترین ذاکر اور خطیب ہیں اور آنے والے دنوں میں وہ ایک بہت عالم اور ذاکر بنیں گے (آمین) ہنگورجہ کے سجادہ نشین سید کاظم علی شاہ، سائیں محرم علی شاہ، ان کے بھائی امداد علی شاہ، بھی عزاداری امام مظلومؑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور ان کے بزرگ سید صوفن علی شاہ، ارشاد علی شاہ، سائیں محرم علی شاہ اور سائیں غلام شبیر مرحومین میں بہت

اعلیٰ پایہ کے مومن تھے۔ اور عزاداری کے فروغ میں ہم لوگوں کی اعانت کرتے تھے۔ ہنگورجہ میں آباد ہونے کے بعد سب سے پہلے فرش عزاء ان کی والدہ گرامی قدر نے اپنے گھر میں بچھایا اور بعد میں اپنے بھائی سید علی کوثر زیدی جو اس وقت ملتان میں محکمۂ خوراک میں ایک اعلیٰ عہدے پر تعینات تھے، سے مل کر عزاداری امام مظلومؑ اپنے آباء واجداد کے طریقے پر شروع کی۔

ہنگورجہ ضلع خیر پور میرس میں آباد ہونے کے بعد عزاداری امام حسین علیہ السلام ہمارے تمام بزرگوں نے مل کر شروع کی اور ایک مشترکہ امام بارگاہ قائم کی گئی۔ ہمارے بزرگوں میں قابل نام کچھ اس طرح ہیں۔ سید اسمٰعیل حسین زیدی، میجر (ر) سید مزمل حسن زیدی، سید علی کوثر زیدی، سید اقبال حسین جعفری، سید اکرام حسین جعفری، کرنل سید حسن مجتبیٰ جعفری مرحوم، سید اکبر زیدی، پہلے مشترکہ امام بارگاہ ہمارے پھوپھا جی سید اقبال حسین جعفری مرحوم کے دولت خانہ کے قریب ہی ایک بڑے گھر میں بنائی گئی۔ جہاں مجالس کا انعقاد بڑی عقیدت سے کیا جاتا تھا۔ آج کل یہ امام بارگاہ ''انجمن حسینیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ ہنگورجہ کی سب سے بڑی امام بارگاہ مقامی بخاری سادات کے روحانی پیشوا سید عیدل شاہ بخاری مرحوم کے دولت خانے کے قریب ''بڑا علم'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ اور ہزاروں کی تعداد حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقیدت مند تلواروں اور زنجیروں کا ماتم کرتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد فروغ عزاداری امام مظلومؑ کے لیے ایک اور امام بارگاہ میرے ماموں جناب والد میجر (ر) سید مزمل حسین زیدی مرحوم کے دولت خانے کے ایک بڑے حصے میں قائم کی گئی۔ یہ ''مرکزی امام بارگاہ'' کے نام سے ہے۔ پورے خیر پور ضلع میں مشہور ومعروف ہے۔ اس کا انتظام پہلے میرے والد میجر مزمل حسین اور میرے تایا اسمٰعیل حسین بھائی ظلِ حسن اور بعد میں کرنل غیور حسن اور بھائی اسلم خیال اور آج کل انتظام وانصرام راقم سید حسین احمد زیدی جو سندھ حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے، اپنے بھانجوں ڈاکٹر سید محمد اظفر زیدی، سید غلام حسین جعفری، سید ضیغم عباس زیدی، سید احتشام حیدر اور آصف زیدی بہت ہی مودت سے سنبھالتے ہیں اور مجالس محرم الحرام اور اربعین بہت ہی عقیدت سے منعقد کرواتے ہیں۔

امام بارگاہ ''انجمن حسینیہ'' کا بندوبست بھائی سید عزادار حسین جعفری، جسٹس (ر) زوار حسین جعفری، سید محسن جعفری اور برادران نہایت ہی سلیقہ مندی سے سنبھالتے ہیں۔ اور حال ہی میں اس امام بارگاہ کی تعمیر نو، بھائی جسٹس (ر) سید زوّار حسین جعفری، سید عزادار حسین جعفری نے مکمل کروائی ہے۔ اور ایک نہایت ہی قیمتی اور خوبصورت ضریح مبارک بھائی جسٹس (ر) سید زوار حسین جعفری نے مکمل کروا کر نصب کی ہے۔

ہنگورجہ میں پہلے جلوس عاشورہ الگ الگ نکلتے تھے، لیکن ہماری اور بھائی سید محسن جعفری کی ان تھک کوششوں سے جلوس علم وتعزیے روزِ عاشورہ اب اکٹھے نکلتے ہیں۔ اور یک جہتی اور بھائی چارے کی فضا کو

برقرار رکھے ہوتے ہیں۔ اور اس یک جہتی کے استحکام کے لیے ہم نے اور مؤلف نے، بھائی کرنل (ایئرفورس) سید انجم زیدی، ڈاکٹر اظفر زیدی نے بھی بڑا کردار ادا کیا ہے۔ تعزیے کی ابتدا میرے چچا حضور کوثر زیدی نے اپنے قریبی عزیز سید وزیر علی مرحوم کے ساتھ مل کر شروع کی تھی، جو آج تک جاری و ساری ہے اور آج کل میرے چچا زاد بھائی کرنل (ایئرفورس) انجم ان کے بھائی وقار زیدی مؤلف کے چھوٹے صاحبزادے مہدی حسن خرم زیدی اور بھتیجے عدنان رضا اور ان کے ہم زلف سید مظاہر حسین زیدی تعزیے بنانے کا کام نہایت خلوص اور عقیدے سے کرتے ہیں اور ہر سال محرم کی ۹ تاریخ کو اور ماہ صفر المظفر کی ۱۹، تاریخ کو اربعین کے روز نصب کیا جاتا ہے۔

دوسرا تعزیہ میرے والد میجر (ر) سید مزمل حسین زیدی مرحوم نے اپنے بہنوئی سید اسحاق حسین زیدی کے ساتھ مل کر بنانا شروع کیا جو آج کل ان کے شاگرد بھائی جلال زیدی اور جمال زیدی بڑے عقیدت سے بناتے ہیں۔ ''مرکزی امام بارگاہ'' نے بڑے سوزخواں پیدا کیے ہیں۔ کچھ آج کل فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بڑے ناموں میں میرے تایا اسمٰعیل حسین زیدی چچا ناصر زیدی، بھائی سید نیر حسین زیدی مرحوم، حکیم سید محمد شفیع مرحوم، سید وصی حیدر زیدی مرحوم، سید میر آفتاب حسین، خطابت میں چچا علی کوثر زیدی، مؤلف میجر افتخار زیدی، بھائی کرنل غیور حسن بھائی، اسلم خیال زیدی مرحوم کا اپنا ہی ایک انداز رہا ہے۔ سوزخوانی آج کل بھائی افتخار زیدی، سید خالد حسین زیدی، سید طاہر حسین، سید ظامن علی، سید عدنان رضا، سید تراب علی یہ فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ہمارے غریب خانے پر عرصہ دراز سے سبیل امام مظلومؑ اور نذر و نیاز کا سلسلہ جوان کی والدۂ گرامی نے شروع کیا تھا بحمد اللہ آج تک قائم و دائم ہے اور اس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے اور میرے بھائی سید حسن اختر زیدی جو خود بھی تعلیم کے محکمے سے تعلق رکھتے ہیں، مؤلف کے بڑے بیٹے سید فرخ تقی زیدی دوسرے بیٹے سید راحیل حسین زیدی (رومی) چھوٹے بیٹے سید مہدی حسن زیدی (خرم) اور بھائی سید حسن اختر زیدی کے بیٹے سید نبیل اختر زیدی (شازی) سید باقر زیدی (رازی) اور عدنان رضا زیدی (غازی) کے ساتھ مل کر ایک بڑے پیمانے پر سبیل امامؑ اور نذر کا اہتمام کرتے ہیں۔ پہلے یہ کام میں اور ان کے والد سید حسین علی زیدی اور چھوٹے ماموں علی اکبر زیدی اور علی اصغر زیدی کیا کرتے تھے۔

ہنگورجہ اب ہمارے آبائی گاؤں کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ کیونکہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ملازمتوں وغیرہ کے سلسلے میں اب تقریباً تمام عزیز و اقربا کراچی میں آباد ہو چکے ہیں اور ہنگورجہ محرم الحرام اور امام مظلومؑ کے چہلم پر یا کسی اور خاندانی تقریب میں جانا ہوتا ہے۔ کراچی میں ایام عزا میں مؤلف کے بڑے بیٹے فرخ تقی اپنی اہلیہ ڈاکٹر سائرہ زیدی کے ساتھ مل کر گلشن اقبال میں امام بارگاہ یثرب میں شب بیداری کا بڑے پیمانے پر اہتمام کرتے ہیں اور صفر المظفر میں اپنے گھر پر مجالس کا بندوبست کرتے ہیں۔ شب بیداری

میں مشہور و معروف شاعر اہل بیتؑ اور ذاکر جناب شوکت رضا شوکت ہر سال آ کر مجالس میں ذکر مولاؑ بڑی عقیدت سے بیان کرتے ہیں اور کراچی کی تمام ماتمی انجمنیں آ کر نوحہ خوانی اور ماتم داری کرتی ہیں۔

فقط والسلام
سیّد حسین احمد زیدی
ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن آفیسر
گورنمنٹ آف سندھ پاکستان

مؤلف کا شجرۂ نسب

آپ نجیب الطرفین زیدی سادات ہیں اور پینتالیسویں پشت میں مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے جا ملتے ہیں۔ (شکر الحمد للہ)

(۱) مولائے کائنات امام اوّل امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام

(۲) حضرت سید الشہداء، مظلوم کربلا امام حسین علیہ السلام ابن

(۳) حضرت امام زین العابدین، سید الساجدین علی بن الحسینؑ ابن

(۴) سید حضرت ابوالحسن زید شہید علیہ السلام☆ ابن

(۵) سید حسین ذوالدّمعہ ابن

(۶) سید یحییٰ محدث ابن

(۷) سید ابو علی عمر ابن

(۸) سید عبداللہ ابن

(۹) سید عبدالرحمٰن ابن

(۱۰) سید اسمٰعیل ابن

(۱۱) سید ابو بکر ابن

(۱۲) سید قاسم ابن

(۱۳) سید فضل ابن

(۱۴) سید حسین الزم ابن

(۱۵) سید جعفر ابن

(۱۶) سید عقیل ابن

(۱۷) سید یعقوب ابن

(۱۸) سید طلحہ ابن

(۱۹) سید احمد ابن

(۲۰) سید عبداللہ ثانی ابن

(۲۱) سید اسحاق ابن

(۲۲) سید تاج ابن

(۲۳) سید ابو القاسم (مورث اعلیٰ حسین پور تحصیل ریواڑی ضلع گوڑگاؤں انڈیا) ابن

(۲۴) سید حسین ابن

(۲۵) سید محمد ابن

(۲۶) سید عبدالستار ابن

(۲۷) سید عبدالمجید ابن

(۲۸) سید کلو ابن

(۲۹) سید رکھا ابن

(۳۰) سید عبدالستار ابن

(۳۱) سید قاسم علی ابن

(۳۲)سید محمد تاج	ابن	(۳۳)سید ابوطالب		ابن
(۳۴)سید مکارم	ابن	(۳۵)سید محمد		ابن
(والد گرامی)		(۳۶)سید عبدالستار	(والدہ گرامی)	
(۳۷)سید یوسف علی	ابن	سید مقصود علی		ابن
(۳۸)سید ماہ (ماہو)	ابن	سید عبداللہ		ابن
(۳۹)سید بھیکا	ابن	سید امجد علی		ابن
(۴۰)سید مصاحب علی زیدی	ابن	سید امیر علی		ابن
(۴۱)سید حیات علی زیدی	ابن	سید اکبر علی (نمبردار حسین پور)		ابن
(۴۲)سید مہدی حسین زیدی	ابن	سید فتح حسین		ابن
(۴۳) باقر حسین زیدی	ابن	سید منظور علی		ابن
(۴۴)سید حسین علی زیدی	ابن	(بنت) سیدہ نثار فاطمہ زیدی		ابن

سید افتخار حسین زیدی

☆ یہ فرقہ زیدی کے بانی ہیں اور اپنے ۳۰۰ رفقاء کے ساتھ خلیفۂ وقت کے خلاف انہوں نے خروج کیا اور سب شہید ہوئے اور تاریخ نے انہیں ''زید شہید'' کے نام سے متعارف کروایا۔

یاعلیؑ کہہ کے میں اپنا قلم اٹھاتا ہوں

''پیش گفتار''

قارئین کرام:

میری فکری کاوش ''وجودِ کائنات مولا علیؑ اور غدیرِ خم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس کتاب پر گفتگو کریں، چند خوبصورت اشعار جو میرے نہیں ہیں، لیکن حسب حال ہیں اور میرے جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہیں:

مگر نظر میں ہو جب علم کی کوئی منزل
تو آن پڑتی ہے اس راہ میں بڑی مشکل
لرزنے لگتا ہے سینہ میں خود بخود میرا دل
یہ سوچتا ہوں بھلا میں کہاں ہوں اس قابل
یہ بات عام روش کے خلاف کرتا ہوں
میں اپنے جہل کا خود اعتراف کرتا ہوں

امید ہے کسی حد تک آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ دیکھیے میں کوئی عالم، محقق یا ادیب نہیں ہوں۔ تحریر میں اگر کہیں کوئی جھول نظر آئے تو مجھے معاف فرمائے گا۔ ہمارے آٹھویں امام حضرت امام علی الرضا علیہ السلام ایک مجلس میں اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ محرم الحرام کا چاند نظر آ گیا۔ آپؑ نے عمامہ اتارا اور گریہ شروع کیا، یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور پھر چند دن بعد یوم عاشورہ پر آپ نے گریبان چاک کیا اور آہ و بکا کرنے لگے۔ اصحاب نے عرض کی، مولا آپؑ تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد بھی سانحۂ کربلا کو یاد کر کے رنجیدہ ہو جاتے ہیں تو آپؑ نے جلال کے عالم میں فرمایا: ''لِئَلَّا تَنسَوْنَ کَمَا نَسِیتُم الغَدِیر'' یعنی ہم کربلا کو اس لیے یاد کرتے ہیں کہ کہیں تم ''غدیر'' کی طرح سانحۂ کربلا کو بھی نہ بھول جاؤ۔ بس مولا کے اس فقرے نے مجھے متحرک کیا کہ غدیر کا مطالعہ کروں اور اس پر کتاب لکھوں۔ اس کے بعد مولا نے آگے چل کر پھر فرمایا: کہ ایک اصول بتا رہا ہوں، اگر زندگی میں کسی چیز پر رونا آئے تو پہلے میرے جدِ امجد سید الشہداءؑ پر گریہ کرنا۔ ''اِنْ کُنتَ بَاکِیاً عَلیٰ شَیٍٔ خَابِکَ عَلیٰ جَدِّیَ الغَرِیب'' ہمارے ان امامؑ نے بھی علم کے وہ آب گینے اور انمول موتی دنیا کی نذر کیے، جن سے آج بھی اور قیامت تک دنیا فیضیاب ہوتی رہے گی۔ ہم آگے چل کر ان آب گینوں اور انمول موتیوں کا ذکر کریں گے۔

والدۂ گرامی قدر کے انتقال کے بعد ان کے مدرسۂ تربیت سے محرومی ہوئی، لیکن مولائے کائناتؑ سے ان کی عقیدت دیکھتے ہوئے یہ جذبہ ذوق وشوق سے فطری طور پر میرے دل بیدار میں پیدا ہوا اور ان کی

خواہش، دعاؤں اور تربیت نے مجھے یہ جرأت عطا کی کہ آج میرا قلم "ولائے علیؑ" لکھنے کی کوشش کے قابل ہوا اور مولائے کائناتؑ سے جنون کی حد تک لگاؤ اور عقیدت گویا میرے سفرِ حیات کے ساتھی بن گئے اور محرومی اور اندھیروں کو اکتسابِ علم کی ضو نے مٹا کر اعلان ولایت جناب امیرؑ در میدانِ غدیر کے مطالعے اور تحریر کو اور مہمیز کیا، اور یوں سفرِ تحقیق کو عزمِ مصمم کے ساتھ طے کرتا ہوا منزلِ مشاہدات کے قریب تر ہو گیا اور اب یہ منزل اکتسابِ علم کا مسافر اور "درِ علم" کا فقیر فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ بغیر راہ رو کے "منزلِ تحقیق" جو آخری منزل نہیں اس سے قریب تر ہے۔ "علم وہ سمندر ہے، جس کا کوئی ساحل نہیں"

میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ایک ایسی قدآور اور عظیم ہستی کے بارے میں لب کھولوں کہ جن کے بارے میں لب کھولتے ہوئے بھی زبان کانپ جاتی ہے۔

اس فکری کاوش میں شامل افکار کا مدار و محور انسانی عظمت کی تاریخ کو منور و مہمیز کرنے والی وہ عظیم القدر شخصیت ہے، جن کے کردار کی صداقت اور جذبوں کی سچائی اور توانائی سے ابن آدم کی تہذیب اور دینِ ایزدی کے آئین کی تشکیل ہوئی اور اسلامی اقدار کی پیشانی پر انسانی عکسِ دوام کی صورت میں ابد تک چمکتا رہے گا۔

میرے نزدیک سچے اور کھرے جذبوں کی حرارت جب فکر و خیال کی روشنیوں کے رنگ نکھارتی ہے، تو الفاظ الہام کی آئینہ بندی کر کے ذہنی حجابوں سے ادھر پوشیدہ حقیقتوں کا سراغ لگاتے اور محسوسات کے آفاق سے پرے مدفون اسرار کا پتا بتاتے ہیں اور جب تک صاحب نطق و بیان لفظوں کے مزاج سے مکمل طور پر واقف نہ ہو، وہ جذبہ و خیال کے بے کراں صحراؤں میں دور تک پھیلے وہم اور تشکیک کے گھن گھور اندھیروں میں راستہ بھٹک کر اپنے وجود تک کے نشانات سے بے خبری کے داغ اپنی بصیرت کے اجلے پیرہن پر سجاتا رہتا ہے اور اسی قلبی گمراہی کی آخری منزل کا نام موت ہے۔ موت جو جذبوں سے توانائی اور خیال سے رعنائی چھین لیتی ہے، اسی لیے میں ہمیشہ لفظ کی حیاتی قوت کا قائل رہا ہوں۔ لفظ انسانی تہذیب کا سرمایہ بھی ہے اور فکری نظریات کی پہچان بھی۔

مرنے والوں کی قبروں کی پیشانیوں پر لفظوں سے اٹے کتبے ہی دراصل ان کی اصل میراث ہے۔ موت کے بعد ہماری پہچان ہمارے وہ لفظ ہی تو بنتے ہیں جو ہم سادہ کاغذوں کے حوالے کر جاتے ہیں۔ انہی سادہ کاغذوں پر لکھے حروف نے مجھے اس عظیم ترین شخصیت کا ادراک عطا کیا، جو میری اس کتاب کا موضوع اور میری فکر کے تمام دائروں کے مرکزی نقطوں کی حیثیت رکھتا ہے۔

میں نے اپنی تاریخ کے الفاظ کے سینے میں اتر اتر کر اور حروف کی تخلیق کے مراحل سے گزر گزر کر اس کردار کی رہگزار پر تابندہ نقوشِ قدم کی مٹی کے ذرّوں کو اپنی پلکوں پر سجانے کی عبادت کی ہے۔

میں نے اور شاید آپ نے بھی محسوس کیا ہے کہ تاریخ صرف اُن افراد کی عظمتوں کو سلام کرتی ہے،

جو اپنے کردار اور عمل کی عظمت سے تاریخ کو عظیم بناتے ہیں اور انسانی فکر صرف ان ذہنوں کی چوکھٹ پر تعظیم کا فریضہ انجام دیتی ہے، جو فکر سے انسان کی ذہنیت کو معراج عطا کرتے ہیں۔

انسان ازل سے اپنی تاریخ خود لکھتا ہے۔ تاریخ اپنے بوڑھے ہاتھوں میں سادہ کاغذ کا کشکول لیے انسانی وجدان کے بند اور مقفل کواڑوں پر دستک دیتی رہتی ہے اور جو کچھ اس کے کشکول میں انڈیلا گیا، وہ نہایت دینداری اور ایمانداری سے آئندہ نسلوں کے حوالے کر دیتی ہے۔ تاریخ کی بینائی آج تک کمزور نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کا حافظہ خراب ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم خود اپنی تاریخ سے تعصب کرتے رہے ہیں، مگر تاریخ ہمارے تعصب یا بغض وحسد کی دسترس سے بلند و بالا رہی ہے۔ ہم اپنی تاریخ کے صفحے جلا تو سکتے ہیں، مگر اس کے سینے میں چھپی ہوئی سچائیوں کو نہیں بھلا سکتے۔ یونانی فلاسفر الیگزینڈر، ارسطو، افلاطون کے لکھے ہوئے اور کہے ہوئے افعال اور دریائے نیل کے شب و روز دریا برد تو کر سکتے ہیں، لیکن جناب موسیٰؑ اور فرعون کے کردار کو نہیں بھلا سکتے۔

میں نے جب بھی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا، مجھے اسلام کا بچپن جناب ابوطالبؑ کی گود میں بہلتا نظر آیا۔ جوانی جناب رسول مقبولؐ اور پیغمبر انسانیت کے دامن میں محو آرام ملی، بڑھاپا حضرت علی علیہ السلام کے مضبوط طاقتور بازوؤں کے آنگن میں سانس لیتا دکھائی دیا۔ اسلام کی عصمت کا نام بتولؑ عظمت کا لقب حسنؑ، زندگی کا ضامن حسین علیہ السلام اور سقائیت اور وفا کا نام عباسؑ ہے۔

میں اپنی اس جرأت پر خود بھی حیران ہوں کہ میں نے پہلے پہل اپنا قلم اُس عظیم القدر ہستی کے لیے اٹھایا کہ جس نے سرِعام "سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ" کا نعرہ لگایا اور درِ خیبر کو ایک انگلی کی طاقت سے جڑ سے نکال پھینکا۔ جس نے "عمر بن عبدود" کو جنگ خندق میں ایک ضرب حیدری سے فی النار کیا۔

میں نے اپنی اس کتاب کی تالیف میں کوشش یہ کی ہے کہ تخلیق کائنات کی مسند بچھانے سے لے کر عرب کے حالات، اسلام اور ظہور قدسی سے پہلے اور بعد، خاندان بنو ہاشم، اعلان نبوت، اسلام کی جنگیں اور ان میں مولا علیؑ کا کردار اور اوصاف حمیدہ، پیدائش، طرز جہانبانی، تقویٰ و پرہیزگاری، سخاوت، حلم اور شجاعت اور علم کا سمندر ہونے تک۔ دوسروں کی زبانی، اصحاب کرام، ائمہ کرام، دوسری فقہوں کے اماموں کے اقوال مولا کی شان میں، دوسرے مذاہب کی کتابوں میں مولا علیؑ کی شان میں قصیدے، امامت کی اہمیت از روئے قرآن اور پھر ولایت علیؑ کی تعریف از روئے قرآن، حالات زندگی، پاکیزہ طرز زندگی، علم اور تقویٰ، خدا اور رسولؐ کا اتباع، "نہج البلاغہ" جیسا علمی و ادبی خزانہ، غرض یہ کہ اس مختصر سی کاوش میں یہ تمام چیزیں نہیں سموئی جا سکتیں، بلکہ ان کے لیے ایک سمندر سیاہی کا اور کائنات کا دفتر موجود ہو تو بھی ان کے بارے میں لکھنے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ان کے بارے میں سوچنا عقل انسانی کے لیے تمام قیود و حدود کے ساتھ انصاف و عدل کرنے سے قاصر ہے۔ مولا کی شان یا تو خدائے عزوجل یا ہمارے نبیؐ پاک ہی بیان کر سکتے ہیں۔ ہماری یہ جرأت نہیں

کہ ہم ان کی شان بیان کرسکیں۔ بس کوشش اور سعی کی ہے کہ کچھ آخرت کا سامان ہوجائے اور پروردگارِ عالم میری اس کوشش کو قبول کرے اور ہماری مشکلات مولائے مشکل کشاؑ کے صدقے میں حل فرمائے۔

"اسلام کی پہلی درسگاہ"

عالم اسلام میں جو پہلی علمی درسگاہ قائم ہوئی وہ مدینہ منورہ میں ہوئی اور ہمارے چھٹے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "باغ امام جعفر صادق علیہ السلام" کے نام سے قائم کی، جس میں اس وقت تقریباً ۴۰۰۰ چار ہزار شاگرد تحصیل علم میں مصروف تھے، جن میں اہل سنت کے امام اوّل جناب حضرت نعمان بن ثابت المعروف "امام ابوحنیفہ" سرفہرست ہیں اور انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک جماعت بنائی اور نام رکھا "اہل سنت والجماعت" اور اس طرح استادِ مکرم کا مسلک "فقہہ جعفریہ" کہلانے لگی۔ اور شاگرد کا مسلک "فقہہ حنفیہ" کہلانے لگی۔ دنیا کے دوسرے مشہور و معروف اور علم کیمیا "Chimstry" کے بانی حضرت جابر بن حیان تھے، جن کا نام پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔ اور "بابائے کیمیاء" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور علم کیمیاء پر لکھی ہوئی ان کی کتب سے پورا یورپ استفادہ کررہا ہے، لیکن افسوس کہ مسلمان فرقہ واریت میں پڑ گئے اور دنیا کی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ موجودہ سائنسی دور اور جوہری توانائی (Nuclear Technology) پر، جس امام نے سب سے زیادہ شاگردوں کو تعلیم دی وہ حضرت امام علی الرضا علیہ السلام (مدفون بہ مشہد مقدس ایران) ہیں۔ اس ضمن میں ان کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

جناب ڈاکٹر محمد تقی خان سابق پرنسپل نظام کالج دکن انڈیا جب اپنی توسیعی تقاریر کے سلسلے میں جرمنی کے دارلحکومت "بون" گئے تو وہاں کی سب سے بڑی لائبریری میں انہوں نے حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کی وہ تصانیف دیکھیں، جن میں آپؑ نے جوہری توانائی کے کلیات سمجھائے تھے، جن کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا گیا اور تجزیہ (ANLYSIS) کرنے کے بعد جرمنی نے ایٹم بم بنالیا اور دوسری جنگ عظیم میں امریکا نے اس کا غلط استعمال کرتے ہوئے ہیروشیما اور ناگاساکی (جاپان) پر گرا کر ایک ہولناک تباہی سے انسانیت کو دوچار کردیا اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ بعد میں اسی توانائی کو انسانیت کی بہبود کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ آج مغربی دنیا، جن ایجادات پر فخر کرتی ہے ان کے متعلق ہمارے ائمہ کرامؑ نے بارہ سو سال پہلے سمجھا دیا تھا اور انہی کا صدقہ ہے، جس سے پوری دنیا فیضیاب ہورہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ الجبرا (Algebra) علم الاعداد کے بانی ہمارے امام اوّل مولائے کائناتؑ ہی ہیں، جن سے دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔

ویسے تو ان گنت کتابوں میں ولایت اور امامت علیؑ کے بارے میں بڑے بڑے علمائے کرام نے لکھا ہے، میری حیثیت تو ایک ذرّے کی ہے۔ بس دلِ بیدار نے یہ جذبہ پیدا کیا کہ مولائے کائناتؑ کے

بارے میں کچھ اس طرح سے لکھا جائے، جو ابھی تک منظر عام پر نہ آیا ہو۔ میں خود کوئی عالم یا فاضل نہیں ہوں۔ بس باب مدینۃ العلم کا فقیر ہوں اور اس در سے اپنے لیے علم اور تقویٰ کی بھیک مانگتا ہوں، جو یقیناً ملے گی۔

قرآنی آیات کی تفسیر اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اقوال‘ سائنس کی معلومات کو الفاظ کی ایک ایسی لڑی میں پرویا ہے کہ جیسے پھولوں کے ہار میں مختلف گلوں کے ساتھ گلاب کے پھول ٹانکے جاتے ہیں، جو یقیناً اس کتاب کے جامع ہونے کا مظہر ہیں۔ ذاتی معلومات کی حد میں اس کتاب کی تصویر و مضمون کو تصدیق معتبر کے فریم میں سجانے کے لیے سائنس دانوں، تاریخ دانوں، علمائے کرام اور فقہائے عظام کی روشن فکری کا بھی سہارا لیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کی طرف سے انگشت اعتراض نہ اٹھ سکے اور افکار ماضی کی مشعل سے حال و مستقبل کو منور کیا جا سکے۔ اُمتِ مسلمہ اور خاص کر شیعیان حیدر کرارؑ کسی بھی ایسی چیز پر یقین نہیں رکھتے کہ جس کا ذکر قرآن میں نہ آیا ہو۔ ایسی احادیث جن کا حوالہ قرآن پاک سے ثابت نہ ہو، وہ بھی ہمارے یقین کامل سے دور ہیں اور کچھ ایسی ہی حیثیت اس کتاب کی بھی ہے کہ جو کچھ اس میں کہا گیا ہے وہ نہایت مدلل اور قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ کوئی چیز بھی امکانی حد تک ان سے باہر نہیں ہے۔ ہاں کچھ ایسی چیزیں جو دوسرے مذاہب نے بیان کی ہیں، جیسے اہل ہنود کی کتاب ''گیتا'' یا کوئی اور حوالہ جو اہل ہنود یا نصرانیوں‘ عیسائیوں کی کتب سے لیا گیا ہے، وہ بھی نہایت مستند کتب سے ماخوذ ہے اور یہ ہی چیزیں اس کتاب یعنی ''وجودِ کائنات مولا علیؑ اور غدیرِ خم'' لکھنے کا محرک بنی۔

راقم الحروف نے پوری کوشش کی ہے کہ پڑھنے والے کو روز آفرینش یعنی کائنات کی تخلیق سے لے کر کہ وہ کس طرح تخلیق کی گئی اور پھر اس کائنات کا گوہر مقصود کیا تھا، یعنی کس کے لیے یہ کائنات کی مسند بچھائی گئی، یعنی یہ کام بھی پروردگارِ عالم کا Mission Oriented تھا جو آگے چل کر حدیث کساء میں بیان کیا گیا۔ اس کے بعد عرب کے جغرافیے اور ''ظہور قدسی'' سے پہلے کے حالات اور اسلام کے اعلان کے بعد اور پھر مختصراً جنگیں، جو کافروں اور مسلمانوں میں ہوئیں، اسلام کے اعلان کے دوران جو مشکلات پیش آئیں، ان کا ذکر بھی مختصر ہے۔

اس فکری کاوش میں خاندان بنو ہاشم کے بارے میں تفصیلاً بتایا گیا ہے، تاکہ یہ بھی بات ذہن نشین رہے کہ خاندانِ رسالت و نبوت کی کیا عظمت و تکریم تھی اور اہل عرب کتنا احترام و عقیدت رکھتے تھے۔ اور مکے کی سرداری بھی انہی کے حصے میں آئی تھی۔ چوتھے دور میں امامت کی ابتدا، حضرت علی علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت ان کا خاندان‘ ان کے اطوار ان کی طرز زندگی‘ ان کا زہد و تقویٰ‘ ان کا رسول پاکؐ کے دامن میں پرورش پانا‘ علم اور سخاوت‘ شجاعت اور حلم کا بادشاہ بننا‘ اُن کے اوصاف حمیدہ‘ اُن کی جنگیں‘ ان کی صفات یہ سب بیان کی گئی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی ہستی کیا تھی اور کتنی عظیم القدر تھی۔

منزل تحقیق ''وجودِ کائنات مولا علیؑ اور غدیرِ خم'' از روئے قرآن و احادیث سے، مختلف زبانوں اور

کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یقیناً معلومات میں اضافہ ہوا، مگر ابھی تک روح تشنہ ہے کہ کیا "غدیرخم" کے میدان میں ایک جملہ کہا گیا یا کائنات کے پردوں اور غم حیات اور حیاتِ جاوداں کے لیے ایک ایسا راستہ متعین کیا گیا کہ جس کے لیے پروردگار عالم نے اس کائنات کی محفل سجائی اور اس محفل تک جانے کے لیے راستہ "غدیر" کے مقام سے شروع کیا۔ جو اس راستے پر چل پڑا وہ نجات پا گیا اور ابدی زندگی کی تمام ضو پاشیاں اور جولانیاں حاصل کر لیں۔ اس "غدیرخم" کے میدان کو رسول پاکؐ نے پروردگار عالم کے حکم سے ایک خاص مقصد کے لیے منتخب کیا اور اہتمام کیا، بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ پہلی مرتبہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب سے زور دے کر اس تبلیغ کو کرنے کی بات کی اور اس انجمن کو سجانے کا حکم دیا۔

میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ قارئین کرام کو اس ضمن میں تمام معلومات اس کتاب سے حاصل ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو میرا مقصد حیات پورا ہو جائے گا اور آخرت میں مولائے کائناتؑ کی شفاعت کا بھی حقدار کسی نہ کسی طرح ہو جاؤں گا۔ اسلام اور اس کائنات کے حوالے سے علامہ اقبال کے رنگ میں وقار انبالوی نے کیا خوب کہا ہے:

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضرب ید اللّٰہی، اک سجدۂ شبیریؑ

غریقِ پُرتقصیر
میجر (ر) سیّد افتخار حسین زیدی
۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ
بمطابق ۲۹ جنوری ۲۰۰۵ء
کراچی پاکستان

فصل اوّل

''ابتدائے آفرینش''
(تخلیق کائنات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائے آفرینش (تخلیق کائنات)

کائنات کی تخلیق میں سب سے پہلے "عقل" کو تخلیق کیا گیا، کیونکہ اسی کی وجہ سے ہر چیز کے وجود کے ہونے کا علم ہوا۔ ہر اونچ، نیچ، بلندی و پستی، خشک وتر، چرند، پرند، سبزہ و پہاڑ، ریگستان، ستارے، سیارے، کہکشائیں، پھول، پھل، انسان، حیوان، ملائکہ غرض یہ کہ ہر خلق کی ہوئی شے کا علم ہمیں عقل کی وجہ سے ہوا۔ یہاں تک کہ پروردگارِ عالم کے وجود میں ہونے کا علم بھی عقل کی وجہ سے ہوا کہ اس کارخانہ قدرت کے معرض وجود میں ہونے اور اس کو ایک خاص طریقے پر چلانے والا ہی خداوند تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اب ہم تمام اہم کتب بالخصوص قرآن پاک کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہیں گے کہ کس طرح اور کتنے عرصے میں یہ کائنات تخلیق ہوئی۔ یہاں ہماری رہبری کے لیے ہمارے ائمہ علیہم السلام، مفسرین اور صالحین کے فرمودات ہی مشعل راہ ہوں گے۔ ہم ان احادیث کا بھی مطالعہ کریں گے، جو اس راہ میں ہماری مدد ومعاون ثابت ہوں گی۔

عقل (کائنات کی پہلی تخلیق)

خداوند تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلق کیا اور پھر اُن میں اپنی روح پھونک دی، جس سے ان میں زندگی پیدا ہوگئی اور تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم سے ان کو سجدہ کیا، سوائے ابلیس (شیطان) کے۔ خلق ہونے سے مراد کسی بھی شئے کا...لا شئے سے وجود میں آنا ہے۔ جب بھی کوئی شئے نہ ہونے سے ہونے میں آتی ہے تو وہ حیات کی صفت اختیار کر لیتی ہے اور اس کو زندگی مل جاتی ہے۔ کچھ چیزوں کی زندگی کا احساس ہمارے حواس خمسہ کر لیتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ کچھ چیزوں کا ادراک ہمارے حواس نہیں کر پاتے تو ہمارے نزدیک وہ مردہ ہیں۔

مثال کے طور پر جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو وہ مردہ ہے، جبکہ دراصل وہ لاش زندہ ہوتی ہے، کیونکہ مرنے کے بعد وہ اپنی حالت کو تبدیل کر لیتی ہے اور خاک بن جاتی ہے۔ کسی بھی شئے کا ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا ہی زندگی کی دلیل ہے، لیکن جب حضرت رسول پاکؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ انتقال کر گئے تو آپؐ نے غسل و کفن کے بعد ان کو قبر میں لٹاتے ہیں اور اسلام کے عقیدے کے مطابق اسلام اور تلقین کے کلمات ادا فرماتے ہیں اور مسلمانوں میں مرنے والوں پر دفن سے پہلے اور آخر میں تلقین پڑھنے کی سنت اسی دن سے شروع ہوا۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام ایک جنگ سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک قبرستان کے پاس سے گزرتے وقت اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا "اگر سن سکتے ہو تو سنو" یہ مردے اپنی دنیا کے بارے میں خبریں دے رہے ہیں"

آج سائنس نے ثابت کر دیا کہ دنیا میں موجود ہر شئے ایٹم سے مل کر بنی ہے اور ہر ایٹم میں موجود الیکٹرون مسلسل حرکت کر رہے ہیں اور ان کا حرکت کرنا زندگی کی علامت ہے اور اس ذرے (ایٹم) کے اندر بھی عقل موجود ہے اسی لیے وہ اپنے راستے سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کرتا۔ عقل کے بارے میں آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ دنیا میں موجود ہر شئے میں اس کی اوقات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عقل عطا کی ہے، وہ اسی کے مطابق عمل کرتی ہے۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ جب میں آدمؑ میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب سجدہ کرنا، اس سے مراد ایک خاص مرتبے کی عقل عطا کرنا تھی اور اسی وجہ سے عقلِ سلیم عطا ہوئی جو عظیم الشان تھی۔ آدمؑ کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، کیونکہ ان کو اس مرتبے کی عقل عطا نہیں کی گئی تھی اور اسی لیے پروردگار عالم نے فرشتوں کو تنبیہ کی تھی کہ جب اس کو خاص مرتبے کی عقل عطا کر دی جائے تو تم سب سجدہ کرنا اور ہمیشہ اور ہر حال میں اس کے تابعدار بن کر رہنا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس مرتبے کی عقل عطا کی، وہ کثیر الجہات اور طاقت ور تھی، جو اس نے دیگر

مخلوق جیسے پتھروں، نباتات، جمادات، حیوان وغیرہ کو عطا کی اس کی مثال ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عقل بھی دی اور علم بھی ناپ تول کر عطا کیا، لیکن نسل پیدا کرنے کی طاقت عطا نہیں کی، اسی لیے وہ Multiply نہیں کر سکتے اور اسی طرح حیوانوں کو نسل پیدا کرنے کی طاقت عطا کی، لیکن انہیں اتنی عقل نہیں دی کہ وہ اسی جانور سے سیکس کر لیتے ہیں، جن سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم منصوبہ بندی اور علم کی انتہا ہے، لیکن حضرت انسان کو دونوں چیزیں عطا کی ہیں یعنی نسل پیدا کرنے کی طاقت وقوت یعنی (Sex) اور عقل دی ہے، جو اس کی ایک متوازن زندگی گزارنے اور نسل پیدا کرنے کی جدوجہد کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے، لیکن جب کبھی بھی نفس عقل پر غالب آتا ہے تو وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے بہت سی مثالیں ہیں کہ بدحواس اور نفسانی خواہشات سے مجبور مرد حضرات چھوٹی عمر کی بچیوں سے سیکس کر لیتے ہیں۔ اتنی عقل تو جانور کو بھی ہے کہ وہ کم عمر جانور سے سیکس نہیں کرتے، لیکن جو انسان "نفس" پر عقل کو غالب کر لیتے ہیں وہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ ان کا مرتبہ نہایت بلند و بالا ہے۔

خداوند عالم خالق عقل ہے، یعنی عقل سے برتر ہے، علم سے برتر ہے، حیات مطلق سے برتر ہے اس کے لیے محال ہے کہ کسی بھی ایسی شئے کو خلق کرے جو کہ حیات اور علم سے عاری ہو۔ یہ تصور ہی غلط ہے کہ کوئی بھی مخلوق کائنات میں جاہل پیدا ہوئی ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مرتبے کی عقل انسان کو عطا کی، وہ کیا ہے، اس کی قوت کیا ہے اس کی حدیں اور قدرت کہاں تک حاصل ہے اور اسے کیسے پہچانا جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے اور وہ عقل انسانی کا تعارف کچھ اس طرح کرا رہا ہے۔ "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" (۱)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اسے تمہارا فرمانبردار کر دیا ہے۔ سوچنے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔" "أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ" (۲)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، خداوند تعالیٰ نے تمہارے لیے اسے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر جانے بوجھے لاعلمی، جہالت، گمراہی اور بغیر کسی دلیل اور برہان کے جھگڑا کرتے ہیں۔"

---

(۱) سورۂ جاثیہ، آیت ۱۳

(۲) سورۂ لقمان، آیت ۲۰

تعریف :

قرآن پاک کی بدولت عقل: "قوت تسخیریا ہے" یعنی کائنات کو مسخر کرنے کی قوت یا قوت حاکمہ ہے یعنی کائنات پر حکومت کرنے والی طاقت۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اسی قوتِ عقلی کے سبب اپنی عظیم مخلوق حضرت آدمؑ کے تابع فرمان کر دیا ہے۔

عقل کی پہچان:

کتاب "العقل والجہل" میں ثقۃ الاسلام کلینیؒ کی روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عقل کی پہچان یوں کروائی ہے۔ امامؑ نے سوال کرنے والے کے جواب میں فرمایا: عقل: "قوت تسخیریا ہے" اس کی پہچان یہ ہے کہ:

۱) وہ عبادت و اطاعت الٰہی میں مصروف ہے، یعنی حکم خداوند تعالیٰ کے سامنے سر بسجود رہے اور احکامات کی پابندی کرے۔

۲) دوسرے یہ کہ جنت تک رسائی اور اسے حاصل کرنے کی تگ و دو اور کوشش کرنا۔

جس میں یہ دونوں صفات ہوں، وہ ہی عقل ہے۔

سائل نے پھر سوال کیا کہ جو ظالم و جابر حکمران بنیں وہ اپنی اطاعت کے لیے انسانوں کو مجبور کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: وہ عقل نہیں، بلکہ عقل کی نقل ہے۔ یہ دیکھنے میں عقل جیسی لگتی ہے، لیکن وہ عقل نما چیز ہے خالص عقل نہیں اور اسی لیے ہر چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں ہوتی۔ پر حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: خدا نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اور پھر اسے قوتِ تفکر، استعمال کرنے اور سوچنے کا حکم دے کر فرمایا: "آگے آؤ" عقل آگے آ گئی بغیر چون و چرا کیے۔ پھر کہا پیچھے ہٹ جاؤ تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ (۱)

جب خداوند تعالیٰ نے عقل سے کہا آگے آؤ تو اس سے مراد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عقل کو مقام بلند پر بٹھا دیا اور پھر جیسے ہی کہا پیچھے ہٹ جاؤ اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے حکم کی اطاعت کرو۔ یعنی بلند مقام کو چھوڑ کر ایک پست مقام پر آ جاؤ۔ سوال یہ ہے کہ عقل نے ایسا کیوں کیا، اس نے بھی فرشتوں کی طرح بحث کیوں نہیں کی، عام طور سے رسمِ دنیا کے مطابق اعلیٰ عہدے ملنے پر خوش ہوا جائے اور پست عہدہ پر واپس آنے پر دلیل طلب کی جائے۔ حالانکہ اچھی بات تو یہ ہے کہ عہدہ لینے والا شخص اگر بلند مرتبہ رکھتا ہے تو اس کو یہ دیکھنا ہے کہ عہدہ دینے اور لینے والا اتنا عظیم ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، کیونکہ سوال و جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

عقل کی خوبی بھی یہی ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے سامنے جھکتی ہے اور جنت کے لیے تگ و دو کرتی ہے۔ اس کو دنیا کی خواہش نہیں ہوتی، بلکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتی ہے۔ عقل کی خوبی یہ ہے کہ وہ

---

(۱) اصول کافی، جلد اول، ص ۵۷، ۵۸

ہمیشہ علم کے ساتھ رہتی ہے۔ عقل کے لیے علم کی ضرورت رہی ہے کہ جیسے مچھلی کے لیے پانی میں رہنا۔ بغیر پانی کے وہ مر جائے گی۔ اسی طرح علم کے بغیر عقل نہیں رہ سکتی۔ مولائے کائنات حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تین چیزیں دے کر بھیجا۔ (عقل ، دین ، حیا) "حضرت جبرائیلؑ نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس میں سے کوئی ایک چیز چن لو۔" حضرت آدمؑ نے عقل کو چن لیا۔ حضرت جبرائیلؑ دین اور حیا کو واپس لے جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ عقل کے ساتھ ہی رہنا۔ اسی لیے ہم عقل کے ساتھ ہی رہیں گے۔ حضرت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کو عقل کے پاس ہی چھوڑ دو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عقل کے ساتھ ہی دین اور حیا ہے۔ (۱)

ہر چیز جو زندہ ہے وہ وجود اور عقل رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ قوانین کے مطابق ہی زندگی گزارتی ہے۔ ان میں کچھ قوانین ایسے بھی ہیں، جن کے لیے انسان کو جستجو اور تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔

مثال کے طور پر ایٹم میں الیکٹرون اور پروٹون جو کم عقل مخلوق ہیں، اپنے لیے متعین شدہ قوانین کے مطابق حرکت کرتے ہیں، ان میں کمی بیشی نہیں کرتے۔ اسی لیے جب مولائے کائناتؑ سے سوال کیا گیا کہ ہم تقویٰ کیسے حاصل کریں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: "تقویٰ کو تقویٰ سے حاصل کرو" یعنی ہر انسان میں تقویٰ کا بیج پہلے ہی سے موجود ہے، اس کی احسن طریقے سے پرورش کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ تناور درخت بن جائے۔ یعنی "جو علم ہم کو دے کر بھیجا گیا ہے اُس علم سے ہم مزید علم بڑھا سکتے ہیں۔"

نتیجہ:

- عقل
  - تعریف ← قوت تسخیر یا
  - پہچان ← 1 اللہ کی اطاعت
    - 2 جنت کے لیے تگ و دو

یعنی صرف وہ انسان جنت میں جائے گا، جو کہ اطاعت خداوندی سے تسخیر کائنات کی منزل پر پہنچ جائے۔

اطاعتِ خدا:

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو خلق کیا تو اپنی خلافت عطا کر کے تمام مخلوقات کو اس کی اطاعت (سجدہ) کا حکم دیا، لیکن اس خلیفہ و جانشین سے صرف اور صرف اپنی اطاعت کا تقاضا کیا، نیز یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ جو

---

(۱) اصول کافی، جلد اول، ص ۵۸

انسان اللہ تعالیٰ کا جتنا فرماں بردار اور مطیع ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے اسی قدر اپنی صفتوں اور قدرتوں کا مظہر بنا دے گا اور اُس کے اختیارات میں اسی قدر وسعت فرمائے گا۔

ایک حدیث قدسی میں جسے ابن ابی جمہور احسائی نے عوالی اللیالی کی چوتھی جلد میں نقل کیا ہے، اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بندے کو اپنی قدرتوں اور توانائیوں کا مظہر بنا دیتا ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **" لایَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلیٰ بِالنَّوَافِلِ وَالْعِبَادَاتِ حَتّیٰ اُحِبُّهُ. فإذَا اُحِببهٔ کُنْتُ سَمْعُ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ وَیدہ اُلِتی یبطش بها ورجله الذی یمشی بها"(۱)**

"میرا بندہ مستحب اور پسندیدہ اعمال، نوافل اور عبادتوں کے ذریعے مجھ سے اتنا نزدیک اور قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں خود ہی اس طرح کی سماعت بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنے کانوں سے نہیں میرے واسطے سے سنتا ہے۔ میں خود ہی اس طرح کی بصارت بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنی آنکھوں سے نہیں میرے واسطے سے دیکھنے لگتا ہے۔ میں خود ہی اس طرح اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنے ہاتھ سے نہیں، بلکہ میری قدرت کے ذریعے پکڑنے لگتا ہے۔ میں اس طرح اس کے پیر بن جاتا ہوں کہ پھر وہ اپنے پیروں سے نہیں، بلکہ میری طاقت کے ذریعے چلنے لگتا ہے۔

شیخ نراقیؒ نے "جامع السعادات" میں اس حدیث میں مزید اضافہ کیا ہے کہ **"ولسانه الذی یَنطُق بِه" (۲)**

میں خود ہی اس طرح اس کی زبان بن جاتا ہوں کہ وہ میری قدرت کے ذریعے بولنے لگتا ہے۔

---

(۱) عوالی اللیالی، جلد۴، ص۱۰۳

(۲) جامع السعادات، جلد۳، ص۱۷۹، ۱۸۰

آغاز تخلیق (حدیثِ کساء)

ہم سب شیعیانِ مولائے کائنات ہر محفل، مجلس خوشی کی ہو یا غمی کی ہو یا کوئی بھی تقریب ہو حدیث قدسی جو رسول پاک ؐ کی صاحبزادی، کون ومکاں کی ملکہ سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زبان اقدس سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ جو ایک بہت ہی برگزیدہ صحابی رسول پاکؐ تھے، جنہوں نے تقریباً سات نسلیں اہلبیت اطہارؑ کی دیکھیں اور آخر وقت بھی روضۂ اقدس حضرت غازی عباس علیہ السلام کے مجاور تھے اور وہیں آخر وقت تک خدمت اقدس میں رہے، جو رسول پاک ؐ کی مبارک زندگی مولائے کائناتؑ کی خدمت، حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدین سید الساجدینؑ اور حضرت امام محمد باقرؑ کی ظاہری حیات تک زندہ رہے اور انہوں نے یہ حدیث جو عُرفِ عام میں حدیث کساء کے نام سے مشہور ہے، سنی اور ہم تک پہنچائی۔ ہم آج بھی اپنی روایت کو قائم رکھتے ہوئے پوری حدیث نہیں، بلکہ آخری حصہ جو تخلیق کائنات سے متعلق ہے اس کا ذکر کریں گے کہ پروردگار اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے اور یہ اس وقت سے ہے جب سے یہ کائنات قائم ودائم ہے۔

"فَقَالَ اللہُ عَزَّوَجَلَّ یَا مَلَآئِکَتِی وَ یَاسُکَّانَ سَمَاوَاتِی اِنِی مِا خَلَقتُ سَمَاءً مَّبنِیَۃً وَّلَا اَرضًا مَّدحِیَۃً وَّلَا قَمَراً مُّنِیرا وَّلَا شَمسًا مُّضِیَئَۃً وَّلَا فَلَکًا یَّدُوْرُ وَلَا بَحرًا یَّجرِی وَلَا فُلکًا یَّسرِی اِلاَّفِی مَحَبَّۃِ ھٰؤُلَآءِ الخَمسَۃِ الَّذِینَ ھُم تَحتَ الکِسَآءِ فَقَالَ الاَمِینُ جِبرَآئِیلُ یَارَبِّ وَمَنْ تَحتَ الکِسَاءِ فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ ھُم اَھلُ بَیتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعدِنُ الرِّسالَۃِ ھُم فاطِمۃُ و اَبوھا وبعلُھا وَ بَنوھُا"(۱)

جب پنجتن پاک علیہم السلام "چادرِ تطہیر، یعنی کساء" کے نیچے آگئے اور رسول پاکؐ نے پروردگار عالم سے دعا کی، ہم شاعر اہل بیت اطہارؑ جناب شوکت رضا شوکت دام مجدہ، جو ہمارے ساتھ بہت ہی مہربان ہیں اور میرے بڑے بیٹے سید فرخ تقی زیدی کے ہاں جو بڑی مجلس ہر سال محرم الحرام میں ہوتی ہے اس میں ذکر اہل بیتؑ کرتے ہیں، ان کی کتاب "سرگوشیٔ جبرئیلؑ" سے منظوم ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

بزرگ و برتر خدا یہ بولا، نہ آسماں کی چھت سجاتا
نہ ہوتا سُورج دمکنے والا، نہ چاند کو پر ضیا بناتا
ہواؤں کی یہ ہوا نہ ہوتی، کبھی نہ فرش زمیں بچھاتا
نہ میں سمندر کو خلق کرتا، نہ اُس کی موجوں میں جوش آتا

---

(۱) (حدیث کساء کا آخری حصہ)

نبیؐ نہ ہوتے، مَلک نہ ہوتے، نہ خُلد ہوتی، چمن نہ ہوتے
غرض کہ کوئی بھی شے نہ ہوتی، اگر مرے پنجتنؑ نہ ہوتے

امینِ روحِ وحی نے پوچھا، یہ کون ہیں ذی مقام یا ربّ؟
عجب ذواتِ مقدسہ ہیں، تو اِن پہ بھیجے سلام یا ربّ
وہ جن کی خاطر زمیں بنی ہے، فلک نے پایا قیام یا ربّ
ہماری تخلیق جن کا احساں، بتادے اُن سب کے نام یا ربّ

جوابِ قدرت مِلا فرشتو! یہی نبوّت کا ہے خزانہ
یہ میری پہچان کا ذریعہ، یہی محمدؐ کا ہے گھرانہ

یہ سب ہیں مجھ سے، میں ہوں انہیں سے تو بھیج خالق درود ہم پر
تو اپنی برکت اور اپنی رحمت کا بے بہا کر ورود ہم پر
تو رحمتیں بے حساب کر دے، نہ باندھ یا رب حدود ہم پر
یہی دُعا ہے کہ ہو نہ طاری، ترے کرم کا جمود ہم پر

ہمیں جو خود سا سمجھ رہے ہیں، تو اُن کی فکروں کو چاک رکھنا
طہارتوں کو ہو ناز ہم پر، کچھ اس طرح ہم کو پاک رکھنا

نبیؐ نے زیرِ کساء جو مانگی دُعا یہ رحمت اذان والو
بلندیوں پر خدائے برحق نے یہ کہا اے جہان والو
میں آج اعلان کر رہا ہوں، سُنو! میرے آسمان والو
تم اپنے خلقت کا راز سن لو، فلک پہ نوری مکان والو

ہر ایک طاقت نے کی توجّہ کہ حق، حقیقت بتا رہا ہے
یہ بات کتنی اہم ہے خالق، قسم خود اپنی ہی کھا رہا ہے

اکثر اوقات یہ بات عام کہی جاتی ہے کہ موسیقی روح کی غذا ہے، لیکن یہ بات ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف موسیقی کے دلدادہ ہیں، لیکن تمام لوگ تو نہیں ہیں موسیقی کے دلدادہ، جن کی روح کی غذا موسیقی ہو۔ لیکن جو لوگ پروردگار کی وحدانیت رسول پاکؐ کا اسوۂ حسنہ مولائے کائناتؑ کی قوت اور علم اور معصومین علیہم السلام کے فرمودات اور روایات پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لیے دراصل تاریخ معصومین علیہم السلام کے فرامین مولائے کائناتؑ کا علم بے کراں درحقیقت روح کی غذا ہے۔ ہم شیعیان علیؑ خوش قسمت ہیں جو ہم چودہ معصومین علیہم السلام کے ماننے والے ہیں جو ہمارے ہادیانِ برحق ہیں۔ ان کے تذکرے ہمارے لیے عین عبادت ہیں جیسے کہ رسول پاکؐ نے فرمایا" **ذکر علی عبادہ**" اور آگے فرمایا" **النظر علیٰ وجہ علی عبادہ**" علیؑ

اور اولادِ علیؑ کا ذکر عین عبادت ہے اور علیؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ کی ذاتِ اقدس کو پروردگارِ عالم اور ہمارے رسولِ پاکؐ کے سوا کوئی نہیں پہچان سکتا۔ ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم کچھ لکھ سکیں یا کہہ سکیں۔ بس توشۂ آخرت کے لیے ایک ''فکری کاوش'' ہے۔ اس لیے اس عظیم الشان اعلیٰ صفات ہستی کے اس عظیم الشان ''اعلان ولایت'' کو جو ''غدیرِ خم'' کے مقام پر پروردگارِ عالم کے حکم سے رسولِ پاکؐ نے مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع میں کیا مرحلہ وار بیان کریں گے کہ اس اعلان سے پہلے پروردگارِ عالم نے اس کائنات کی ایک ایک چیز کی نوک پلک کس طرح سنواری اور پھر اسے تخلیق کیا۔ اور اسی لیے ہم نے بہت ہی آسان اور سلیس اردو میں اپنی اس کاوش کو لکھا اور آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، پھر بھی کہیں جھول نظر آئے تو معذرت خواہ ہیں۔

ہم شیعیانِ حیدرِ کرارؑ خوش قسمت ترین لوگ ہیں جو مذہبِ حقہ پر قائم و دائم ہیں اور مولائے کائنات، حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے راستے سے منسلک ہیں۔

''صراطِ علی حق نمسکہٗ''

پروردگارِ عالم نے تمام خشک و تر کا علم قرآن پاک میں رکھ دیا ہے اور اس کی تشریح و تفسیر کے لیے ''رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ'' کا دروازہ ہمارے لیے وا کر دیا ہے۔ ہماری منزل کا راستہ بالکل سیدھا اور سچا ہے اور ہمارے چودہ ہادیانِ برحق نے وہ راستہ ہمارے لیے بنادیا ہے، جس پر ہم گامزن ہیں۔ ہمارے چودہ ہادی معصوم ہیں اور جو علم ان سے ہم تک پہنچا اور جو فرامین اور روایتیں ان سے مروی ہیں، بالکل سچی اور کھری ہیں۔ ہمیں کسی اور کا دروازہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے اور جو لوگ ''رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ'' کے دروازے سے دور ہو گئے وہ گمراہ ہو گئے اور اسی لیے آج مسلمان دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ جگہ جگہ قرآن پاک میں پروردگارِ عالم ہم سب سے مخاطب ہے کہ اگر کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو ''اہلِ ذکر'' سے پوچھ لو یا ''رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ'' سے پوچھ لو یا پھر اس سے پوچھ لو جو ''وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ'' کے مصداق ہے۔ ہم آگے چل کر ان تمام چیزوں کی وضاحت کہ معصومین ''رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ'' اور ''وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ'' کون کون ہیں اور خطیبِ منبر سلونی کون ہے۔

اس دنیا کو تخلیق ہوئے تقریباً چار ارب ساٹھ کروڑ سال ہو گئے ہیں، پہلے پہلے بقول سائنس یہ آگ کا ایک گولہ تھی جو آہستہ آہستہ سرد پڑتی گئی اور پھر ہمارے "Solar System" میں واحد سیارہ ہے جس پر زندگی موجود ہے۔ آج بھی سرد پڑنے کے باوجود اس کے سینے کے اندر کا درجہ حرارت ۲۷۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ ہے یاد رکھیے ۱۰۰ ڈگری پر پانی ابلنے لگتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی بھی اس کے سینے میں اتنی حدت ہے۔ ہم نے قرآن پاک کی مختلف آیتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح کائنات وجود میں آئی۔ سائنس بھی یہ ثابت کرتی ہے کہ پہلے دھواں، گیسوں اور پانی وغیرہ کا ایک مرغولہ تھا، جو

Big Bang کے بعد منتشر ہو گیا اور ستارے سیارے اور سورج وغیرہ وجود میں آ گئے۔

قرآن پاک میں بھی دھوئیں اور گیسوں کی بات آتی ہے، جو ہم آگے چل کر آیتوں کے ذریعے یہ ثابت کریں گے کہ کس طرح کائنات وجود میں آئی، جیسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس جب سے تاریخ ضبط تحریر میں آئی ہے اسے کوئی سات یا آٹھ ہزار سال ہوئے ہیں کم یا زیادہ، تو اس سے پہلے کا زمانہ اگر دیکھیں تو ہم کو قرآن پاک اور اقوال معصومینؑ پر ہی بھروسا کرنا پڑے گا اور قرآن پاک میں تو ہر خشک و تر کا علم بہت واضح ہے اور ان چیزوں کی تشریح سوائے معصومینؑ صالحین'' رَاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ '' اور خطیب منبر سلونی کے کوئی اور نہیں کر سکتا اور ہم نے خوش قسمتی سے ان کا دامن تھاما ہوا ہے اور ان کے راستے پر چل رہے ہیں جو بالکل صحیح ہے۔ جب ہمارے پاس اتنا بڑا خزانہ ہے تو پھر سائنس پر کیوں بھروسا کریں۔ ہم سائنس سے تصدیق نہیں لے رہے اور یہ مت سمجھیے گا کہ سائنس جو کہے گی وہ صحیح ہے اور ہم مان لیں گے، کیونکہ سائنس غلط ہو سکتی ہے، لیکن قول معصومؑ غلط نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے، جب یہ پوچھا گیا کہ چاند کا زمین سے کتنا فاصلہ ہے اور سورج کا بھی زمین سے کتنا فاصلہ ہے تو آپؑ نے جو فاصلہ بتایا آج سے چودہ سو سال پہلے اور جب آج کی جدید سائنس نے اپنے تمام جدید ترین آلات اور جو سیارے فضا یا خلاء میں بھیجے ہیں کائنات کی پیمائش کے لیے اور جدید قسم کی دوربینیں جو ان سیاروں میں نصب ہیں تو چاند اور سورج کا فاصلہ جو متعین کیا گیا اور جو فاصلہ مولائے کائناتؑ نے بتایا اس میں صرف ۹ (نو) فرسخ کا فرق ہے اور آگے نوٹ میں یہ درج ہے کہ غلطی سائنس سے ہو سکتی ہے مولائے کائناتؑ کا بتایا ہوا فاصلہ صحیح ہے۔ یہ ہے علم کا وہ خزانہ جو خوش قسمتی سے ہمیں حاصل ہے۔ اب بات سب سے پہلے مادہ، روح اور پانی پر ٹھہری یہ ابتدائی تین چیزیں ہیں جو پہلے خلق ہوئیں۔

بہت عرصے تک ہر چیز جامد رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ پانی کو چلائے، ہوا نے پانی کو چلانا شروع کیا تو جھاگ بننا شروع ہوئے، جب یہ جھاگ ہوا میں اڑنے شروع ہوئے تو آسمانوں کے طبق وجود میں آئے وہی جسے سائنس '' گیس کہتی ہے'' جھاگ یا گیسوں سے تہہ در تہہ سات آسمان بنائے گئے پھر جو جھاگ بچا اس کو پانی پر جمانا شروع کیا، جیسے دودھ پر بالائی جمتی ہے اور ایک حصے پر جب یہ جھاگ جم گئے تو پروردگار نے اسے زمین قرار دیا اور جس جگہ سے یہ جھاگ جمنا شروع ہوئے تھے اس سے پہلے ذرہ کو '' اُم '' کہا گیا اور اس مرکز کو '' مکہ '' کہا گیا یعنی '' اُمّ القریٰ '' مکے کی زمین کا اوّلین حصہ ہے اور اس لیے اسے '' ام القریٰ '' کہا گیا یعنی آبادیوں کی '' ماں '' اور یہاں سے آبادیاں پھیلنے لگیں۔ اس لیے زمین ایک حصہ اور پانی تین حصہ۔ پہلے پہل ہوا زمین کو ادھر ادھر لیے پھرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دیں، جس سے اس میں استحکام آیا اور انہی پہاڑوں نے اسے تھام لیا ستونوں کی طرح اور اس طرح زمین کو سہارا اور استحکام مل گیا اور یہ آفرینش کا خلاصہ ہے کہ زمین کیسے وجود میں آئی۔

"مکہ" کو اس کائنات کی تخلیق کا مرکز قرار دیا گیا تمام خلائق کا مرجع یہاں ہی پہلا گھر ہے خداوند تعالیٰ کا جو بنایا گیا۔ زمین تیار ہوئی تو اس میں پہاڑوں سے چشمے پھوٹنے لگے، سبزہ اگنا شروع ہوا، چرند پرند وجود میں آنے لگے، ہر قسم کے حیوان وجود میں آ گئے اور زمین پر چہل پہل شروع ہو گئی۔

آغازِ تخلیقِ کائنات

تخلیق کے ادوار:

پروردگار عالم نے کہا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میری پہچان ہو اور پہچان کروانے والے ہوں۔ خدا آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، جس کا احاطہ کرنا عقلِ انسانی سے باہر ہے۔ اس نے اپنی پہچان کرانے کے لیے کائنات کی تخلیق کا بیڑا اٹھایا، لیکن سب سے پہلے اس نے کچھ ایسی چیزیں تخلیق کیں، جن سے کائنات کی تخلیق میں استفادہ کیا گیا ہو۔

عیسائیوں کی بائبل ''عہد نامۂ قدیم'' کے برعکس قرآن میں تخلیق کا کوئی مربوط بیان نہیں ملتا۔ ایک مسلسل تذکرے کے بجائے تمام کتاب میں ایسی عبارتیں منتشر حالت میں دکھائی دیتی ہیں جن میں تخلیق کے بعض پہلو بیان ہوئے ہیں۔ اور جو اس کے ارتقاء کی نشاندہی کرنے والے سلسلے وار واقعات کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ معلومات تفصیل کے اعتبار سے مختلف درجے کی ہیں اس بات کا واضح تصور حاصل کرنے کے لیے کہ یہ واقعات کس طرح پیش کیے گئے ہیں، متعدد سورتوں میں پھیلے ہوئے ان اجزاء کو یکجا کرنا پڑتا ہے۔

تمام کتاب میں ایک ہی مضمون کے حوالوں کا یہ انتشار تخلیق کے موضوع کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ قرآن میں بہت سے اہم موضوعات کو اسی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ وہ ارضی ہوں یا سماوی یا انسان سے متعلق ایسے مسائل ہوں، جو سائنسدانوں کی دلچسپی کے ہیں۔ ان موضوعات میں سے ہر ایک کے سلسلے میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ تمام آیات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔

یورپ کے بہت سے شارحین کے نزدیک قرآن میں تخلیق کا بیان بہت کچھ بائبل سے ملتا جلتا ہے، جو بہت اطمینان کے ساتھ پہلو بہ پہلو پیش کر دیتے ہیں۔ مجھے اس حوالے سے یقین ہے کہ یہ تصور غلط ہے۔ اس لیے کہ ان میں نمایاں اختلافات ہیں۔ ان موضوعات پر جو سائنسی نقطہ نظر سے کسی طرح بھی غیر اہم نہیں ہیں۔ ہمیں قرآن کریم میں ایسے بیانات ملتے ہیں، جن کی مثل بائبل میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ موخر الذکر میں کچھ ایسے بیانات ہیں، جن کے ہم معنی قرآن میں نہیں ہیں۔

دونوں متنی میں واضح یکسانیت بخوبی معلوم ہیں۔ ان میں سے پہلی نظر میں جو واقعہ سامنے آتا ہے وہ ہے تخلیق کے سلسلے وار مدارج کا بیان، یہ یکساں ہے۔ بائبل کے چھ دن اور قرآن کے ''سِتَّةِ اَیَّامٍ'' سے مطابقت رکھتے ہیں، لیکن حقیقت میں مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا توقف ضروری ہے۔

بائبل (انجیل) میں تخلیق کائنات چھ دنوں میں ہونے کے سلسلے میں جو بیان دیا گیا ہے اس میں کوئی

ابہام کسی بھی قسم کا نہیں ہے۔(۱) اس کے بعد ایک دن کا آرام یعنی "یوم سبت" ہے اور یہ سب ہفتے کے دنوں کے ساتھ منطبق ہوئے ہیں۔ یہ بات ہمیں عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں اور انجیل سے بھی ثابت ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح کے پادریوں کے اختیار کردہ اس طرز بیان سے کس طرح لوگوں میں "یَـوْمُ سَبْـتٍ" کو منانے کا رجحان پیدا ہوا۔ تمام یہودی "سَبْتِ" کے دن آرام کرتے تھے اسی طرح ان کے بقول۔(۲) خداوند کریم نے چھ دنوں کے دوران محنت کرنے کے بعد آرام کیا تھا (نعوذ باللہ) ہمارے عقیدے کے مطابق یہ قول غلط ہے اور قرآن نے نفی کی ہے۔ آیت الکرسی میں صاف کہا گیا ہے۔

"اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ"(۳) "یعنی اللہ وہ پاک ذات ہے کہ جس کو نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔"

جس طرح انجیل میں تشریح کی گئی ہے کہ "دن" سے مراد وہ وقفہ ہے جو کرۂ ارض کے کسی باشندے کے لیے متواتر دو طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے درمیان پڑتا ہے، جبکہ اس کی یہ تعریف کی جائے کہ دن کا انحصار زمین کے اپنی محور کے گرد ایک چکر کاٹنے پر ہوا۔ یہ بات واضح ہے کہ منطقی طور پر جس طرح بھی تعریف کی گئی دنوں کا کوئی سوال نہیں ہوسکتا، اگر ان سے مراد وہ ترکیب لی جائے جو ان کے ظہور کا سبب ہے، یعنی زمین کی موجودگی اور سورج کی موجودگی خود انجیل کے بیان کے مطابق کہ ابھی تو اس بات کا تعین بھی نہیں ہوا تھا کہ زمین اور سورج خلق ہو چکے ہیں تو پھر یہ بات کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب تک دن مراد ہے غلط ہو جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ چھ ایام سے مراد کیا ہے؟ آیئے قرآن پاک سے پوچھتے ہیں۔

جب ہم قرآن کے متعدد ترجموں سے رجوع کرتے ہیں تو ہمارے مطالعے میں آتا ہے کہ (بائبل سے ملتا جلتا بیان) اسلامی تنزیل میں بھی تخلیق کا سلسلہ وہی چھ دنوں میں انجام کو پہنچا مترجمین کی اس حقیقت پر گرفت کمزور ہے، بلکہ گرفت نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے عربی کے لفظ کا اس کے نہایت عام مفہوم کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔ یہی وہ انداز ہے جو ترجموں میں عام طور پر اس کو بیان کیا گیا ہے۔

---

(۱) بائبل (انجیل) کے جس بیان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نام نہاد رشدانہ متن سے ماخوذ ہے، جس پر اس کتاب کے جزء اوّل میں بیان اور بحث کی گئی ہے۔

(۲) "یوم السبت" کا مفہوم آرام کرنے کا دن ہے۔

(۳) سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۵

چنانچہ قرآن پاک کی اس طرح ہے۔ ''إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ'' (۱) ''درحقیقت تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔'' قرآن کے بہت کم تراجم اور تفاسیر ایسی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ لفظ ''ایام'' کو حقیقی طور پر کس طرح ''ادوار'' کے معنوں میں لیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کا شعوری مقصد ان عقائد کو اختیار کرنا تھا، جو آغاز اسلام کے وقت تمام یہود و نصاریٰ مانتے تھے اور ایسے ہمہ گیر عقیدے سے شدید مقابلہ سے بچنا تھا۔ اس نقطہ نظر کو اس طرح مسترد کیے بغیر غالباً اس مسئلہ کو ذرا زیادہ غور سے دیکھا جائے اور خود قرآن میں اس کا حل تلاش کیا جائے۔ نیز تمام عمومی انداز میں وقت کی زبان کو سامنے رکھ کر اس لفظ کے امکانی مفہوم کو معلوم کیا جائے، جس کو بہت سے مترجمین اس وقت بھی ''دن'' کے لفظ سے ظاہر کر رہے ہوں۔ عربی لفظ یوم ہے جس کی جمع ''ایام'' ہے۔

اس کا نہایت عام مفہوم ''دن'' ہے، لیکن زیادہ زور اس بات پر دینا پڑے گا کہ یہ لفظ اس وقت کی لمبائی کے مقابلے میں جو ایک ''دن'' کے غروب آفتاب اور طلوع آفتاب تک معین ہے دن کی روشنی کے معنوں پر زیادہ صادق آتا ہے اس لفظ کی جمع ایام سے مراد بعینہ دن نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم وقت کا طویل وقفہ بھی ہو سکتا ہے جو وقت کی ایک غیر معینہ مدت ہے (لیکن ہمیشہ ایک طویل مدت) یہ مفہوم یعنی وقت کی مدت جو اس لفظ میں شامل ہے قرآن میں اور جگہ بھی ملتا ہے، چنانچہ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل سورۃ ''فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ'' (۲) ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ چھ ادوار میں تخلیق قطعاً وہی بات ہے جس کا حوالہ آیت ۵ سے پہلے کی آیت میں دیا گیا ہے۔ ''فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ'' (۳) ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ لفظ یوم سے مراد وقت کا ایسا وقفہ بھی ہو سکتا ہے جو اس مدت سے قطعاً مختلف ہو، جو ہمارے نزدیک لفظ دن سے عبارت ہے۔ نہایت ابتدائی دور کے مفسرین کے لیے موجب حیرت تھا، جن کو فی الحقیقت کائنات کی تشکیل کے مدارج کی لمبائی سے متعلق وہ معلومات نہیں تھیں جو آج ہمیں حاصل ہیں۔ مثلاً سولہویں صدی عیسوی میں ''ابو السعود'' نے جس کو دن کا وہ تصور نہیں تھا جو علم ہیئت کے اعتبار سے زمین کی گردش

---

(۱) (سورۂ اعراف، آیت ۵۴)

(۲) (سورۂ السجدہ، آیت ۵)

(۳) (سورۂ معارج، آیت ۴)

محوری کی اصطلاح میں واضح کیا جاتا ہے۔ یہ سمجھا تھا کہ تخلیق کے لیے ایک ایسی تقسیم کا تصور کرنا پڑے گا جو دنوں کی شکل میں نہیں تھی جیسا کہ اس لفظ سے عموماً سمجھ لیا جاتا ہے، بلکہ واقعات وحوادث کی صورت میں تھی۔

موجودہ دور کے شارحین ومفسرین اس تاویل کو نہیں مانتے، بلکہ جناب یوسف علی ۱۹۳۴ء میں ہر آیت کی تفسیر میں جو تخلیق کے مختلف مدارج میں بحث کرتی ہے، اس لفظ کو حقیقت میں نہایت طویل وقفوں یا ادوار یا جگہ (قرن) کے معنوں میں لینے میں مُصر ہیں۔ حالانکہ دوسرے موقع یا محل پر وہ اسکے معنی ''دن'' ہی کے لیے ہیں۔ لہٰذا یہ بات ممکن ہے کہ دنیا کی تخلیق کی حالت میں قرآن ایسے وقت کے طویل وقفوں کو قائم رکھتا ہو جن کی تعداد ''چھ'' ہے۔ سائنس اس بات کی اجازت انسان کو نہیں دیتی کہ تخلیق کائنات میں جن مدارج وعمل میں پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، ان کی تعداد چھ ہے، بلکہ اس نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ ایسے طویل وقفے پیش آئے جن کے مقابلے میں ''دنوں'' کی اکائیاں جن کا ہم تصور کرتے ہیں، مضحکہ خیز معلوم ہوں گی۔

قرآن پاک کی ایک طویل آیت جو تخلیق سے بحث کرتی ہے، موخر الذکر کو اس طرح پیش یا بیان کرتی ہے کہ ایک طرف ارضی واقعات اور ایک طرف سماوی واقعات کے تذکرے کو پہلو بہ پہلو رکھ دیتی ہے۔

''قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ، ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ، فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ''(۱)

(اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پاک سے مخاطب ہے) اے نبیؐ ان سے کہو کیا تم اس خدا سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا۔ وہی تو سارے جہاں والوں کا رب ہے تو اس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اس پر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس میں سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب وحاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا یہ سب کام چار دنوں میں ہو گئے پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا (۲) جو اس وقت محض ایک دھواں تھا۔ اس نے آسمان زمین سے کہا کہ وجود میں آ جاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو'' دونوں نے کہا ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح'' تب اس نے دو دن کے اندر آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا اور آسمان دنیا کو چراغوں

---

(۱) (سورۂ حٰم سجدہ، آیت ۹ تا ۱۲)

(۲) یہ مطلب نہیں ہے کہ زمین بنانے کے بعد اس میں آبادی کا انتظار کرنے کے بعد اس نے آسمان بنائے یہاں ''پھر'' کا لفظ زمانی ترتیب کے لیے نہیں، بلکہ بیانی ترتیب کے لیے استعمال ہوا ہے بعد کے فقرے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔

مذکورہ سورے کی ان چار آیتوں میں وہ کئی نکات بیان ہوئے، جن کی جانب ہم صرف نظر کر رہے ہیں، وہ ہے سماوی مادے کی ابتدائی گیسی حالت اور آسمانوں کی تعداد سات کی انتہائی ایمانی تعین۔ اس تعداد میں مضمر جو مفہوم ہے وہ ہم تلاش کریں گے۔ نیز ایسی ہی ایمانی نوعیت کا وہ مکالمہ ہے جو خدا اور زمین آسمان کے درمیان ہوا۔ بہر کیف یہاں "سمٰوٰت اور ارض" کے وجود میں آنے کے بعد امر الٰہی کے آگے صرف پروردگار عالم کی اطاعت منظور ہے جو ان دونوں یعنی "آسمان و زمین" نے جواباً کہا کہ ہم آ گئے وجود میں۔

ناقدین کو اس عبارت میں تخلیق کے چھ ادوار والے بیان کے ساتھ ایک قسم کا تضاد دکھائی دیتا ہے۔ زمین کی تشکیل کے دو ادوار کو اس کے باشندے کے لیے اشیاء کے پھیلانے کے چار ادوار کی مدت کو جمع کر کے اور آسمانوں کی تشکیل کے ادوار کا اضافہ کیا جائے تو آٹھ ادوار بنتے ہیں۔

اس صورت میں متذکرہ بالا چھ ادوار سے اس کا تضاد و تناقض ہو جائے گا، لیکن فی الحقیقت یہ متن جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر سوچنے کی جانب مائل کرتا ہے، جس میں ابتدا زمین کی تخلیق اور انتہا آسمانوں کی تخلیق پر ہوتی ہے، اس میں دو اجزا بیان کیے گئے ہیں، جن کا اظہار لفظ "ثم" سے ہوتا ہے اور جس کا ترجمہ "علاوہ ازیں" سے کیا جاتا ہے، لیکن جس کا مفہوم مزید بر آں اور "پھر" بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایک تسلسل کا مطلب بھی اس سے نکالا جا سکتا ہے، جو واقعات کے تسلسل سے یا ان واقعات پر جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، انسان کے غور و فکر کے ایک سلسلے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ یہ ایک سادہ سا حوالہ بھی ان واقعات کی جانب ہو سکتا ہے، جو اس قصد کے بغیر آگے پیچھے رکھتے ہیں کہ ان سے یہ تصور دیا جائے کہ ایک واقعہ دوسرے کے بعد ہوا ہے، بات خواہ کچھ ہو، سماوات کی تخلیق کی مدت زمین کی تخلیق کے دو ادوار کے ساتھ بھی بہ آسانی منطبق ہو سکتی ہے۔ ہم کچھ ہی بعد میں دیکھیں گے کہ کائنات کی تشکیل کا بنیادی عمل قرآن میں کس طرح بیان کیا گیا ہے اور ہمیں بھی پتا چلے گا کہ یہ بات جدید تصورات کے مطابق مشترکہ طور پر سماوات اور ارض پر کس طرح منطبق کی جا سکتی ہے۔ اس وقت ہم محسوس کریں گے کہ یہ طریقہ واقعات کے ہم وقتی تصور کے سلسلے میں، جس کا یہاں تصور کیا گیا ہے، کس حد تک مکمل طور پر معقول ہے۔

یہاں جو اقتباس پیش کیا گیا ہے، اس میں اور دنیا کے چھ مدارج میں تشکیل پانے کے اس تصور کے لحاظ سے کوئی تضاد دکھائی نہیں دیتا جو قرآن کے متن میں کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے۔ (ارض و سمٰوٰت کی تخلیق کے لیے قرآن کوئی تطابق زمانی قائم نہیں کرتا)

قرآن کے ان دو اقتباسات میں جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ سورہ اعراف، آیت ۵۴، اور ایک دوسری جگہ ارض و سمٰوٰت کی تخلیق کا سورہ حٰم سجدہ، آیت ۹ تا ۱۲، لہٰذا قرآن ارض اور سمٰوات کی تخلیق کے لیے کوئی تطابق زمانی قائم کرتا دکھائی نہیں دیتا۔ جن آیات میں ارض (زمین) کا ذکر پہلے ہے ان کی تعداد تھوڑی

ہے یعنی سورہ نمبر بقرہ، آیت ۲۹ اور سورۂ طٰہٰ، آیت ۴، جہاں یہ حوالہ دیا گیا ہے وہ اس طرح ہے "تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى" (۱)

اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ اس کے برعکس اُن آیات کی تعداد کہیں زیادہ ہے جن میں سمٰوات (آسمانوں) کا ذکر ارض (زمین) سے پہلے کیا گیا ہے۔ (سورۂ اعراف، آیت ۵۴، سورۂ یونس، آیت ۳، سورۂ ھود، آیت ۷، سورۂ فصص، آیت ۵۹، سورۂ السجدہ، آیت ۴، سورۂ قٓ، آیت ۳۸، سورۂ نازعات، آیت ۲۷ تا ۳۲، سورۂ شمس، آیت ۵، ۶)

حقیقت یہ ہے کہ سورۂ نازعات کے علاوہ قرآن میں کوئی بھی عبارت ایسی نہیں ہے، جس میں واضح طور پر تطابق زمانی قائم کیا گیا ہو ورنہ ایک معمولی سے حرف عرف (و) کے ساتھ جس کا مفہوم "اور" ہے دو الفاظ کو مربوط کیا گیا ہے یا لفظ "ثُمَّ" (پھر) ہے، جو کہ محولہ بالا عبارت میں دیکھا جا چکا ہے یا تو ایک سادہ سے مرکب امتزاج کو ظاہر کرتا ہے یا تطابق زمانی کو۔ مجھے قرآن میں صرف ایک عبارت ایسی نظر آئی جس میں تخلیق کے مختلف واقعات کے درمیان صاف طور پر ایک واضح تطابق زمانی قائم کیا گیا ہے۔ آیئے قرآن پاک کی اس خاص سورے کا تذکرہ کریں جو واحد سورہ ہے، جس میں سب کچھ ہے۔

"أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا، رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا، وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا، وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا، أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا، وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا، مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ" (۲)

"کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی۔ اللہ نے اس کو بنایا اس کی چھت خوب اٹھائی پھر اس کا توازن قائم کیا اور اس کی رات ڈھانکی اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے۔ سامانِ زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔"

اللہ جل شانہ کی جانب سے انسان کے لیے ارضی انعامات کی یہ فہرست جو ایسی زبان میں بیان ہوئی ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے کاشتکاروں اور بدوؤں کے لیے موزوں ہے دینے سے پہلے آسمانوں کی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس میں اس مرحلے کا حوالہ جب خدا زمین کو بچھاتا اور اس کو کاشت کے قابل بناتا ہے، وقت کے لحاظ سے نہایت واضح طور پر اس جگہ دیا گیا ہے، جب رات اور دن کا سلسلہ قائم ہو چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں دو گروپوں کے حوالے دیے گئے ہیں ایک سماوی حوادث اور دوسرا زمینی حوادث کا،

---

(۱) (سورۂ طٰہٰ، آیت ۴)

(۲) (سورۂ زاریات، آیات ۲۷ تا ۳۳)

جن کو وقت کے اعتبار سے الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ یہاں جو حوالہ دیا گیا ہے اس کا اطلاق اس بات پر ہوتا ہے کہ لازمی طور پر زمین کا وجود اس کے پھیلائے جانے سے پہلے سے تھا اور یہ کہ نتیجتاً یہ اس وقت موجود تھی، جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو خلق کیا۔ اس لیے سماوی اور ارضی ارتقاء کے دونوں حوادث کے ساتھ باہم منسلک ہونے سے جو بات نکلتی ہے اس سے ان دونوں کے لازم وملزوم ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ لہذا قرآنی متن میں جو حوالہ ملتا ہے اس میں ارض کی تخلیق (آسمان) سماوات سے پہلے یا سماوات کے ارض سے پہلے کے تصور کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جانی چاہیے۔ الفاظ کا محل استعمال اس وقت اس ترتیب پر اثر انداز نہیں ہوتا جس میں تخلیق کا عمل رونما ہوا جب تک کہ مخصوص طور پر اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

قرآن کریم میں اس حادثہ کی مختصر ترکیب دو آیات میں پیش کی گئی ہے، جن سے کائنات کی تشکیل کا بنیادی طریق عمل ظہور پزیر ہوا۔

"أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ" (۱)

کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا) ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ کو پیدا کیا؟ کیا وہ ہماری اس خلاقی کو نہیں مانتے اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین کی تخلیق کے موضوع پر غور وخوض کی دعوت دینے کے بعد بتانے کا حکم دیتا ہے۔

"فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ" (۲)

"پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا اس نے آسمان اور زمین سے کہا (یہ آیت پہلے آچکی ہے) فی الحال یاد کرنے کے قابل سب سے اہم امور حسب ذیل ہیں:

---

(۱) (سورۂ انبیاء، آیت ۳۰)

(۲) (سورۂ حٰمٓ سجدہ، آیت ۱۱)

(الف) نہایت چھوٹے ذرّات پر مشتمل ایک گیس کے مرغولہ کا ذکر اس لیے کہ یہی وہ بات ہے، جس کے ذریعے لفظ دھوئیں عربی میں لفظ ''دخان'' کی توضیح وتشریح کی جاسکتی ہے۔ دھواں عموماً ایک گیس کی تہہ جمع ہو کر کم وبیش مستحکم تخلیق کی حالت میں کہیں ذرّات سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ ذرّات ایسی ٹھوس اور دقیق حالتوں پر مشتمل ہوتے ہیں، جن کا درجہ حرارت کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ (۱)

(ب) ایک بنیادی سادہ سے مادے میں جس کے عناصر ابتدا ہی گتھم گتھا ہو گئے تھے (رتق) ایک دوسرے جدائی (فتق) کا حوالہ۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ عربی میں ''فتق'' ٹوٹنے، منتشر ہونے اور جدا ہونے کا عمل ہے اور ''رتق'' آمیزش ہونے یا عناصر کے اسی طرح باہم مربوط ہونے کا نام ہے ان سے مل کر متجانس کل بن جائے۔

ایک کل میں افتراق کے اس عمل کو الکتاب کی دوسری عبارتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اسی میں متعدد عالموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کی پہلی سورۃ ''الحمد'' کی پہلی آیت میں ابتدا اس طور سے ہوئی۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین'' (شروع کرتا ہوں اللہ کے پاک نام جو عالمین کا رب ہے) لفظ ''عالمین'' قرآن پاک میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ آسمانوں کا ذکر بھی کثرتِ تعداد سے کیا گیا ہے۔

بات محض ان کی جمع کی شکل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان کی علامتی تعداد سات کی وجہ سے بھی ہے یہ عدد پورے قرآن میں مختلف عددوں کو ظاہر کرنے کے لیے ۲۴ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مفہوم اکثر ''بہت'' ہوتا ہے۔ اگرچہ ہم صحیح طور پر نہیں جانتے اس عدد کا یہ مفہوم کس لیے لیا جاتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رومی اور یونانی بھی سات کے عدد کو غیر کثرت تعداد کا تصور دلانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ قرآن پاک میں سات کا عدد خود ''آسمانوں'' (سماوات) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے صرف آسمان مراد لیے جاتے ہیں۔ ایک جگہ آسمانوں کے سات راستوں کی جانب بھی اشارہ ہے۔

---

(۱) کائنات کے وجود میں آنے کا جدید ترین نظریہ یہ ہے ابتدا میں صرف توانائی تھی۔ اس نے بعد میں مادے کی شکل اختیار کر لی یہ مادہ ابتدا میں گیس یا مادہ ''دخان'' کی شکل میں ظاہر ہوا بعد میں اس میں بادلوں کی طرح کئی ٹکڑے ٹوٹ کر سریع وجود میں آئے جن سے کہکشائیں بنیں۔ اس عمل کے لیے بھی دو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، ایک کائناتی جوہر کا زور دوسرا حالت قائم کا بینی نظریے کے مطابق شروع میں ایک بہت بڑا جوہر تھا جس میں الیکٹران، پروٹان منتشر حالت میں تھے پھر یہ جوہر مادہ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور پھیل گیا۔ الیکٹرون اور پروٹون کی ترتیب قائم ہوئی جس میں گیسی مادہ تیار ہوا۔ دوسرے نظریے کے مطابق توانائی رفتہ رفتہ مادہ کی شکل اختیار کر گئی اور سریع وجود میں آئے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور کائنات میں وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ سریعی مادہ انجماد سے ستاروں کی شکل اختیار کر گیا پھر سیارے ہوئے اور زمین ایک سیارہ ہے۔

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُم مَّا فِیْ الْأَرْضِ جَمِیْعاً ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاء فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِیْمٌ" (۱)

"وہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

"اللَّهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْماً" (۲)

"اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی ان کی ہی مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے (یہ بات تمہیں اس لیے بتائی جارہی ہے) تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔"

چونکہ ۷ (سات) کا عدد ایک غیر معین کثرت کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکالنا ممکن ہے کہ قرآنی متن ہی میں صاف طور پر ہماری اپنی زمین کے علاوہ اور بھی ایک یا ایک سے زیادہ زمینوں کے وجود کا اظہار ہو رہا ہے یعنی کائنات میں اس کے مانند اور بھی زمینیں ہیں۔

ایک اور مشاہدہ جو قرآن کے بیسویں صدی کے قاری کو محو حیرت کر دیتا ہے، وہ یہ حقیقت ہے، کہ آیات قرآنی میں مخلوقات کی تین جماعتوں کا حوالہ ملتا ہے۔ "وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعاً شِدَاداً" (۳)

"اور تمہارے اوپر ہم نے سات آسمان مضبوط قائم کئے اور ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا۔" یہاں گرم چراغ سے مراد سورج ہے۔

قرآن کے مفسرین ان سب کی سب آیتوں پر متفق ہیں کہ سات کا عدد کثرت (۴) کے اظہار کے سوا کچھ نہیں لہٰذا بہت سے آسمان بنیں اور بہت سی زمینیں بنیں اور قرآن کے قاری کو یہ جان کر کچھ کم حیرت نہیں ہوتی کہ ہماری زمین کی طرح کائنات میں اور بھی زمینیں ہیں یا ہو سکتی ہیں۔

---

(۱) (سورۂ بقرہ، آیت ۲۹)

(۲) (سورۂ طلاق ۶۵، آیت ۱۲)

(۳) (سورۂ نبا ۷۸، آیت ۱۲)

(۴) قرآن پاک سے ہٹ کر بھی ہم دیکھتے ہیں اکثر کہ حضرت رسول پاکؐ کے زمانے سے کتابوں میں سات کا لفظ کثرت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یا حضورؐ کے ابتدائی صدیوں سے ہی ان معنوں میں یہ کام میں لایا گیا ہے جن میں آپ کے اقوال بیان ہوئے (ہمہ احادیث)

یہ ایک حقیقت ہے جس کی تصدیق ہمارے زمانے میں بھی ابھی انسان نہیں کر سکا تاہم مندرجہ ذیل سورۃ سے پیشن گوئی ہوتی ہے۔ "وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ" (۱)

"اور تمہارے اوپر سات آسمان (راستے) بنائے۔ تخلیق کے کام سے ہم کچھ نابلد نہیں تھے۔"

"اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً مَّا تَرَى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُوْرٍ" (۲)

(خدا ہی کی وہ ذات ہے) جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطگی نہ پاؤ گے پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔

"أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوراً وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجاً" (۳) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا (۴)

یعنی ---------- وہ اشیا جو آسمانوں میں ہیں

---------- وہ اشیا جو زمین پر ہیں

---------- وہ اشیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں

مندرجہ ذیل سورتیں اور آیتیں یہ ہی ظاہر کرتی ہیں۔

"لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى" (۵)

"وہ مالک ہے سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو آسمان اور زمین کے درمیان اور جو مٹی کے نیچے ہیں۔"

---

(۱) (سورۃ ۲۳، آیت ۱۷)

(۲) (سورۂ ملک ۶۷، آیت ۳)

(۳) (سورۂ نوح ۷۱، آیات ۱۵، ۱۶)

(۴) یہاں پر سورج کو ایک چراغ کی طرح جس سے روشنی پھوٹ رہی ہو کہا گیا ہے۔
آیت میں یہ بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی صریحی طور پر بائبل کے اس بیان کے جواب میں ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے کہ جہاں یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات چھ دنوں میں خلق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔

(۵) (سورۂ طٰہٰ ۲۰، آیت ۶)

"الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ أَیَّام"(۱)

"وہ ذات جس نے چھ ادوار (دنوں) میں زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔" "وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ أَیَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ" (۲)

ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کو چھ دنوں (ادوار) میں پیدا کر دیا اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی۔

قرآن میں اس بات کا ذکر کہ "آسمانوں اور زمین کے درمیان کیا ہے، مندرجہ ذیل سورتوں میں بھی آیا ہے یہاں صرف سورے اور آیات کے نمبر دیے جا رہے ہیں۔ "سورہ ۲۱، آیت ۱۶' سورہ ۴۴، آیت ۷، آیت ۳۸' سورہ ۷۸، آیت ۳۷' سورہ ۱۰۰، آیت ۸۵' سورہ ۴۶، آیت ۳۸' سورہ ۲۸، آیت ۸۵'"

آسمانوں سے ماورا اور زمین سے باہر تخلیق جس کا ذکر کئی مرتبہ کیا گیا ہے، وہ چیز ہے جس کا تصور مشکل ہے۔ ان آیات کو سمجھنے کے لیے کائنات کے ماورائے کہکشانی مادہ کے بارے میں انسان کے جدید ترین مشاہدات اور تجربات کا حوالہ دینا پڑے گا اور کائنات کی تشکیل کے سلسلے میں عصری سائنس نے جو تصورات قائم کیے ہیں ان کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ لیکن ان خالص سائنسی مواد تک پہنچنے سے قبل یہ بات قرین مصلحت ہے کہ ان مخصوص نکات کا اعادہ کر دیا جائے، جن پر قرآن تخلیق کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔ سابقہ اقتباسات کے مطابق یہ نکات حسب ذیل ہیں۔

(الف) عام تخلیق کے لیے چھ ادوار (دنوں)

(ب) آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے مدارج کا آپس میں جڑا ہونا۔

(ج) کائنات کی تخلیق ایک ابتدائی نوعیت کے ایسے مادّے سے جو ایک بڑے تودے کی شکل میں تھا اور جو بالآخر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

(د) آسمانوں اور زمین کی کثرت۔

(ہ) آسمان اور زمین کے درمیان ایک متوسط تخلیق کا وجود۔

ہم ان نکات کی تشریح ان شاء اللہ کسی اور موقع پر کریں گے۔

---

(۱) (سورۃ ۲۵، آیت ۵۹)

(۲) (سورۃ ق ۵۰، آیت ۳۸)

فصل دوّم

خطۂ عرب اور تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام
اور فروغِ نسلِ آدم علیہ السلام

خطۂ عرب

(جزیرہ نمائے عرب)

خطۂ عرب دنیا کی ایک عجیب وغریب زمین ہے۔ اسے پاک زمین بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس سرزمین پر پروردگار عالم نے تمام انبیائے کرامؑ کو زمین پر اتارا۔ آپ اسے صرف سعودی عرب تک محدود نہ کیجیے گا، بلکہ جتنے بھی عرب ممالک ہیں وہ اس میں شامل ہیں اس کا مکمل رقبہ تقریباً تیس سے پینتیس لاکھ مربع کلو میٹر ہے، جو صرف سعودی عرب کا نہیں ہوسکتا۔ یہ تین اطراف سے پانی میں گھرا ہوا ہے اس لیے "جزیرہ نما" کہلاتا ہے۔ یہ خطہ ریگزاروں' بیابانوں' سنگلاخ چٹانوں اور ریگستانوں پر مشتمل ہے۔ اس میں شام' اردن' فلسطین' عراق یہ سب ممالک شامل ہیں۔ اس کے جنوب میں خلیج عدن' بحر عرب کا سارا علاقہ سرزمین عرب کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں بحر احمر ہے' مشرق میں خلیج فارس' بحر عمان اور عراق یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہاں پر دنیا کا عظیم ترین صحرا ہے جو تقریباً پانچ لاکھ کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کوئی آبادی نہیں ہے، یہاں پانی نہیں ہے۔ اس میں یمن کا علاقہ بھی ہے جسے جنت ارضی بھی کہتے ہیں، کیوں کہ ساحل کے ساتھ ہے اور وسائل سے بھرپور ہے۔ اس علاقے کے بیچ کے حصہ کو "حجاز" کہا جاتا ہے۔ یہاں اس وقت تین آبادیاں تھیں یثرب' طائف اور مکہ اسے "بکہ" بھی کہا جاتا تھا۔

یہ وہ عالی شان خطۂ ارض ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیینؐ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کو نسل انسانی کی بقا' تعلیم وتربیت اور دین خدا کی پیروی کرنے کے لیے بھیجا اور اسی خطہ ارض سے تمام نسل انسانی دنیا میں پھیلی اور آگے بڑھی اور پھیلتی چلی گئی۔ اسی سرزمین کو "اُمّ القریٰ" کہا جاتا ہے، یعنی آبادیوں کی ماں۔ یہاں سے ہی آبادی کا آغاز ہوا جتنی بھی دنیا کی آبادی ہے اس کا پہلا رابطہ یہیں سے ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں کو یعنی تمام لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اب تو ایک اندازے کے مطابق تقریباً تیس ہزار حصے ہیں، لیکن ابتدا میں تین حصے ہی تھے اور تینوں عرب تھے بعد میں وہ پھیلتے چلے گئے۔ تینوں کے نام "عرب" سے پڑے یعنی اصلاً ونسلاً عرب ہیں۔ پہلی قسم عرب بادیہ' دوسری قسم عاربہ اور تیسری قسم عرب مستعاربہ ہے۔ دنیا کی کوئی بھی قوم ان تین سے باہر نہیں ہے۔

عرب بدو یا عرب بادیہ بدوی عرب کہلاتے تھے یہ صحرا نشین اور چادر نشین تھے، گھومتے پھرتے رہتے تھے، زندگی کا آغاز انہی سے ہوا۔ جہاں پانی ملتا یہ رک جاتے، اور پھر آگے بڑھ جاتے یہ پکے گھر نہیں بناتے تھے۔ موٹی چادروں کے خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔

دوسرے عرب حذری یعنی عرب بادیہ یا عرب بدیع تھے۔ ان کو اچھے اچھے ساحل مل گئے اور وہاں آباد ہوگئے۔ یہ عرب حذری لوگ رسول پاکؐ کے ظہور سے پہلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک

تقریباً مٹ چکے تھے۔ قرآن پاک میں ان کا ذکر ہے۔ قوم عاد وثمود انہی عرب بادیہ میں سے تھیں یہ اتنے سرکش ہو گئے تھے کہ انہیں پروردگار عالم نے تہس نہس کر دیا جیسے کہ سورۃ الفجر میں ہے

"اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ، اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ، الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ"(۱)

"تم نے دیکھا کہ پروردگار عالم نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا، جنہوں نے "ارم" تعمیر کیا تھا۔ یہ قوم بڑے بڑے پتھروں والے ستونوں کی عمارتیں بناتی تھی۔" سر بفلک عمارتیں جوان کا پایۂ تخت تھا یا جو بھی تھا۔ روایتوں کے مطابق مرصع پتھروں کے بے شمار محل تعمیر کیے گئے اور اسی بنا پر اتنے مغرور ہو گئے اتنے سرکش ہو گئے اور ان کی سرکشی اتنی بڑھی کہ خداوند تعالیٰ نے اپنا عذاب ان پر نازل کیا کہ ان کی نسلیں مٹ گئیں اور اسی لیے عبرت کے طور پر قرآن پاک میں ان کا ذکر کیا گیا۔ بعض روایات میں مفسرین نے مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا ہے کیونکہ یہ زمانہ ماقبل تاریخ کا زمانہ ہے کیونکہ تاریخ تو ہمارے پاس صرف چند ہزار برسوں تک کی ہے۔ اس سے پہلے کی روایتیں تھیں اسی لیے مفسرین نے بہت ہی مبالغہ آرائی سے کام اس حد تک لیا کہ ان کے پایۂ تخت میں تین لاکھ مرصع پتھروں کے محل تھے اب کوئی سوچے کے تین لاکھ محل جہاں پر تھے، وہ کتنی بڑی جگہ گھیرے ہوئے، ہوں گے اور کتنی بڑی آبادی ہو گی کروڑوں میں جو بعید از عقل ہے۔ عاد وثمود کی قوموں کے بعد باری فرعونوں کی آتی ہے کہ وہ کتنے بڑے بادشاہ تھے اور اہرام مصر جیسے مقبرے بنا ڈالے جو آج کل بنانا موجودہ سائنس کی ترقی کے باوجود ممکن نہیں۔ لیکن یہ ثبوت ہیں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں کہ کیسے کیسے جابر وظالم حکمرانوں کو نیست ونابود کر دیا۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت لوگ اتنے ترقی یافتہ تھے۔ ترقی جادو نہیں ہے اور اہرام مصر اسی ترقی وترویج کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور دنیا کے عجائبات میں آج بھی ان کا مقام بڑا ہے۔ علم وعقل اللہ تعالیٰ نے اس لیے بنی آدم کو نہیں دی کہ وہ سرکش ہو جائے اور ظلم وستم کا بازار گرم کر ڈالے اور خوف خدا بھول جائے۔ ان کے ظلم وستم کی داستانوں میں زندہ لوگوں میں میخیں (کیلیں) گاڑنا، پھانسی دینا، اعضاء وغیرہ کاٹنا شامل ہیں اسی لیے خداوند تعالیٰ نے ان قوموں کو برباد کر دیا اور تہس نہس کر دیا۔

قرآن پاک میں ہے: "اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ" عاد کا بھی ذکر ہے اور ثمود کا بھی ذکر ہے۔

دوسری قسم عربوں کی عرب عاربہ ہے یہ عرب عاربہ وہیں عرب میں رہے اصلاً نسلاً عربوں کو عرب عاربہ ہی کہتے ہیں ان کے قبیلے حمیری، اوستانی اور عمالقہ بھی کہلائے۔ حمیری تاریک اور تیرہ رنگ (سانولے یا کالے رنگ) والوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ یمن اور دوسری جگہوں میں جا کر آباد ہوئے اور حبشی بھی انہی میں سے نکلے۔ تیسری قسم عربوں کی عرب مستعاربہ ہے۔ یہ باہر سے آ کر عرب میں رہائش پزیر ہوئے۔ یہ علاقے تھے تو

---

(۱) (سورۂ فجر ۸۹، آیت ۶، ۷، ۸)

خطۂ عرب میں شامل جیسے بابل، فلسطین، جس کو اس زمانے میں کنعان بھی کہا جاتا تھا، یہاں سے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت بی بی حاجرہؑ کو کنعان سے لے کر آئے اور یہاں چھوڑا یہ بھی عرب مستعاربہ کہلائے۔ عدن، یمن، یہ سب علاقے تھے تو عرب ہی، لیکن ان کی تقسیم ہو چکی تھی، لیکن جو یہاں آ کر آباد ہوئے، وہ عرب مستعاربہ کہلائے، یعنی باہر سے آئے ہوئے اور اس لیے بھی کہ ان کی زبانیں بدل چکی تھیں۔ عرب مستعاربہ مہاجر بھی کہلائے اور دین کی خاطر ہجرت کرتے رہے۔

اسی لیے عربوں کی تینوں قسمیں بنیں اور ان تینوں کا تعلق ''امّ القریٰ'' سے ہی ہوا۔

پہلی مرتبہ جب حضرت اسماعیلؑ کی ذرّیت وہاں پر آباد ہوئی، چاہ زم زم وہاں دریافت ہوا، قدرت خداوندی سے یہ لوگ عرب مستعاربہ کہلانے لگے۔ بہت عرصے تک وہاں کے لوگ انہیں اپنا ہم مرتبہ عرب نہیں مانتے تھے، کیوں کہ یہ باہر سے آئے ہوئے تھے، حالانکہ وہ علاقہ کنعان یا فلسطین بھی عرب ہی کا علاقہ تھا، مگر تقسیم ہو چکا تھا پھر آہستہ آہستہ عربی اور قریشی قرار پائے اور عرب کہلانے لگے۔

دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی یہاں سے لوگ جا کر آباد ہوئے۔ طوفان نوحؑ کے بعد جب طوفان تھم گیا تو صرف حضرت نوح علیہ السلام جنہیں آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے اور ان کی اولاد بچ گئی، جن سے پوری دنیا میں لوگ پھیل گئے اور آباد ہوئے۔ حضرت نوحؑ کے چار بیٹے تھے کنعان جو نافرمانبردار تھا اور پانی میں غرق ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کی بات کو نہیں مانا۔ یہاں کچھ روایتیں ہیں کہ کنعان ان کی بیوی کے پہلے شوہر سے تھا اور جب حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے بیٹے کو بچا تو آواز قدرت آئی کہ یہ نافرمانبردار ہے اور تیری ذریت میں سے نہیں ہے۔ قرآن بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ: ''اِنَّــهُ لَیْــسَ مِنْ اَهْــــلِكَ''، یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، کیوں کہ حضرت نوحؑ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا کنعان نافرمانبردار تھے۔ مگر حجت تمام کرنے کے لیے حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کو بچالے، مگر وہ کشتی میں نہیں آیا اور غرق ہو گیا۔ بس اللہ تعالیٰ نے اتنا کیا کہ ایک لہر کو دونوں کے درمیان کر دیا، تا کہ حضرت نوحؑ بیٹے کو ڈوبتا ہوا نہ دیکھ سکیں۔ اسی لیے قرآن میں یہ مثال موجود ہے کہ نافرمانبرداری اولاد کو چاہے وہ نبی کی ہو، اہلیت سے محروم کر دیتی ہے۔ اسی لیے حضرت نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی دیکھو ظالمین میں سے نہ ہو جانا اپنے بیٹے کو چھوڑ دو۔ باقی تین بیٹے حام، سام اور یافث کشتی میں سوار ہو گئے اور باقی نسل انسانی یہاں سے شروع ہوئی اور دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انہی کی نسل تمام دنیا میں اس وقت آباد ہے۔ سام کو الگ بھیجا اور ان کی نسل سامی کہلائی سامی نسل یعنی عرب، ہندی اور سندھی۔ سندھ کا پورا علاقہ پوری وادی سندھ کی تہذیب اس وقت رہی ہوگی وہ سب سامی کہلائے۔ ان میں سفید رنگ گندمی رنگ یہ سب مخلوط رنگ کہلائیں گے۔

دوسرے بیٹے حام' اس کی نسل یعنی رومی، ترک اور ماوراالنہر (یعنی وسطی ایشیا) کا علاقہ یہاں کے سب آباد لوگ حامی کہلائے یعنی حام کی نسل سے۔

تیسرے بیٹے یافث کی اولاد جو رنگ کی سیاہ تھی اور وہ افریقہ میں آباد ہیں۔ یافث نے حضرت نوحؑ سے بدتہذیبی کی تھی اور حضرت نوحؑ نے اس کو بددعا دی تھی جس کی وجہ سے ساری نسل رنگ کی سیاہ ہے اور زیادہ تر افریقہ میں آباد ہیں۔

تخلیق حضرت آدم علیہ السلام

اور فروغ نسل آدم

تخلیق حضرت آدمؑ کے بارے میں قرآن میں بہت سی سورتوں میں ذکر آیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ پروردگار عالم نے حضرت عزرائیلؑ سے کہا کہ وہ جائیں اور زمین میں سے مختلف جگہوں کی مٹی لے کر آئیں۔ حضرت عزرائیلؑ زمین کی تمام اقسام کی مٹی لے آئے، اس میں اچھی مٹی، میٹھی شوریدہ مٹی، نرم سخت، کہرا اور اسی طرح تمام اقسام کی مٹی لے آئے تو پروردگار عالم نے کہا کہ ان تمام اقسام کی مٹی کو پانی میں نم کردو اور جب پانی میں نم کردیا گیا اور اس میں لوچ پیدا ہوگیا تو حضرت آدمؑ کا پتلا بنایا گیا۔

ملائکہ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور پروردگار عالم ان کی بے چینی کو محسوس کرر ہا تھا۔ آخر کار فرشتوں نے سوال کرڈالا کہ پروردگار یہ کیا بنا رہا ہے۔ اب ہم پروردگار عالم اور ملائکہ کے درمیان جو گفتگو قرآن مجید کے سورۂ بقرہ میں ہے، پیش کرتے ہیں، پروردگار نے فرمایا:

"وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ" (۱)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کہ اسے خلیفہ بنا رہا ہے جو فساد برپا کرے گا، خون بہائے گا اور ہم جو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ پروردگار عالم نے کہا، تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اب جس کو بھیج رہا ہوں اسے تعلیم دے کر اور کلمات سکھا کر بھیج رہا ہوں "فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ" (۲)

اور جب میں اسے مکمل کرلوں، مساوی کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب سجدے میں چلے جانا یعنی اسے سجدہ کرنا۔

"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ" (۳)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ فرشتوں کو تو علم غیب نہیں آتا تو ان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ آدم زمین پر جاکر فساد برپا کرے گا، خون بہائے گا۔ وہ شاید اپنی تسبیح و تقدیس کی بنا پر خود خلیفہ بننے کی تمنا کرتے ہوں۔

---

(۱) (سورۂ بقرہ، آیت ۳۰)

(۲) (سورۂ حجر، آیت ۲۹)

(۳) (سورۂ بقرہ، آیت ۳۴)

دراصل یہ حقیقت ہے کہ اس آدم سے پہلے بھی بہت سے آدم اور نبی جان آ چکے تھے، جو اتنے متکبر ہو گئے اور اتنے بداعمال ہو گئے کہ ان کی قوموں اور نسلوں کو پروردگار عالم نے برباد اور نیست و نابود کر دیا۔ جیسا کہ نبی جان کو ختم کیا اور عزازئیل (ابلیس) کو اس کی عبادت زہد و تقویٰ کی بنیاد پر بخش دیا اور جنت میں رکھا، لیکن اس کی نیت خراب تھی تو جیسے ہی پروردگار عالم نے فرشتوں سے کہا کہ جب اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب سجدے میں چلے جانا اور جب روح پھونک دی تو تمام ملائکہ سجدے میں چلے گئے سوائے ابلیس (شیطان) کے جس نے تکبر اور حسد کیا اور سجدہ نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا کہ تو نے میری حکم عدولی کی، تجھ کو کس بات نے سجدہ کرنے سے روکا کیا تو "عالین" میں سے ہے یا تو نے تکبر کیا۔ شیطان ابلیس نے کہا کہ میں "عالین" سے نہیں ہوں وہ ڈر گیا اور پھر کہا کہ "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"(۱) میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ آدم مٹی سے "اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ"(۲) اس نے غرور، حسد کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا اور قیامت تک کے لیے لعنتی قرار پایا۔ یہ "عالین" کون سی مخلوق تھے، آگے چل کر بات کریں گے پروردگار عالم نے ملائکہ کو سجدہ کرنے کے لیے اس لیے کہا کہ جس کو سجدہ کیا جاتا ہے اُس کی اطاعت لازمی ہو جاتی ہے۔

دراصل حسد، بغض و بیر، کینہ پروری یہ اسی دن سے چلی آ رہی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اطاعت کے قابل سمجھا اسے سجدہ کرنے کے لیے کہا۔ ابلیس نے کہا کہ ٹھیک ہے آج جس کی وجہ سے مجھ کو لعنتی اور راندۂ درگاہ کیا گیا ہے تو پھر اے پروردگار میری عبادت جو میں نے اتنا عرصہ کی ہے، اس کی جزا ابھی مجھے چاہیے۔ پروردگار عالم نے کہا کہ ہاں کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو قیامت تک کی زندگی چاہیے اور اتنی طاقت چاہیے کہ میں اس آدم اور اس کی ذریت یا نسل کو بہکاؤں۔

"وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ"(۳) سوائے تیرے خاص بندوں کے جو میرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی کہ جا تجھ کو اجازت ہے، لیکن یاد رہے کہ میں روز قیامت تجھ سے اور تیری ذریت سے جہنم کو بھر دوں گا۔ تو اس دن سے آج تک حسد اور بغض و بیر کا سلسلہ چلا آ رہا ہے۔

آگے چل کر ہم اس بات کا تجزیہ کریں گے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے جو آدم آئے، وہ کس طرح ثابت ہوں کیونکہ حضرت آدمؑ کو اس زمین پر آئے ہوئے تقریباً ۱۵ سے ۱۸ ہزار سال ہوئے اور تاریخ کو ضبط

---

(۱) (سورہ اعراف، آیت ۱۲)

(۲) (سورۂ بقرہ، آیت ۳۴)

(۳) (سورۂ حجر، آیت ۳۹، ۴۰)

تحریر میں آئے ہوئے تقریباً ۵ سے ۷ ہزار سال ہوئے ہیں اور پہلے کے واقعات کے لیے ہمیں روایتوں اور آسمانی کتب پر انحصار کرنا پڑے گا اور کچھ آثار قدیمہ جو نئے نئے مشاہدات کی روشنی میں آج ہمارے سامنے ہیں، ان پر انحصار کرنا پڑے گا۔ ایسی روایتوں کو جنہیں ذہن نہیں مانتا، وہ کچھ اس طرح ہیں کہ فرعون کا لشکر تیس لاکھ کا تھا یا دس لاکھ کا۔ جو ایسی روایتیں غلط ہیں۔ اگر مان لیا جائے کہ تیس لاکھ کا لشکر تھا ایسے لشکر کے لیے کوئی اتنا ہی بڑا خطۂ زمین ہی درکار ہوگا، کیونکہ اتنے بڑے لشکر کے لیے قیام وطعام کے لیے بھی بہت بڑا بندوبست و انتظام کرنا ہوگا جو آج کے سائنسی دور میں بھی ناممکن ہے تو پھر آج سے ہزاروں سال پہلے یہ کس طرح ممکن تھا۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کے قد ستر فٹ کے تھے اور مثال دیتے ہیں کہ عوج بن عوق ایک ایسا آدمی تھا کہ وہ سمندر سے مچھلی پکڑ کر سورج کے سامنے ہاتھ بڑھا کر بھون لیتا تھا۔ یہ سب روایتیں انسانی ذہنوں کی اختراع ہیں۔ ویسے آج بھی چند لوگ اپنی کسی خاص جسمانی خصوصیات کی وجہ سے قد کے تھوڑے بڑے ہو جاتے ہیں جیسے سندھ کا عالم چنہ یا پنجاب کا نصیر احمد، تو اس طرح کے لوگ اس زمانے میں بھی ہوتے ہوں گے جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اب رہا یہ سوال ہے کہ آدم جو پہلے آئے وہ کیا ہوئے تو کچھ تو آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے معلوم ہوا کہ انسانی کھوپڑی ملی ہے جو ایک کروڑ سال پہلے کی ہے۔ دس کروڑ سال پہلے کی ہے، لیکن یہ کھوپڑیاں عام قد کاٹھ کے لوگوں کی ہیں نہ کہ ستر ستر فٹ کے لوگوں کی۔

دوسرے ہمارے امام اوّل اور مولائے کائناتؑ سے ان کے ایک صحابی نے سوال کیا کہ مولا آدم علیہ السلام سے پہلے اس زمین پر کون تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ آدمؑ اس نے پھر سوال کیا کہ تین سو سال پہلے کون تھا آپ نے کہا کہ آدمؑ۔ اس نے پھر کہا کہ تین ہزار سال پہلے کون تھا، آپؑ نے کہا کہ آدم اور پھر مولائے کائناتؑ نے اس شخص سے کہا کہ اگر تو تیس ہزار سال پہلے کی بات بھی کرتا تو میں یہ ہی جواب دیتا۔ تو معلوم ہوا کہ بہت سارے آدم آئے اور اپنی کسی نہ کسی غلطیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ان کی قومیں نیست و نابود ہوگئی ہوں گی۔

اب ہم اپنی شروع کی بات پر واپس پلٹ آتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوگئی اور وہ جنت میں رہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تنہائی دیکھتے ہوئے ایسا کیا کہ ایک دن جب وہ آرام کر رہے تھے تو ان کو محسوس ہوا کہ کوئی دوسرا بھی موجود ہے۔ دیکھا تو حوا موجود تھیں اور جب جوڑا بن گیا تو اللہ کے حکم سے جنت میں رہنے لگے اور گھومنے پھرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا کہ جنت میں گھومو پھرو، لیکن "شجر ممنوعہ" سے دور رہنا۔ "وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ" (۱)

اس شجر ممنوعہ کے پاس نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

---

(۱) (سورۂ بقرہ، آیت ۳۵)

لیکن بدقسمتی سے نفس امارہ جو انسان کا دشمن ہے اور برائی کی طرف اُکساتا ہے۔ اس کا پہلا شکار اماں حوا ؑ اور حضرت آدم ؑ بنے اور دونوں نے وہ غلطی کرلی، جس کی پاداش میں انہیں زمین پر آنا پڑا۔ لیکن بابا آدم کو سراندیپ یا سری لنکا کی پہاڑی پر اتارا اور اماں حوا کو عرب کے ساحل پر اور وہ دونوں ایک دوسرے کے فراق میں گریہ کرتے رہے۔

اماں حوا کو ساحل پر اتارا تو وہ جگہ آج بھی ''جدہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے، کیونکہ جد اور ''جدہ'' یعنی سب سے بڑی دادی کو جدہ کہا جاتا ہے جد کی مونث ''جدہ'' تو ہوتی ہے اور اس طرح آج تک وہ جگہ ''جدہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ بہت عرصے تک ایک دوسرے کے فراق میں گریہ کرتے رہے اور معافی مانگتے رہے۔ پھر جا کر پروردگار عالم نے ان کو معاف کیا اور ایک دوسرے سے ملا دیا۔

اب تھوڑا سا ذکر ''عالین'' کے بارے میں کرتے ہیں، جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہو رہی تھی تو اس وقت پروردگار عالم، ملائکہ اور ابلیس ہی موجود تھے اور حضرت آدمؑ بننے کی منازل طے کر رہے تھے اور جب ابلیس نے انکار کیا اور سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا: ''قَالَ یَا إِبْلِیسُ مَا مَنَعَکَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ'' (۱) اے ابلیس تجھ کو کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا۔

کیا تو ''عالین'' میں سے ہے یا تو نے تکبر کیا؟ شیطان نے فوراً کہا کہ میں ''عالین'' میں سے نہیں، لیکن ''خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ'' (۲) میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنا ہے۔ اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ اب آتے ہیں ''عالین'' کی طرف تو آیئے رسول پاک ؐ کی حدیث قدسی کی طرف جہاں آپؐ نے فرمایا: ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَمَا خَلَقَ شَیْءٌ بَعْدِیْ'' اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق کیا اور ہر شے بعد میں خلق کی۔ دوسری حدیث قدسی ہے ''اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ'' میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں پھر فرمایا: ''فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ'' فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے اور پھر کہا کہ: ''حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ'' حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ پھر فرمایا: ''اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَیْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ'' حسن اور حسین علیہما السلام جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ تو بات سمجھ میں آ گئی کہ یہ ''عالین'' ہیں اور اس وقت بھی موجود تھے، جب آدمؑ بننے کی منازل طے کر رہے تھے اور اس بارے میں رسول پاکؐ کی حدیث ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان بننے کی منازل طے کر رہے تھے۔ ''مَنْ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ'' (رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اس کے فوراً بعد ایک اور آواز آئی، ''مَنْ کُنْتُ وَلِیًّا وَّ آدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ'' (مولا علی علیہ السلام)

---

(۱) (سورۂ صٓ، آیت ۷۵)

(۲) (سورۂ صٓ، آیت ۷۶)

فروغ نسلِ آدمؑ

جب ایک دوسرے کے فراق میں بہت گریہ اور آہ وبکا ہو چکا اور دل سے تائب ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ جاؤ آدمؑ کو لے جاؤ اور حوا سے ملا دو اب کئی روایتیں ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ حضرت آدمؑ کو لے گئے اور صفا اور مروہ کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑ پر حضرت آدم یعنی صفا پر اور مروہ پر حضرت اماں حوا ایک دوسرے سے ملے اور پھر واپس جانے کا حکم ملتا تھا، آخر تین تین بار آپ آئے اور ساتویں مرتبہ آپ کو ملنے دیا گیا اور کہا کہ پہلے کعبۃ اللہ کا طواف کریں تو سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور اماں حوا نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس وقت بھی خانہ کعبہ موجود تھا اور سب سے پہلا طواف آپ دونوں نے کیا۔ یہ سات مرتبہ کا سعی کرنا بھی تب ہی سے ہے۔ غرض اس کے بعد آپ دونوں ساتھ رہنے لگے اور سب سے پہلے حضرت ہابیل پیدا ہوئے اور بعد میں قابیل پیدا ہوئے۔ حضرت ہابیلؑ اپنی نیک طینت اور فرمانبرداری کی نسبت سے والدین کو پیارے تھے اور بھیڑ بکریاں پالنے کا فرض انجام دیتے تھے۔ قابیل اپنی اکڑ اور غرور کی وجہ سے والدین کی توجہ حاصل نہ کرسکا تو اناج پیدا کرنے کا فرض ادا کرتا تھا۔ جب نذر دینے کا وقت آیا تو حضرت ہابیلؑ نے اپنی بھیڑ بکریوں کے گلے سے ایک موٹی تازی بھیڑ نکال کر اس کی نذر دینے کے لیے تیاری کی اور دوسری طرف قابیل جو بدنیت تھا اس نے اناج اور پھل وغیرہ نکال کر نذر دینے کی تیاری کی، لیکن پھر کچھ سوچ کر تھوڑا سا اناج اور پھل نکال لیے کہ شاید زیادہ نہ ہوں اور اس بدنیتی کی وجہ سے اس کی نذر اللہ تعالیٰ نے قبول نہ کی اور اس طرح وہ اور بھی حضرت ہابیلؑ کا دشمن ہوگیا، جس کی نذر قبول ہوگئی تھی۔ یہاں پر چند ایسی روایتیں بھی ہیں جن کو ذہن نہیں مانتا اور یہ مختلف مکاتب فکر کے لوگوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ کسی لڑکی کا چکر تھا، بھئی یہ لڑکی کہاں سے آ گئی؟ اور تو کوئی اس وقت دنیا میں نہیں تھا سوائے ان چار نفوس کے ایک حضرت آدمؑ ایک اماں حوا ایک ہابیل اور ایک قابیل۔ مگر ان روایتوں کا کیا کیا جائے جو مختلف ذہنوں کی اختراع ہیں۔ نہ تو قرآن پڑھتے ہیں اور نہ ہی غور وفکر کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی عقل استعمال کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ایک لڑکی صبح پیدا ہوتی تھی اور لڑکا شام کو پیدا ہوتا تھا اور ان دونوں کی شادیاں کر دی جاتی تھیں۔ بھئی نو نو گھنٹوں میں آپ انسان کے بچے پیدا کروا رہے ہو، جب کہ قرآن میں بچے کے پیدا ہونے کا تمام مرحلے وار بیان موجود ہے، جس پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے اور ان کی شادیاں ہو جاتی تھیں، یہ تمام باتیں لغو ہیں جن کو دماغ نہیں مانتا۔ بھئی کچھ بھی ہوا ہو، کسی طرح بھی بچے پیدا ہوتے ہوں تو آپس میں بہن بھائی ہوئے اور بہن بھائی پر حرام ہوتی ہے۔ قرآن میں سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے سات عورتیں مرد پر حرام کر دی ہیں ان میں ایک بہن بھی ہے۔ اس پر کہتے ہیں کہ نہیں ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا، پھر اس کے بعد نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری بنیاد ہی غلط اور حرام پر رکھ دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسا کبھی نہیں کرسکتا۔ اس نے حرام کو حرام قرار دیا اور حلال کو حلال بنایا

اور یہ فارمولا ازل سے ابد تک رہے گا اور قانون قدرت کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔

"قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ"(۱)

میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولؐ کہہ دو! ان سے کہ ناپاک اور پاک (حلال) برابر نہیں ہو سکتے۔

اسی لیے قانون قدرت یا اللہ تعالیٰ کا قانون کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ ازل سے ابد تک حلال حلال رہے گا اور حرام حرام رہے گا۔ تو بات صاف ظاہر ہوگئی کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کبھی ایسا نہیں ہوا، جو دوسرے مکاتب فکر کی روایتوں میں ہے کہ صبح کی بچی سے شام اور شام کے بچے سے صبح کی بچی کی شادی ہوگئی اور اس طرح نسل آدم آگے بڑھی۔ یہ بات عقل تسلیم نہیں کرتی کہ بچے بچیوں کی شادیاں ہوگئیں، بھئی اتنی جلدی تو مرغی کا انڈہ اگر انکوبیٹر میں رکھ دیا جائے تو وہ بھی اُبل جائے گا، لیکن بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس کے لیے ایک خاص حرارت ایک خاص وقت تک درکار ہے جو اکیس دن بنتا ہے۔ تو پھر انسان کا بچہ چند گھنٹوں میں کس طرح پیدا ہو گیا اور اگر عقل کے ماروں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر بھی وہ بہن بھائی ہوئے، جو کہ حرام بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں فعل حرام ہے۔

ہم صرف اسی بات کو مانیں گے جو عقل تسلیم کرے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہوا ہوگا جو نسل آدمؑ آج ہم تک یعنی تقریباً چھ ارب انسان پیدا ہو گئے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا ہوا ہوگا۔ پہلے قرآن پاک سے پوچھتے ہیں۔ قرآن پاک میں کئی سورتوں میں خلقت انسان کا ذکر ہے۔

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ، ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ"(۲)

یعنی ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے یوں خلق کیا کہ اس کا ایک قطرہ ایک محفوظ جگہ پر ٹکا دیا اور بوند کو ایک لوتھڑے کی شکل عطا کر دی اور پھر اس لوتھڑے ہی سے گوشت بنایا اور اس سے ہڈیوں کی تخلیق کی اور گوشت کو ان ہڈیوں پر چڑھایا کہ کچھ دنوں یعنی (۹ ماہ میں) ایک جیتی جاگتی مخلوق کی صورت گری کر دی۔ آگے "فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ" (۳) پس بہت برکت والا ہے اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے۔ دوسری سورۂ حج کی آیت ۵ اور سورۂ زمر کی آیت ۶ میں بھی خلقت انسان کا ذکر ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ صبح و شام بچے پیدا ہونے کی روایت خام خیالی اور جہالت ہے۔ کیوں کہ اوپر والی آیت میں جو خلقت انسان کا ذکر ہے وہ ازل سے اور ابد تک رہے گا کبھی تبدیل نہ ہوگا اور نہ ہوا ہے۔

---

(۱) (سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۰)

(۲) (سورۂ مومنون، آیت ۱۲ تا ۱۳)

(۳) (سورۂ مومنون، آیت ۱۴)

آیئے دیکھتے ہیں کہ آگے کس طرح نسل آدم فروغ پائی۔

اوپر والی آیت کے مطابق یہ نطفہ رحم مادر میں زوجین کے تدبیری عمل سے ٹکایا جاتا ہے اور پھر اس کی خلقت شروع ہوتی ہے اور اسی لیے یہ روایت ہے کہ بچہ صبح پیدا ہوا یا بچی شام کو پیدا ہوئی غلط ہو جاتی ہے اور قرآن پاک کے مطابق بچے کی پیدائش کا عمل جو ۹ ماہ میں مکمل ہوتا ہے اور پھر بچہ کی ولادت ہوتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے نسل آدمؑ کس طرح فروغ پائی۔

حضرت ہابیلؑ کے قتل کے بعد قابیل ان کی لاش کو لیے پھرتا رہا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرح وہ اس بھائی کی لاش کا بندوبست کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ مشکل حل کر دی اور دو (۲) کوّوں کو پیدا کیا ایک کوّے نے دوسرے کو مار ڈالا اور اپنے پنجوں سے زمین کھود کر اس میں لاش دفن کر دی اور اس طرح قابیل نے زمین کھود کر اس میں ہابیلؑ کی لاش کو دفن کر دیا۔ حضرت آدمؑ اور اماں حوا کو حضرت ہابیلؑ کے قتل کا بہت بڑا صدمہ ہوا، اور وہ ایک بڑے عرصہ تک دکھ اور غم میں رنجیدہ خاطر رہے۔ قابیل اس واقعے کے بعد روپوش ہو گیا اور اس کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی کہ اس کا کیا بنا۔

ایک بڑے عرصے کے بعد حضرت آدمؑ نے اماں حوا سے رجوع کیا اور ۹ ماہ کے بعد حضرت شیثؑ پیدا ہوئے اور دوسرے سال حضرت یافثؑ پیدا ہوئے، جب سن بلوغ کو پہنچے تو ایک شام اللہ تعالیٰ نے ایک حور جس کا نام منزلہ تھا کو حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ روانہ کیا اور انہوں نے آ کر حضرت آدمؑ پر وحی کی اس کی شادی شیثؑ سے کر دو اور دوسرے دن ایک اور حور، جس کا نام نزلہ تھا حضرت جبرائیلؑ کے ہمراہ روانہ کیا اور حضرت جبرائیلؑ نے وحی کی۔ اس کی شادی یافثؑ سے کر دیں اور اس طرح آپس میں چچازاد اور تایازادوں کی شادیاں ہونے لگیں جو آج بھی ہوتی ہیں اور نسل آدمؑ بڑھنے لگی۔

دیکھنا یہ ہے کہ عقل کس بات کو مانتی ہے، اس بندوبست کو اللہ تعالیٰ نے کیا اور ہم کو حرام سے بچا لیا یا پھر وہ لغو قسم کی روایتیں، جن سے ہم حرام نسل قرار پاتے۔ اب دیکھتے ہیں کہ عقل کس طرح اس بات کو مانتی ہے تو جب بھی کسی خوبصورت اور نفیس خاتون کو دیکھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ دیکھو یہ خاتون حور کی طرح خوبصورت ہے۔ دوسری بات کہ جتنی بھی مخلوق اس وقت دنیا میں ہے چاہے وہ درندے ہوں چاہے چرند ہوں، چاہے پرندے ہوں یا پھر رینگنے والے، ان سب میں نر خوبصورت ہے جیسا کہ مور، شیر، کبوتر اور تمام نر اسی طرح خوبصورت ہیں اور مادہ اتنی خوبصورت نہیں ہوتیں۔ لیکن انسانوں میں عورت (یعنی مادہ) خوبصورت ہے مرد کے مقابلے میں۔ اور اس طرح حضرت آدمؑ کی نسل بڑھتی رہی اور بڑھتی رہے گی۔ اور یہ ہی وہ ''حور'' والا تاثر ہے۔

فصل سوّم

رہبرانِ کائنات

(کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نمائندگی)

(حضرت عدنان سے لے کر

حضرت عبد مناف تک)

رہبرانِ کائنات

(کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نمائندگی)

عرب کے اس وسیع ریگستان کی وادی بطحاء میں مستقل آبادی کی ابتدا ذریت ابراہیمؑ سے ہوئی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام طوفان نوحؑ کے ۱۰۸۱ برس بعد سرزمین بابل میں پیدا ہوئے۔ باپ کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا اور چچا آذر نے تربیت کی، آذر کے لغوی معنی صنم کدہ کے نگران اعلیٰ کے ہیں یعنی عام فہم لفظ میں ''بتوں کے رکھنے کی جگہ'' اور اس کا اعلیٰ نگہبان بعد میں یہ صرف آذر رہ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے گھر ہی میں رہتے تھے۔ آپؑ ایسے معاشرے میں پلے بڑھے، جہاں بت تراشے جاتے تھے اور پوجے جاتے تھے اور سورج چاند ستاروں کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ بچپن ہی سے بت پرستی کے خلاف تھے اور اپنی بت پرست قوم پر شدید تنقید کرتے تھے اور اپنی قوم کی مشرکانہ راہ و رسم کے شدید مخالف تھے۔ آپ اس رسم کی مذمت کرتے تھے۔ آپؑ نے خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کی پرتش کرنے کی دعوت دی، مگر کسی نے آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔ حضرت ابراہیمؑ کی کوشش کے باوجود جب قوم وحدانیت کی طرف نہیں آئی تو آپ نے چاہا کہ بتوں کی بے بسی اور درماندگی کا عملی ثبوت پیش کر کے انہیں سمجھائیں کہ اصنام پرستی گناہ عظیم ہے۔ اس لیے آپ موقع کی تلاش میں رہے اور انہی دنوں میں اہل شہر مراسم، عید منانے کے لیے صحرا میں جمع ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر کو خالی پایا تو صنم کدے کا رخ کیا اور ایک بڑے بت کے علاوہ تمام چھوٹے بت توڑ ڈالے اور برباد کر دیے اور وہ کلہاڑا جس سے بت توڑے تھے وہ بڑے بت کے گلے میں لٹکا دیا۔ جب اہل شہر پلٹ کر واپس آئے تو صنم کدے کو بتوں کے ایک قبرستان میں تبدیل پایا۔ انہوں نے تاسف سے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا کہ ہو نہ ہو یہ ابراہیمؑ کا ہی کیا دھرا ہے، کیوں کہ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا اور سختی سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یہ سب آپس میں لڑ رہے تھے تو بڑے بت کو غصہ آ گیا اور اس نے سب کے سر پاؤں کلہاڑے سے توڑ ڈالے، اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو اس بڑے بت ہی سے پوچھ لو۔ ''بل فعله کبیر هم هذا فسئلو هم ان کانو ینطقون'' () یہ حرکت ان بتوں کے بڑے کی ہے اور اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان ہی سے پوچھ لو۔
یہاں پر تمام قوم والے ایک ساتھ بولے کہ اے ''ابراہیمؑ کہیں بت بھی بولا کرتے ہیں۔ آپؑ نے جواب دیا کہ جو بول نہیں سکتے اور اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے تو کسی اور کے کام کیا آ سکتے ہیں اور تم سب انہیں معبود قرار دیتے ہو اور ان کے آگے اپنی جھولیوں کو پھیلاتے ہو اور ان سے مانگتے ہو اور ان کو سجدہ کرتے ہو، جب کہ یہ نہ تو بول سکتے ہیں اور نہ ہی اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ شہر والے یہ بات سن کر سخت غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اس کو پکڑ کر نمرود کے پاس لے چلو، وہ ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔

نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے غصے میں پوچھا: کہ تو نے یہ گستاخی کیوں کی اور تو ہمارے بتوں کو جھوٹا اور مکار کہتا ہے اور میرے الوہی اقتدار کی بھی نفی کرتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: یہ بت جو تم لوگوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے، جو کمزور سے کمزور انسان سے بھی کمزور ہیں اور تو کس بات کا خدائی دعویٰ کرتا ہے، تو تو اپنی موت اور زندگی کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔ وہ تو صرف پروردگار عالم ہی کے پاس ہے جو پوری کائنات کا اور میرا خدا ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے باکانہ گفتگو اور جوش نمرود کو پسند نہیں آیا اور وہ اپنے شہنشاہی دبدبے اور حکومت کے شکوہ اور لوگوں کے انتقام کو دیکھتے ہوئے پہلے تو حضرت ابراہیمؑ کے چچا آذر کے کہنے کے مطابق حکم دیا کہ اس کا سر پتھروں سے کچل دو، مگر سب نے کہا کہ اس کو آگ میں زندہ جلا دو۔ پس ایک بہت بڑی بھیانک آگ جلائی گئی، جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور کوئلے سرخ انگاروں کی طرح دہکنے لگے تو حضرت ابراہیمؑ کو ایک منجنیق نما مشین کے ذریعے آگ میں پھینک دیا گیا۔ کیوں کہ آگ اتنی سخت تھی کہ کوئی نزدیک نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے اس غلیل نما مشین کے ذریعے پھینکا گیا۔ اب دیکھیے ایمان کامل کہ جب آپ آگ کی طرف جا رہے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ابراہیمؑ میں کچھ تمہاری مدد کروں تو آپ نے جواب دیا نہیں، جس کا میں بندہ ہوں اس کی جیسی مرضی ہوگی وہ ہی مجھے منظور ہے۔ اتنے میں آواز قدرت آئی۔ "یا نار کونی برداً و سلام علیٰ ابراھیم"

اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کی سلامتی بن جا۔ جب نمرود اور شہر والوں نے آگ کی جگہ ایک گل و گلزار لہلہاتا ہوا دیکھا تو تعجب میں آ گئے اور پھر بھی نمرود اور انہوں نے حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو شہر سے نکال دو اور مال و مویشی اور اسباب ضبط کر لیا جائے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو پھر وہ میری عمر واپس لوٹا دو جو میں نے تمہارے شہر میں گزاری ہے، اس پر شہر والوں اور نمرود نے انہیں لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی اہلیہ جناب سارہ سلام اللہ علیہا اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سرزمین بابل سے نکل کھڑے ہوئے اور حلب و دمشق سے ہوتے ہوئے فلسطین میں چلے آئے جو اس دور میں کنعان کہلاتا تھا۔ فلسطین میں آپ کا مرکز و مسکن یروشلم سے گیارہ میل دور حبرون میں رہا۔ آپ نے کچھ عرصہ وہاں گزارا پھر دعوت توحید کی تبلیغ کے لیے مصر تشریف لے گئے شاہ مصر رقیون نے آپ کے ساتھ جناب بی بی سارہ کو دیکھا تو اس کی نیت میں فتور آیا اور اس نے بری نیت سے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ شل ہو کر رہ گیا اس پر وہ بہت نادم ہوا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، معافی مانگی اور اس جرم کی تلافی کے لیے کچھ تحائف پیش کیے۔ ان تحائف میں ایک کنیز بی بی حاجرہؑ بھی تھیں، جو بعد میں حضرت بی بی سارہؑ کی مرضی سے آپ کے عقد میں آئیں اور ان پرستاران توحید کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئیں۔

مورخ طبری لکھتا ہے کہ حضرت بی بی ہاجرہؑ فرعون مصر علوان ابن سنان کی بیٹی تھیں۔ مصر سے واپسی کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے واپس حبرون آ کر سکونت اختیار کی اور اپنے پروردگار سے اولاد کی خواہش کی اور

چھیاسی (۸۶) سال کی عمر میں بی بی حاجرہؑ کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور پھر کچھ عرصے کے بعد حضرت بی بی سارہؑ کے بطن مبارک سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ جب بی بی سارہؑ کی گود ہری ہوئی تو آپؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ بی بی ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ جو ابھی بہت ہی کم سن تھے، کو کہیں اور منتقل کر دیں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے پروردگار عالم سے دعا کی کہ سارہؑ کیا کہہ رہی ہے۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے جواب میں کہا کہ وہی کرو جیسا سارہؑ کہہ رہی ہے، کیوں کہ اس کی تمہارے لیے بہت قربانیاں ہیں۔ اس پر بغیر حیل و حجت قدرت کی رہنمائی اور مشیت کی کارفرمائی سے حضرت ابراہیمؑ بی بی ہاجرہؑ اور کم سن بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو لے کر صحرائے حجاز کے ایک گوشے میں آ گئے۔ اگر چہ یہ علاقہ انسانی آبادی اور زندگی سے یکسر خالی تھا، مگر کارفرمائے قدرت نے ازل سے یہ طے کیا ہوا تھا کہ اس علاقے کو آبادی سے بیگانہ نہ رہنے دے گا، بلکہ اسے ''ام القریٰ'' یعنی آبادیوں کا سرچشمہ قرار دے گا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی بی بی حاجرہؑ اور کم سن حضرت اسماعیلؑ کو وہاں چھوڑ کر فوراً واپس پلٹے کیونکہ بی بی سارہؑ نے کہا تھا کہ گھوڑے سے اترنا نہیں، اس لیے آپ بی بی ہاجرہؑ کو ایک مشکیزہ پانی اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں دے کر واپس پلٹے، لیکن وفا شعار اور فرمانبردار بیوی اور نور نظر کی جدائی دل کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکی اور کوہ کدا کے موڑ پر پہنچے تو پلٹ کر بی بی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیلؑ کی طرف دیکھا اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ''(۱) پروردگار میں نے تیرے پاک گھر کے پاس ایسی سرزمین پر جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی، اپنی کچھ ذریت کو لا بسایا ہے۔ اے ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور ان کے لیے پھلوں کی روزی کا سامان کر تاکہ وہ تیرے شکر گزار رہوں۔'' خلیلؑ خدا کو قدرت کی کارسازی پر اطمینان تو تھا ہی اور پھر اس دعا نے قلب کو مطمئن کر دیا اور آپ جدھر سے آئے تھے ،ادھر روانہ ہو گئے۔

ادھر جناب ہاجرہؑ نے ایک چادر تان کر سایہ کیا اور ننھے اسماعیل کو لے کر اس کے نیچے بیٹھ گئیں۔ اگر چہ چاروں طرف سناٹا طاری تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اس صحرائی زندگی کو قبول کر لیا۔ اس دوران پانی کی ایک چھاگل تھی جو ختم ہو گئی۔ اب آپ کو پانی کی فکر ہونے لگی خاص طور پر ننھے بچے کی کے کملائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا اور یہ ہی خیال کرتے ہوئے آپ کھڑی ہو گئیں اور صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر بار بار پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں کہ کہیں پانی نظر آ جائے۔ آخر کار تھک ہار کر لوٹ آئیں۔ جب واپس اس چادر کے قریب آئیں تو دیکھا کہ جہاں ننھے اسماعیل کو چھوڑ کر گئی تھیں وہاں ان کی ایڑیاں

---

(۱) (سورۂ ابراہیم، آیت ۳۷)

رگڑنے سے پانی رس رہا تھا جب آپ نے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو ہٹایا تو میٹھے چشمے کا دھارا بہنے لگا۔ آپ کہنے لگیں "زم زم" جس کا مطلب ہے رک رک اور پتھر لے کر اس کے گرد لگا دیے اور ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا۔ بی بی حاجرہؑ نے اس میٹھے پانی سے اپنی اور ننھے اسماعیلؑ کی پیاس بجھائی۔

پانی کو دیکھ کر اس بے آب و گیاہ صحرا میں پرندے ہوا میں منڈلانے لگے اور پانی کے چشمے کی طرف آنے لگے۔ اسی زمانے میں قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ یمن سے شام جاتا ہوا ان پہاڑوں سے گزرا اور اس وادی میں پرندوں کو اڑتا دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور وہ قافلہ رک کر نیچے وادی میں اتر آیا اور آ کر بی بی ہاجرہؑ سے وہاں چشمے سے پانی لینے کی اجازت چاہی اور ساتھ وہاں وادی میں رہنے کی اجازت طلب کی آپؑ نے پانی دے دیا اور رہنے کے لیے ان سے کہا کہ جب حضرت ابراہیمؑ میرے شوہر آئیں گے تو ان سے پوچھ کر اجازت دوں گی۔

جب خلیلؑ خدا آئے تو آپؑ نے ان سے پوچھ کر قبیلہ والوں کو وہاں رہنے کی اجازت دی اور یوں دنیا کے نقشے پر ایک متبرک ترین شہر کے ابتدائی خطوط ابھر آئے۔ بعد میں حضرت ابراہیمؑ نے اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے خانۂ خدا، جس کا نشان پہلے سے تھا اس کی دیواریں کھڑی کرنا شروع کیں اور یوں اس کائنات میں خانۂ خدا کی تعمیر ہوگئی اور تمام عالم میں ایک مرکزی عبادت گاہ کی حیثیت حاصل ہوگئی اور لوگ آ کر آباد ہونے لگے اور اس آبادی کو "ام القریٰ" یعنی آبادیوں کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا، جس میں اس عظیم ہستی نے جنم لینا تھا جو مولود کعبہ بنا اور مولائے کائناتؑ کا لقب ملا اور اسی لیے قرآن مجید میں آیا۔

"إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ" (۱) پہلے اس کا نام جو قرآن پاک میں آیا وہ بکہ تھا اور بعد میں "مکہ" ہوا۔ روایت یہ بھی ہے کہ جس جگہ خانۂ کعبہ تعمیر ہوا وہ جگہ "بکہ" ہے اور باقی شہر "مکہ" ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ: "سمیت مکته بکته لان الناس کانو ایتبا کون فیها" (۲) یعنی مکے کا نام اس بنا پر ہوا کہ وہاں پر لوگ جمع ہو کر گریہ و بکا کرتے تھے۔ اور مکہ، مکاء سے مشتق ہے اور مکا کے معنی چیخنے چلانے اور سیٹی بجانے کے ہیں، اس کو مکہ اس لیے کہا گیا کہ یہاں حج کے زمانے میں لوگ شور و غل اور سیٹیاں بجاتے تھے۔ چنانچہ ہمارے آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے: "سمیت مکه مکته لان الناس کانو ایتبا کون بها" (۳) مکہ کو مکہ اس لیے کہا جاتا ہے وہاں پر لوگ چیختے چلاتے تھے۔ یہ چیخ و پکار ان کے نزدیک عبادت میں داخل اور جز و نماز تھی۔

---

(۱) (سورۂ آل عمران، آیت ۹۶)

(۲) (علل الشرائع، باب ۱۳۷، ص ۴۷۴)

(۳) (علل الشرائع، باب ۱۳۶، ص ۴۷۳)

اس لیے ارشاد خداوند تعالیٰ ہے: "وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً" (۱)
خانۂ کعبہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں "مکہ" کو ام القریٰ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ "ام القریٰ" کے معنی اصل و بنیاد کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتی ہو۔ اسے "ام القریٰ" آبادیوں کی اصل و بنیاد کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے انسانی سیلاب کا سرچشمہ امنڈا، جو ویران خطوں اور دور افتادہ زمینوں سے گزرتا ہوا اطراف عالم میں پھیل گیا۔ چنانچہ جب حضرت اسماعیلؑ نے قبیلہ بنی جرہم کے سردار مضاض ابن عمرو کی دختر سے شادی کی تو اس سے ان کی اولاد پھولی پھلی اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام نجد اور حجاز سے لے کر فلسطین اور یمن تک پھیل گئی اور عرب عاربہ یعنی عرب کے قدیم باشندوں کے مقابلے میں "عرب مستعاربہ" کے نام سے موسوم ہوئی (ہم عرب کی تمام قسموں کو پہلے بیان کر چکے ہیں) اور نو آبادیوں کے سلسلے قائم کرتی ہوئی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور وہیں بس گئی۔
یہ سرزمین حرم آبادیوں کی اصل و بنیاد ہونے کے ساتھ ساتھ دین و ہدایت کا مرکز بھی ہے۔ اسی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر "کعبۃ اللہ" تعمیر ہوا۔ اسی مقام سے اسلام کی عالمی دعوت نشر ہوئی۔ توحید کا آوازہ بلند ہوا اور اسی کے نزدیک "غدیر خم" کے مقام پر اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی تکمیل ہوئی۔ یہاں پر نزول قرآن کا آغاز ہوا اور ہدایت کی کرنیں پھوٹیں۔ اور اسی کے افق سے وہ آفتاب نبوت طلوع ہوا، جس کی ضو پاش کرنوں سے نہ صرف ریگزار عرب کے ذرات لو دینے لگے، بلکہ اس کی شعاعیں تاریک سے تاریک گوشوں کو منور کرتے ہوئے ایشیا کے مرغزاروں سے لے کر افریقہ کے ریگزاروں تک پہنچ گئیں۔ اور اسی سرزمین کو مولائے کائنات حضرت علی ابن حضرت ابو طالب علیہما السلام کی جائے ولادت ہونے کا فخر حاصل ہوا اور یہاں پر ہی آپ کی ظاہری زندگی شروع ہوئی۔ بچپن اور اوائل شباب کا زمانہ گزرا اور یہیں کے در و دیوار سے پہلے پہل مانوس ہوئے اور اس کے کوہ وصحرا کے وسیع دامنوں میں نشو ونما پائی اور پھر یہاں سے ہی یثرب کی جانب ہجرت فرمائی۔ یہ چیز تجربے اور مشاہدے سے ثابت ہے کہ زمین کے مختلف خطے اپنی آب و ہوا، ہیئت وساخت اور جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے مختلف اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو چیز ایک سرزمین اور ایک آب و ہوا میں پروان چڑھتی ہے وہ دوسری سرزمین اور آب و ہوا میں پھلتی پھولتی نہیں ہے۔

اسی طرح نرم زمین میں اگنے والے پودے کمزور ہوتے ہیں اور سخت اور صحرائی اور پتھریلی زمین میں اگنے والی جھاڑیاں قوی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ کیوں کہ ان کی جڑوں کو زمینی رطوبت کے جذب کرنے کے لیے زمین کی گہرائیوں میں اتر نا پڑتا ہے۔

---

(۳) (سورۂ انفال، آیت ۳۵)

اسی لیے قدرت نے ان میں اتنی طاقت و دیعت فرمادی ہے کہ وہ سنگلاخ زمین جگہ پیدا کرنے اور بڑھنے میں زمین کی سنگینی کا مقابلہ کر سکیں اور اس کی سختی و صلابت سے ٹکرا کر اس کے اندر اپنے ریشوں کا جال پھیلا سکیں۔ اسی لیے امیر المومنینؑ نے صحرائی زمین کی اس خاصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ' الا وان الشجرة البرية اصلب عود او الوئع الخضرة ارق جلودا و النباتات البدوية اقوى قودا و البطا خمودا" (۱) یاد رکھو کہ جنگل کے درخت کی لکڑی مضبوط ہوتی ہے اور تر و تازہ پیڑوں کی چھال کمزور اور پتلی ہوتی ہے اور صحرائی جھاڑیوں کا ایندھن زیادہ بھڑکتا ہے اور دیر سے بجھتا ہے۔

اسی ارضی خاصیت کی روشنی میں پتھریلے اور گرم مقامات کے باشندوں کا جائزہ لیا جائے تو وہ نرم و ہموار زمین کے رہنے والوں کے مقابلے میں زیادہ قناعت پسند اور باہمت، پرزور اور جفاکش ثابت ہوں گے۔ کیوں کہ گرم و خشک اور ریگستانی علاقہ میں قدم قدم پر نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ان حالات کا مقابلہ کرنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت ان میں طبعاً ابھر آتی ہے اور وہ باآسانی حوادث و شدائد جھیل جاتے ہیں۔ حضرت مولائے کائنات امیر المومنینؑ میں قوت و توانائی اور تحمل شدائد کا جوہر خداداد تو تھا ہی مگر جذبہ بشری کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس قوت و توانائی کے نمود و نمود میں صحرائے عرب کی تعب افروز و مشقت آموز زندگی کو بھی ایک حد تک معاون و سازگار سمجھا جاسکتا ہے۔

خاندان رسالت و امامت:

قدرت نے ایک ایسا قانون وضع کیا ہے، جو نا قابل انکار ہے کہ اصل کی خصوصیات فرع کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور ہر انسان آبائی موثرات کی پیداوار اور اپنے اسلاف کی شکل و شمائل کا ورثہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کے خدوخال میں اس کے آباء و اجداد کے خطوط و نقوش کی جھلک کم و بیش پائی جاتی ہے۔ اگرچہ عام نگاہیں خدوخال کی باریکیاں نہیں دیکھ سکتیں مگر قیافہ شناس نگاہیں جسم کی ساخت، چہرے کے نقوش، انداز تکلم اور حرکات و سکنات کے آئینے میں بہت سی حقیقتیں دیکھ لیتی ہیں اور انہیں کسی کے آباء و اجداد اور قوم قبیلے کی تشخیص میں ذرا دشواری پیش نہیں آتی۔ خصوصاً سرزمین عرب کے بعض قبائل ژوف نگاہی اور باریک بینی میں نمایاں امتیاز اور قیافہ شناسی میں حیرت انگیز دستگاہ رکھتے تھے اور پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتے تھے کہ کون کس باپ کا بیٹا اور کس خاندان کا فرد ہے۔

چنانچہ قبیلہ بنی لہب و بنی مدلج کی قیافہ شناسی کے سلسلے میں صاحب (مستطرف) نے تحریر کیا ہے کہ اگر کسی بچے کے بارے میں شبہ ہوتا تو اسے بنی مدلج کے سامنے پیش کیا جاتا وہ ایک نظر بچے پر اور ایک متعدد آدمیوں پر نظر ڈال کر فوراً بتا دیتا کہ فلاں اس بچے کا باپ ہے اور دونوں کی خاندانی علامات اور مشترکہ خطوط

---

(۱) (نہج البلاغہ)

کی نشاندہی کر دیتا اور یونہی زید اور اسامہ مسجد نبویؐ میں سر ڈھانپے ہوئے لیٹے تھے کہ ادھر سے مجز وابن اعور مدلجی گزرا اس نے ان دونوں کے کھلے ہوئے پیروں کو دیکھ کر کہا کہ یہ باپ کے پیر ہیں اور یہ بیٹے کے، جب کہ وہ دونوں کی شخصیت اور ان کے رشتے سے بے خبر تھا۔

یہ قانون فطرت صرف انسانوں ہی میں کارفرما نہیں، بلکہ نباتات حیوانات میں بھی جاری وساری ہے۔ یہ مماثلت صرف شکل وصورت، ناک نقشے، اور نوک پلک ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ اولاد خوخصلت اور افتادو نہاد کے لحاظ سے بھی اپنے اسلاف کی آئینہ دار ہوتی ہے اور طبعی خصائل وشمائل اس کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ چنانچہ علوم جدیدہ نے تجزیہ اور تحقیق کے بعد بتایا کہ مرد اور عورت کے تخم کے امتزاج سے بننے والا خلیہ دار جسم اور اس کے ذرات لونیہ جن سے دوسرے خلیوں کی تخلیق ہوتی ہے، آباء واجداد کے طبعی خصائص واوصاف ساتھ لے کر آتے ہیں۔ ان خلیوں میں سے ہر خلیے کے اندر چھیالیس ہزار کروموسومز ہوتے ہیں جو اتنے چھوٹے ہیں کہ انہیں عام خوردبینوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس چھوٹے سے کروموسوم کے اندر تیس ہزار جینز ہوتے ہیں اور یہی جینز آبائی وخاندانی اثرات کو اولاد کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے شکم مادر ہی میں آبائی خدوخال کے ساتھ آبائی خصوصیات کے نقوش بھی ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں اور جب نومولود دنیا میں آتا ہے تو وہ نہ صرف جسمانی لحاظ سے، بلکہ ذہنی ساخت کے اعتبار سے بھی اپنے والدین اور اسلاف سے مشابہ ہوتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد اس کے ہاتھ پیر کی حرکتیں اسی ذہنی قوت کی تحریک کا نتیجہ ہوتی ہیں، جسے وہ ماں باپ سے ورثے میں لے کر آتا ہے۔

اسی توارث صفات کی بناء پر اگر کسی کے آباء واجداد مذموم وناپسندیدہ صفات کے حامل ہوتے ہیں تو اولاد بھی برے اثرات سے خالی نہیں رہ سکتی اور اگر کسی کے اسلاف بلند ملکات واعلیٰ صفات کے مالک ہوتے ہیں تو اولاد کی شخصیت کے تعمیری عناصر میں ان صفات کی اثر اندازی وکارفرمائی بھی ضروری ہے۔ لہٰذا کسی شخصیت کو پرکھنے اور جانچنے میں اسلاف کے صفات وخصائل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بلکہ انہی کے خصائص و صفات کی روشنی میں اس کے ذہنی وفکری رجحان کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور جس شخص کا آبائی سلسلہ اندھیرے میں ہو، اس کی فطری صلاحیت اور طبعی رجحان کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "**من لم یعرف النسب لم یعرف الناس**" جو نسب سے واقف نہیں ہے وہ انسان کے صحیح خدوخال نہیں پہچان سکتا۔

ہم نے یہ سب اس لیے بیان کیا کہ آگے چل کر ہم اس عظیم ہستی یعنی امیر المومنین حضرت مولائے کائنات علیؑ کی شخصیت اور ان کی نسبی وخاندانی رفعت وعظمت کو سمجھنے کے لیے ان کے ان عظیم آباء واجداد و اسلاف پر نظر ڈالیں گے، جنہوں نے اپنے عظیم کردار، صفات واعلیٰ خصائص سے دنیا کو حیران کر دیا اور جن کی پشتوں میں نسلاً بعد نسل یہ خصوصیات واعلیٰ صفات منتقل ہوتے رہے اور جو بتقاضائے بشری مولائے کائناتؑ کو ورثے میں ملے۔ اور ان کی عظیم شخصیت کی تعمیر میں ایک مناسب وسازگار عنصر کی حیثیت سے کارفرما ہے۔

مولائے کائنات ؑ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام
ابن ابوطالب علیہ السلام
ابن عبدالمطلب علیہ السلام
ابن ہاشم عمرو علیہ السلام
ابن عبد مناف ؑ
ابن قصیٰ
ابن کلاب
ابن مرہ
ابن کعب
ابن لوی
ابن غالب
ابن فہر
ابن مالک
ابن نضر
ابن کنانہ
ابن خزیمہ
ابن مدرکہ
ابن الیاس
ابن مضر
ابن نزار
ابن معد
ابن عدنان

تاریخ شاہد ہے کہ اس سلسلہ جلیلیہ کی تمام فردیں اپنے اپنے عہد میں دنیا کی بڑی عظیم ہستیاں تھیں اور ان میں کا ہر فرد اپنے اخلاقی آداب و طرز معاشرت میں ایک تہذیب خاص کا حامل مسلک ابراہیمی کا پیرو اصلاح و تجدید کا پیغامبر ذہنی و عملی انقلاب کا داعی اور بے داغ کردار کا مالک تھا۔ انہوں نے کفرستان عرب کی تاریکی و تیرگی میں دین حنیف کی شمعیں بلند رکھیں، وحشت، جہالت اور اخلاقی زبوں حالی کے دور میں اخلاق

اقدار کی حفاظت کی اور اپنے عمل و کردار سے عظمت انسانی کے نقوش روشن کیے۔ تہذیب و شائستگی کے فروغ، معاشرے کی اصلاح و ترقی اور عمرانی و اجتماعی عدل اور انسانی حقوق کے تحفظ کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دیا۔ شر و فساد کے عناصر کو کچلنے' انسانیت' اخوت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے ضمن میں بھرپور سعی کرتے رہے۔ تفرقہ بندیوں کو ختم کرنے کے لیے جماعتی تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ تجارت کو فروغ دے کر معاشی فلاح و بہبود کا سامان کیا۔ مظلوموں کی حمایت و حق رسی کا بیڑہ اٹھایا اور دور دراز سے آنے والے حاجیوں کی مہمان داری اور مسافروں اور بے نواؤں کی خدمت و اعانت کا ذمہ لیا۔ یہی وہ امتیازات تھے، جن کی وجہ سے عوام کے دلوں میں شایان شان مقام حاصل کیا اور غیر معمولی عظمت و توقیر سے دیکھے گئے۔ ہم ذیل میں ان عظیم اور تاریخ ساز ہستیوں کے مختصر حالات زندگی مختلف تاریخی کتب حوالے سے آپ کی نذر کر رہے ہیں، تا کہ ان کی بلند سیرتوں اور قابل فخر کارناموں پر روشنی پڑ سکے۔

عدنان ابن ادد:

آپ حضرت اسماعیلؑ کے فرزند قیدار کی اولاد میں نمایاں شخصیت تھے۔ قیدار کی اولاد حجاز ہی میں سکونت پزیر رہی اور آپ (عدنان) حجاز ہی میں پیدا ہوئے۔ بنی اسماعیل کے مشہور قبائل انہی کی نسل سے ہیں۔ اسی بنا پر انہیں آل عدنان اور آل مضر کہا جاتا ہے۔ آپ نہایت وجیہہ، خوش شکل اور بچپن ہی سے عمدہ و پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ ماتھے کی چمک اور چہرے کی تابنا کی اور تابندگی غمازی کرتی تھی کہ ان کی نسل سے ایک نور قدسی کا ظہور ہوگا جو اپنے رخ روشن کی ضیاؤں سے عالم کو منور و تاباں کرے گا۔ آپ اس دور کے باوقار و پر تمکنت سردار مشہور ترین شجاع اور تلوار کے دھنی اور میدان جنگ کے منفرد شہسوار تھے۔ اپنی شجاعت و دلیری کی وجہ سے ایک نمایاں مقام حاصل کیا اور عرب کی ریاست و سربراہی کے بلند عہدے پر فائز ہوئے بطحا' و یثرب کے باشندوں کے علاوہ صحرائی قبائل نے بھی ان کی ریاست و سیادت کو تسلیم کیا اور ان کے پرچم اقتدار کے نیچے جمع ہو گئے۔ آپ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی عظمت و توقیر کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک پردہ تیار کروایا اور اسے کعبہ پر آویزاں کرنے کا شرف حاصل کیا۔ بلاذری نے لکھا ہے:

"اول من کساء الکعبۃ عدنان" (۱) "عدنان نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا"

جب کلدانی فرماں روا بخت نصر بیت المقدس فتح کرنے کے بعد بلاد عرب کی طرف تخت و تاراج کے لیے بڑھا اور سرزمین حجاز پر حملہ آور ہوا تو آپ نے امکانی حد تک مقابلہ کیا مگر آپ کے ہمراہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ نے چند آدمیوں کے ساتھ مقدور بھر مقابلہ کیا، لیکن بے سود اور اس طرح آپ نے حجاز چھوڑنے میں ہی مصلحت سمجھی اور اپنے بیٹوں کو لے کر یمن چلے آئے اور

(۱) (انساب، ج۱، ص۱۵)

یہیں پر اقامت پزیر ہوئے۔اور یہیں پر وفات پائی۔آپ نے پسماندگان میں دس فرزند چھوڑے جن میں سب سے زیادہ نامور اور بلند مرتبت "معد" ہیں۔

معد ابن عدنان:

آپ کی والدۂ محترمہ کا نام مہدذ بنت اللھم تھا، جو قبیلہ بنی جرہم سے تھیں۔آپ اپنے والد کے ساتھ یمن میں ہی سکونت پزیر رہے اور وہیں پر تعلیم و تربیت پائی۔جب بخت نصر دنیا سے چل بسا اور عرب کی فضا پرسکون ہوئی تو قبائل عرب نے آپ کو حجاز واپس آنے کی دعوت دی اور ایک شخص کو آپ کو لینے کے لیے بھیجا آپ اس کے ہمراہ حجاز آ گئے اور ایک روایت کے مطابق کہ جب بخت نصر کے مرنے کے بعد فتنے اٹھے تھے تو آپ حجاز آ گئے اور عرب کی ریاست و سرداری کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔

یعقوبی نے لکھا ہے کہ اولاد اسماعیلؑ میں کوئی فرد عزت و شرف میں آپ سے بڑھ کر نہ تھا۔اپنی حق گوئی، راست بیانی اور خوش اطواری کی بدولت ایک بلند مقام حاصل کیا اور عرب میں انتہائی عزت و احترام سے دیکھے گئے۔آپ اپنے والد کی طرح شجاع، نبرد آزما اور فنون جنگ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔نہ کبھی دشمن کو پیٹھ دکھائی اور نہ کبھی شکست سے دوچار ہوئے بلکہ ہمیشہ حریف کے مقابلے میں فاتح و غالب رہے۔

"لم یحارب احدا الارج بالنصر و الظفر" (۱) "جس سے جنگ کی اس کے مقابلے میں فتح و کامرانی کے ساتھ پلٹے۔"

آپ نے سب سے پہلے اونٹوں پر کجاوہ رکھنے اور اسے تنگ سے باندھنے کا رواج دیا۔اور سرزمین حرم کے حدود پر پتھر نصب کر کے ہمیشہ کے لیے اس کی حد بندی کر دی۔آپ کے چار فرزند تھے۔قضاعہ، نزار، قنص اور ایاد۔قضاعہ بڑا بیٹا تھا اسی لیے آپ کی کنیت ابو قضاعہ قرار پائی۔ان چاروں میں "نزار" نے خصوصی شرف پایا۔

نزار ابن معد:

آپ کی والدہ کا نام معانہ بنت جوشم تھا، جو قبیلہ بنی جرہم سے تھیں۔نزار کی ولادت انتہائی مسرت و شادمانی کے جلو میں ہوئی۔کیونکہ "معد" آپ کی تابندہ و تابناک پیشانی دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ یہی بچہ حامل نور نبوت اور ورثہ دار امانت خلیلؑ ہے۔انہوں نے آپ کی ولادت کی خوشی میں ہزار اونٹ ذبح کر کے بڑے پیمانے پر قبائل عرب کی دعوت کی اور نومولود سے مخاطب ہو کر کہا: "لقد استقللت لک ھذا القربان و انه نزر قلیل" (۲) "تمہارے مرتبہ کو دیکھتے ہوئے اس قربانی کو کم سمجھتا ہوں اور یہ ہے بھی بہت کم۔" اور چوں کہ نزار

---

(۱) (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۴۳)

(۲) (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۴۸)

کے معنی تھوڑے اور کم کے ہیں اسی لیے آپ کا نام ''نزار'' پڑ گیا۔ آپ حسن وصورت' عقل ودانش کے اعتبار سے اپنی مثل ونظیر نہ رکھتے تھے۔ دیار بکری نے لکھا ہے۔ ''خرج اجمل اهل زمانه و اکثر هم عقلله ''(۱)

آپ اپنے دور میں حسن و جمال اور عقل و دانش میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔'' معد کے انتقال کے بعد قبائل عرب کی قیادت وسرداری انہی سے متعلق ہوئی اور آپ اپنے فرائض پوری ذمے داری سے ادا کرتے رہے۔ انہوں سب سے پہلے عربی تحریر کی ابتدا کی اور عربی رسم الخط ایجاد کیا۔ زندگی کے آخری ایام میں اپنے بیٹوں سمیت صحرا میں مقیم تھے۔ جب آپ نے موت کے آثار دیکھے تو وہاں سے مکہ میں چلے آئے اور وہیں انتقال کیا۔ صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ آپ مدینے کے قریب ''ذات الجیش'' میں دفن ہوئے، آپ نے چار فرزند چھوڑے ربیعہ' انمار' مضر اور ایاد ان میں مضر اس سلسلۂ جلیلہ کی ایک کڑی ہیں۔

مضر ابن نزار:

آپ کی والدہ کا نام سودہ بنت عک تھا۔ آپ ملت ابراہیمی سے وابستہ اور دین حنیف کے پیرو تھے اور دوسروں کو بھی دین حنیف کی پیروی کی تلقین کرتے تھے۔ اس دین حنیف سے وابستگی کے سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے۔'' انهما کا نادین ابراهیم ''(۲) ربیعہ اور مضر وہ دونوں دین ابراہیمؑ پر تھے۔'' '' لا تبسوا مضر خانه کان قد اسلم '' (۳) مضر کو برا نہ کہو وہ مسلمان تھے۔ مضر جود وکرم اور عقل وفہم میں یگانہ تھے اور ہر لحاظ سے اپنے بھائیوں میں یگانہ تھے۔ اگرچہ نزار کے چاروں بیٹے عقل و دانش اور فہم و فراست میں مانے ہوئے تھے۔ مگر مضر میں معاملہ فہمی' حقیقت شناسی اور مردم شناسی کا خصوصی جوہر تھا۔

اس فہم وفراست کے علاوہ آپ بڑے خوش گلو اور خوش آواز تھے یہاں تک کے حیوان بھی ان کی خوش آوازی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اونٹ پر سے گر پڑے جس سے ہاتھ پر بہت چوٹ آئی اور پرسوز لے میں زبان سے نکلا (یا یداه یا یداه) ہائے میرا ہاتھ ہائے میرا ہاتھ۔ اس آواز کو سن کر آس پاس کے چرنے والے اونٹ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ جب ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو اونٹ پر سوار ہونے کے بعد اپنی زبان کو نغمہ ریز رکھتے جس سے اونٹ جھومنے لگتا اور اسکے قدموں میں تیزی آ جاتی۔ اسی سے عرب میں حدی خوانی کا رواج ہوا اور اسے رجز کا نام دیا گیا۔ ان رجزیہ اشعار کے وزن اور اونٹ کی چال میں پوری مطابقت وہم آہنگی پائی جاتی ہے اور تیز رفتاری کی محرک ہوتی ہے اور بعض حدی خوانوں نے تو مضر کے الفاظ کو حدی کا جزو قرار دیا۔

---

(۱) (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۴۸)

(۲) (تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۲۲۶)

(۳) (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۸)

چنانچہ ایک حدی خوان کہتا ہے۔

یا ھا دیا یا ھادیا . یا یداہ یا یداہ

محمد بن عبداللہ الارزقی نے ''اخبار مکہ'' میں لکھا ہے کہ بنی جرہم کے بعد آپ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر نو کی ہدایت کے سلسلے میں اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ''جو شر کا بیج بوتا ہے وہ ندامت و شرمندگی سمیٹتا ہے۔ عمدہ بھلائی وہ ہے جو فوراً ہو۔ اپنے نفسوں کو ان ناگوار چیزوں پر ابھارو جو تمہاری اصلاح و درستی کریں اور پسندیدہ چیزوں سے روکو جو خرابی کا باعث ہوں۔ اس لیے کہ صبر اور ضبط نفس ہی وہ چیز ہے جو اصلاح اور فساد کے درمیان حد فاصل ہے'' آپ کے دو فرزند تھے ایک عیلان اور دوسرا الیاس ان دونوں میں الیاس دین حنیف کی طرف زیادہ مائل تھے۔

الیاس ابن مضر:

آپ کا اصل نام حبیب تھا اور جب پیدا ہوئے تو مضر پر ضعیفی و یاس کا عالم طاری تھا۔ اسی بنا پر آپ کا نام الیاس ہو گیا۔ آپ کی والدہ کا نام رباب بنت حیدہ تھا۔ مضر کے بعد قبائل عرب کے رئیس و سردار قرار پائے اور کبیر القوم اور سید العشیرہ کے لقب سے یاد کیے گئے۔ ان کی زندگی پر ملت ابراہیمی کا گہرا سایہ تھا اور ایک ایک عمل دین حنیف کا آئینہ دار تھا۔

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے ان کے ایمان کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا: '' **لا تسبو الیاس فانہ کان مومنا** ''(۱) (الیاس کو برا نہ کہو اس لیے کہ وہ مومن تھے اور صاحب ایمان تھے) اپنے حسن خدمات کے نتیجہ میں جتنی توقیر و عظمت و شہرت انہوں نے حاصل کی اس کی مثال اس دور میں کہیں نظر نہیں آتی۔

دیار بکری نے تحریر کیا ہے۔ '' **لم تزل العرب تعظم الیاس ابن مضر تعظیم اھل الحکمتہ کالقمان و اشبا ھہ** '' (۲) ''اہل عرب الیاس ابن مضر کی اس طرح تعظیم کرتے تھے جس طرح لقمان اور ان کے پائے کے دوسرے حکماء اور دوسرے دانشمندوں کی''

قبائل عرب ان کی سوجھ بوجھ اور اصابت رائے پر مکمل اعتماد رکھتے تھے اور قبائلی معاملات اور دوسرے نزاعی امور انہی کی صوابدید سے طے ہوتے تھے۔ ان کی زندگی کا درخشاں کارنامہ یہ ہے کہ اس تاریک دور میں جبکہ دین ابراہیمی میں سے جو آثار رہ گئے تھے وہ مٹتے جا رہے تھے اور ختم ہوتے جا رہے تھے نظر و فکر کی روشنی پیدا کی اور اپنے آباء و اجداد کے طریق و مسلک کا کھوج نکالا اور اس میں جو تغیر و تبدل ہو چکا تھا اسے مٹایا اور ملت ابراہیمی کے تحفظ کا فریضہ ادا کیا۔ یعقوبی نے تحریر کیا ہے۔

---

(۱) (سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۷)

(۲) (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۴۹)

"کان اول من انکر علیٰ بنی اسمٰعیل ما غیر و امن سنن آباً ھم و ظھرت منه امور جمیلة حتیٰ رضوا به رضا لم یر ضوه با حد من ولد اسمٰعیل بعد اؤد فرد ھم الیٰ سنن آباءً ھم حتیٰ رجعت السنة نامة علیٰ اولھا" (۱)

"الیاس پہلا فرد ہے، جس نے بنی اسماعیل کی اس روش پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے سنت آبائی کو بدل ڈالا ہے اور الیاس نے ایسے اچھے اچھے کام انجام دیے کہ تمام لوگ اتنا خوش ہوئے کہ ادد کے بعد اولاد اسماعیل میں کسی سے اتنا خوش نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے اولاد اسماعیل کو آبائی سنت کی طرف پلٹایا یہاں تک کہ تمام سنن اور احکام سابقہ شکل وصورت میں عود کر آئے۔" الیاس مرض سل میں مبتلا تھے، ان کی اہلیہ لیلیٰ بنت حلوان نے جو خندف کے لقب سے مشہور تھیں، یہ قسم کھائی کہ اگر الیاس کو اس مرض سے شفا نہ ہوئی اور وہ وفات پا گئے تو اپنی بیوگی کا زمانہ جنگلوں اور صحراؤں میں گزاریں گی اور کسی چھت کے سائے میں نہیں بیٹھیں گی۔ جب الیاس اس مرض سے شفایاب نہ ہوئے اور انتقال کر گئے تو لیلیٰ بنت حلوان جنگلوں اور صحراؤں میں نکل گئیں اور وہیں رونے دھونے میں اپنا رنڈاپا کاٹا اور اسی غم واندوہ میں انتقال کر گئیں۔

الیاس نے اپنے بعد تین فرزند چھوڑے عمرو، عامر، عمیر۔ یہ تینوں بالترتیب مدرکہ، طابخہ اور قمعہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ الیاس کے بیٹے اور ان کی طرف منسوب ہونے والے قبائل بنی خندف کہلاتے ہیں۔

مدرکہ ابن الیاس:

ان کا اصل نام عمرو اور کنیت ابوالہذیل تھی اور والدہ کا نام لیلیٰ بنت حلوان قضاعیہ تھا۔ مدرکہ کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد الیاس بال بچوں کو لے کر صحرا کی طرف نکل گئے جب وہاں منزل کی تو اونٹوں کی، قطار میں ایک خرگوش گھس آیا اور اونٹ بدکنے لگے۔ عمرو نے اس خرگوش کا پیچھا کیا اور اس کو پالیا اس لیے آپ کا نام "مدرکہ" پالینے والا رکھ دیا گیا اور ایک قول کے مطابق یہ بھی ہے کہ یہ نام اس بنا پر تجویز ہوا کہ انہوں نے اپنے اجداد کے تمام محاسن وکمالات کو پالیا تھا۔

چنانچہ دیار بکری لکھتے ہیں: "انما سمی مدرکة لانه ادرک کلمه عز کان فی آبائه" ان کا نام مدرکہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے تمام عزوشرف کو حاصل کر لیا تھا۔" آپ نے اپنے بعد دو فرزند چھوڑے ہذیل اور خزیمہ۔

خزیمہ ابن مدرکہ:

ان کی کنیت ابوالاسد اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت اسلم قضاعیہ تھا۔ دین حنیف کی پابندی اس سلسلۂ عالیہ کا شعار تھا۔ آپ بھی اپنے آباء واجداد کی طرح مسلک ابراہیمی پر گامزن رہے۔ عرب میں قبائلی حکومت کا

---

(۱) (تاریخ یعقوبی)

رواج تھا اور پشتوں سے یہ حکومت اس خاندان میں چلی آرہی تھی۔ آپ بھی قبائل عرب کی سرداری وسربراہی کے منصب پر فائز ہوئے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ آپ عرب کے فرمانرواؤں میں ایک ممتاز فرمانروا اور بزرگی و فضیلت کے جوہر سے آراستہ تھے۔ عرب ان کے کمال فضیلت کے معترف اور ان کی رفعت وسربلندی کے سامنے سرنگوں تھے۔ آپ کے تین فرزند تھے اسد، ہون اور کنانہ

کنانہ ابن خزیمہ:

آپ کی کنیت ابونصر اور والدہ کا نام عوامہ بنت سعد تھا۔ خزیمہ کے بعد قبائل عرب کے سربراہ اور سردار بنے۔ اس سرداری وریاست کے محاسن ومکارم میں بھی اپنی مثل آپ تھے اور اتنی خوبیوں کے مالک تھے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ عرب ان کے علم وفضل اور جود وسخا کی وجہ سے انہیں انتہائی عزت واحترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کی رفعت وسربلندی کا اعتراف کرتے تھے۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے:

" کان شیخا حسنا عظیم القدر تج الیه العرب لعلمه و فضله " (۱) کنانہ بلند کردار وبلند منزلت بزرگ تھے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے مرجع عرب تھے۔ مورخین نے ان کی جود وکرم کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے تھے، بلکہ کسی نہ کسی کو مہمان بناتے اور اس کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے اور اگر کوئی ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تو ایک لقمہ خود لیتے اور ایک کسی پتھر کو مہمان تصور کرکے اس کے آگے ڈال دیتے اور یوں بقول شاعر " و للارض من کاس الکرام نصیب " اپنے تقاضائے کرم کو پورا کرتے۔ ان کی حکیمانہ کلمات میں سے چند کلمے یہ ہیں۔ " رب صورۃ مخالف المخبرۃ و قد غرت بجمالها و اختر قبح فعالها و احذر الصور و اطلب الخبر " (۲) "بہت سی صورتیں اپنے ظاہری جمال سے فریب دیتی ہیں حالانکہ ان کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ۔ برے افعال کو جانچو، ظاہری صورت پر نہ جاؤ اور سیرت پر نظر رکھو۔" آپ کی کئی اولادیں تھیں جن میں سے نضر نبوت کے نور کے حامل و امین قرار پائے۔

نضر ابن کنانہ :

آپ کا اصل نام تو قیس تھا، مگر حسن وجمال اور چہرے کی رونق وشادابی کی وجہ سے نضر (خوشرو) کے نام سے مشہور ہوئے۔ کنیت ابویخلد اور والدہ کا نام مرہ بنت مر تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ پہلے پہل انہی کا لقب قریش قرار پایا اور آپ کی ہی نسل جو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم ہوئی، "قریش" کہلائی، انہیں قریش کے لقب سے یاد کیے جانے کی چند اور بھی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے آپ کے قبیلے وخاندان کے

---

(۱) (سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۶)

(۲) (سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۴)

لوگ صبح وشام آپ کے دسترخوان پر جمع ہوتے تھے، اس اجتماع کی وجہ سے آپ کا لقب ''قریش'' ہوا۔ اس لیے تقرش کے معنی یکجا ہونے کے ہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ آپ فقراء ومساکین کی ضروریات کا ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھوج لگاتے اور پھران کو پورا کرتے تھے اس لیے آپ کو قریش کے لقب سے یاد کرتے تھے، کیونکہ تقرش کے ایک معنی تلاش وتفحص کے بھی ہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کشتی پر سوار ہوکر کہیں جارہے تھے کہ آپ نے اور سب ساتھیوں نے ایک بہت بڑے دریائی جانور کو دیکھا جسے قریش کہتے تھے، اس کو آپ نے تلوار سے مارڈالا اور اٹھا کر لے آئے اور کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر رکھ دیا جو اسے دیکھتا حیرت سے کہتا ''قتل النضر قریشا'' نضر نے قریش کو مارڈالا اس بنا پر خود انہی کا نام قریش پڑ گیا۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے۔'' و قریش ھی التی تسکین البحر // بھا سمیت قریش قریشا''

قریش ایک حیوان تھا جو سمندر میں رہتا ہے اور اسی کی وجہ سے قریش کا نام قریش ہوا۔

نضر نے حکومت وریاست پر فائز ہونے کے بعد اخلاقی اور معاشی اصلاح پر توجہ دی۔ بے راہ روی پر کڑی نظر رکھی ظلم واستبداد کو مٹایا اور عظمت وبزرگی میں بڑا نام پیدا کیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قتل پر سو اونٹوں کی دیت کا نفاذ انہی نے کیا تھا۔ آپ کے دو فرزند تھے مالک اور یخلا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک اور فرزند بھی تھا اور اس کا نام صلت تھا۔

مالک ابن نضر:

آپ کی کنیت ابوالحارث اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان تھا۔ بعض مورخین نے ماں کا نام عکرشہ لکھا ہے۔ اور بعض نے وضاحت کی ہے کہ نام عاتکہ تھا اور لقب عکرشہ تھا۔ آپ اپنے والد نضر کے بعد عرب کے بااثر اور ممتاز حکمران تسلیم کیے گئے۔ دیار بکری نے لکھا ہے:'' انما سمی مالکا لانہ ملک العرب'' (۱) آپ کا نام مالک اس لیے پڑا کہ آپ اقتدار عرب کے مالک تھے'' آپ دین ابراہیمی کے پیرو اور اپنے اسلاف کی راہ پر گامزن تھے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ حارث' فہر اور مشیبان۔

فہر ابن مالک:

آپ کی کنیت ابوغالب اور والدہ کا نام جندلہ بنت حارث جرہمیہ تھا۔ بعض مورخین کے نزدیک فہر لقب تھا اور اصل نام قریش تھا اور انہی پر سلسلۂ قریش منتہی ہوتا ہے اور انہی کی اولاد قریش ہے۔ ابن عبدربہ نے تحریر کیا ہے: ''اما قبائل قریش فانما تنتھی الی فہر ابن مالک لاتتجاوزہ'' قبائل قریش فہر ابن مالک پر منتہی ہوتے ہیں اور ان سے آگے نہیں بڑھتے۔

آپ فضل وکمال کے جوہر سے آراستہ تھے اور اپنے والد کی زندگی میں اپنی عظیم شخصیت کی تعمیر

---

(۱) (تاریخ خمیس، ج ا، ص ۱۵۲)

کر چکے تھے۔ والد کی رحلت کے بعد ان کے قائم مقام قرار پائے اور عرب کی ریاست و امارت پر فائز ہوئے۔ علم و فضیلت میں نام پیدا کیا، شجاعت و بسالت میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ انہی کے دور میں حاکم یمن حسان ابن عبد کلال حمیریوں اور یمنیوں پر مشتمل ایک لشکر گراں لے کر مکے پر حملہ آور ہوا تاکہ خانۂ کعبہ کو مسمار کر کے اس کے پتھر یمن منتقل کر دے اور وہیں پر خانۂ کعبہ تعمیر کرے اور وہیں پر ادائے حج کا مقام قرار دے۔ جب فہر کو یمنی لشکر کے ارادوں کا علم ہوا تو انہوں نے قبائل عرب کو جمع کر کے ایک بڑا لشکر ترتیب دیا اور حسان کا مقابلہ کیا اور دونوں لشکروں میں بڑی جنگ ہوئی اس جنگ میں فہر کا بیٹا حارثہ بھی کام آ گیا۔ آخر یمنیوں کو شکست فاش ہوئی اور حسان گرفتار ہوا اور جیل میں ڈال دیا گیا اور تین سال قید و بند میں رہ کر فدیہ دے کر آزاد ہوا اور یمن جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا اور اس طرح قدرت نے دشمن خانۂ کعبہ کو تباہ و برباد کر دیا اور نگہبان کعبہ کی سطوت اور ہیبت کا سکہ دلوں پر جما دیا۔ فہر کے حکیمانہ کلمات میں سے ایک کلمہ یہ ہے جو اپنے فرزند غالب کو درس قناعت دیتے ہوئے فرمایا: " قليل ما في يديك اغنى لك من كثير اخلق و جهك و ان صار لك اليك" (۱) " تمہارے ہاتھوں میں جو تھوڑا سا مال ہے وہ اس مال فراواں سے کہیں بہتر ہے، جس سے تمہاری آبرو میں فرق آئے۔" فہر کی چار اولادیں تھیں غالب، محارب، حارث اور اسد۔

غالب ابن فہر:

آپ کی کنیت ابو تیم اور والدہ کا نام لیلیٰ بنت حارث تھا۔ اپنے والد فہر کے انتقال کے بعد قبائل عرب کی حکومت پر فائز ہوئے اور شرف و عزت کے اعتبار سے اس قدر بلند مقام حاصل کیا کہ آسمان عز و جاہ کے نیر تاباں بن گئے۔ آپ کے دو بیٹے تیم اور لوی تھے۔

لوی ابن غالب:

لوی لائی کی تصغیر ہے، جس کے معنی نور و درخشندگی کے ہیں، آپ کی کنیت ابو کعب اور والدہ کا نام عاتکہ بنت یخلد تھا اپنے والد کے بعد قبائل عرب کے سربراہ منتخب ہوئے اور فضل و کمال میں نمایاں امتیاز و عزت و شرف میں بلند مقام حاصل کیا۔ حرم کے باہر ایک کنواں کھودا جو ایسیرہ کے نام سے موسوم تھا، اس سے مقامی لوگ سیراب ہوتے تھے۔ آپ کے چار بیٹے تھے کعب، عامر، سامہ اور عوف۔

کعب ابن لوی:

آپ کی کنیت ابو ہصیص اور والدہ کا نام ماویہ بنت کعب خزاعیہ تھا۔ آپ کے اخلاق و اطوار پاکیزہ اور کردار انتہائی بلند تھا۔ مظلوموں کی دادرسی کرتے، کمزوروں اور مصیبت زدوں کی دستگیری فرماتے۔ عرب کے مسلم الثبوت سردار قریش کی عظمتوں کے مرکز اور اپنے خانوادے میں سب سے بڑھ کر ذی شرف و بلند

---

(۱) (سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۴)

مرتبت تھے۔ان کی عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ ان کی وفات سے سن کا اجراء ہوا، جو عام الفیل تک باقی رہا اور عرب سن کا اجراء کسی عظیم شخصیت کے اٹھ جانے یا کسی غیر معمولی حادثے کے رونما ہونے سے کرتے تھے۔ یہ سن ۵۲۰ برس تک رائج رہا اور یہ ہی آپ کی وفات اور واقعۂ فیل کا درمیانی عرصہ ہے۔ آپ سے قبل روز جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے آپ نے عروبہ کا نام جمعہ تجویز کیا اور اس میں اجتماعات کی بنیاد ڈالی۔ان اجتماعات میں خطبے دیتے اور خطبہ میں "اما بعد" سب سے پہلے آپ نے ہی استعمال کیا البتہ خطوط و مکاتب میں "قیس ابن ساعدہ ایادی" نے اسے لکھنا شروع کیا۔

بہر حال آپ اپنے دور کے ایک سحر بیان خطیب تھے۔ جمعہ کے خطبوں کے علاوہ ایام حج میں اطراف و جوانب سے لوگ سمٹ کر مکے میں جمع ہوتے تھے۔آپ کے خطبات فضائے بطحا میں گونجا کرتے تھے۔ان خطبوں میں وفائے عہد صلۂ رحم حسن سلوک اور بیت اللہ کی تعظیم وتکریم کی تلقین کرتے اور پیغمبر آخر الزماںؐ کی آمد کی نوید سناتے۔چنانچہ ایک خطبہ میں فرمایا :" صلوا ارحامکم و احفظوا اصحارکم و ا وفو بعهد کم و ثمرو اموالکم واعظموا هذا الحرام و تمسکو به نبأ و یبعث منه خاتم الاالبیأ بذالک جأ موسیٰؑ و عیسیٰؑ " (۱) "صلۂ رحمی کرو نسبی قرابتوں کا لحاظ رکھو وعدہ پورا کرو اور اپنے مال کو (تجارت سے بڑھاؤ) اس لیے کہ مال ہی سے مروت وحسن وسلوک کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ جہاں مال صرف کرنے کی ضرورت ہو وہاں صرف کرنے میں دریغ نہ کرو۔اس حرم کی عظمت کو پہچانو اس سے وابستہ رہو۔عنقریب اسی مقام سے ایک عظیم خبر ظاہر ہوگی اور اسی مقام سے خاتم الانبیاءؐ مبعوث ہوں گے اور یہ ہی خبر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ لے کر آئے تھے۔" آپ کے تین فرزند تھے مرہ' عدی' مصیص۔

مرہ ابن کعب:

آپ کی کنیت ابو یقظہ اور والدہ کا نام مخشیہ بنت شیبان تھا، عرب کے بلند پایہ سردار اور نامور قائد تھے۔ آپ نے عرفہ کے قریب ایک کنواں کھدوایا جسے الروا کہا جاتا تھا اور اہل مکہ اور ادھر سے گزرنے والے اس سے سیراب ہوتے تھے۔آپ کے تین فرزند تھے۔کلاب' یقظہ اور تیم۔

کلاب ابن مرہ:

آپ کا اصلی نام حکیم کنیت ابوزہرہ اور والدہ کا نام ہند بنت سریر تھا۔کلاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ اکثر کلاب "کتوں" کے ساتھ شکار کھیلا کرتے تھے۔قبائل عرب میں ان کی شخصیت بڑی بلند اور اہم تھی۔آبائی شرف کے ساتھ مادری نسبت سے بھی شرف و امتیاز رکھتے تھے۔فہم وفراست واصابت رائے میں مشہور تھے۔ عرب اپنے اختلافات مٹانے کے لیے انہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور انہی کے مشوروں پر عمل کرتے

---

(۱) (انساب الاشراف، ج ۱،ص ۴۱)

آپ نے رفاہ عامہ کے لیے مکے کے باہر تین کنوئیں خم، رم اور حفر کھودے، آپ کے دو فرزند تھے۔ زہرہ اور قصیٰ۔

قصیٰ ابن کلاب:

آپ کا اصلی نام زید کنیت ابو مغیرہ اور والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد تھا۔ کلاب ابن مرہ کی وفات کے بعد فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ ابن حرام عزری سے عقد ثانی کر لیا تھا اور ان کے ہمراہ بنی عذرہ کی بستیوں کی طرف چلی گئی تھیں۔ کلاب کا بڑا بیٹا زہرہ جوان تھا وہ مکہ ہی میں رہا اور قصیٰ کم سن ہونے کی وجہ سے اپنی والدہ کے ساتھ چلا گیا اور اپنے افراد خاندان سے جدا اور مکہ سے دور ہونے باعث اسی نام سے شہرت حاصل کی۔ قصیٰ بنی عذرہ ہی میں پلے بڑھے اور اسی قبیلے کے ایک فرد شمار ہوتے رہے۔

ایک دن اتفاق سے بنی عذرہ کی ایک شخصیت سے تنازعہ پیدا ہو گیا اور اس نے طنزاً کہا کہ تم ہمارے قبیلہ میں آ شامل ہوئے ورنہ اس قبیلہ بنی عذرہ سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بات قصیٰ کو ناگوار گزری اور انہوں نے کہا کہ پھر میرا کون سا قبیلہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ جاؤ اپنی ماں سے پوچھو۔ قصیٰ کبیدہ خاطر ہو کر اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان سے یہ ماجرہ بیان کیا۔ اور اپنی شناخت، قوم و قبیلہ اور حسب نسب کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا: "**یا بنی انت اکرم منه نفسا و رباء انت ابن کلاب ابن مرة و قومک بمکة عند البیت الحرام**"(۱)

"اے بیٹے تم ذاتی جوہر کے لحاظ سے اور باپ کے اعتبار سے اس عذری قبیلے سے کہیں زیادہ شریف تر اور باوقار ہو، تم کلاب ابن مرہ کے بیٹے ہو اور تمہارا قبیلہ مکے میں خانۂ کعبہ کے پاس آباد ہے۔"

قصیٰ کو جب معلوم ہوا کہ ان کا آبائی وطن مکہ ہے تو انہوں نے وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ فاطمہ بنت سعد نے کہا کہ وہ تمہیں روکنا نہیں چاہتی، بلکہ تم کو وہاں جانا ہی چاہیے۔ وہیں تمہارے بھائی بند اور خاندان کے لوگ آباد ہیں لیکن کچھ دن انتظار کرو جب بنی قضاعیہ کا قافلہ حج کے لیے روانہ ہو گا تو تم کو ان کے ہمراہ بھیج دیا جائے گا۔ حج کا زمانہ قریب آیا تو قصیٰ اپنے سوتیلے بھائی زراج ابن ربیعہ کے ہمراہ مکہ آ گئے۔ اور اپنے بھائی زہرہ ابن کلاب کے ہاں مقیم ہوئے۔ اس وقت مکہ بنی خزاعہ کے زیر اقتدار تھا اور حلیل ابن حبشیہ خزاعی مسند فرمانروائی پر متمکن تھا۔ قصیٰ نے مکہ میں قیام کرنے کے بعد حلیل سے اس کی بیٹی حبی سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حلیل ان کی ذاتی و خاندانی شرافت سے تو متاثر تھا ہی فوراً رشتہ قبول کر لیا اور مراسم نکاح کے بعد اپنی بیٹی حبی کو رخصت کر دیا۔ حبی کے بطن سے قصیٰ کے چار فرزند پیدا ہوئے جو عبد المناف، عبد العزیٰ، عبد القصیٰ، عبد الدار کے ناموں سے معروف ہوئے۔ جب یہ بچے جوان ہوئے تو حلیل نے کہا کہ قصیٰ کے بیٹے میرے بیٹی کے

---

(۱) (تاریخ کامل، ج ۲، ص ۱۱)

بیٹے ہیں لہذا آئندہ وہی مکے کے حکمران اور خانۂ کعبہ کے متولی ہوں گے۔ چنانچہ قصیٰ کو اپنا وصی قرار دیا:

" فا ومی بولایة البیت و القیام با مر مکة الیٰ قصیٰ وقال انت احق به "(۱) " حلیل نے وصیت کی کہ خانۂ کعبہ کی تولیت اور مکے کی امارت قصیٰ سے متعلق ہوگی اور ان سے کہا کہ تم ہی اس کے حقدار ہو"

تاریخ میں یہ بھی درج ہے کہ جب حلیل کا وقت آخر آیا تو اس نے وصیت کی کہ خانۂ کعبہ کی تولیت اس کی بیٹی جسی سے متعلق ہوگی اور ابوغبشان الملکانی اس منصب میں اس کا شریک ہوگا۔ چنانچہ خانۂ کعبہ کا دروازہ ایک دن ابوغبشان اور ایک دن جسی کی طرف سے قصیٰ کھولتے۔ جب اس طریقہ کار کو کافی عرصہ گزر گیا تو قصیٰ نے جسی سے یعنی اپنی بیوی سے کہا کہ تولیت کعبہ کی صحیح حقدار اولاد اسماعیلؑ ہے۔ لہذا یہ منصب اولاد اسماعیلؑ ہی میں رہے اور میرے بیٹے عبدالدار کے حوالے رہے۔ جسی نے کہا کہ ٹھیک ہے، وہ میرا بیٹا ہے لیکن اس منصب میں ابوغبشان برابر کا شریک ہے اور اس کا رضامند ہونا مشکل ہے۔ قصیٰ نے کہا کہ اس کا رضامند ہونا یا نہ ہونا مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ جب جسی اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہوگئیں تو قصیٰ نے طائف کا رخ کیا، جہاں ابوغبشان ٹھہرا ہوا تھا۔ طائف پہنچنے کے بعد ایک رات اس کے پاس گئے، دیکھا کہ محفل شراب کا انعقاد کیا گیا ہے اور ناؤ نوش جاری ہے۔ آپ نے اسے جھنجھوڑا اور تولیت کعبہ کے بارے میں اس سے بات چیت کی۔ اور کچھ مول تول کے بعد ایک اونٹنی اور ایک مشکیزہ شراب کے عوض خانۂ کعبہ کی تولیت اس سے خریدی۔ جب ابوغبشان نشے سے ہوش میں آیا تو اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا خانۂ کعبہ کی تولیت اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ قصیٰ کامیاب واپس آئے اور بھرے مجمع میں خانۂ کعبہ کی چابی اپنے بیٹے عبدالدار کے حوالے کردی۔ جب بنی خزاعہ و بنی بکر نے دیکھا کہ ابوغبشان کی حماقت اور بدمستی کے نتیجہ میں خانۂ کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی، اور قصیٰ اپنی ذہانت سے کامیاب ہوگئے تو وہ تولیت کعبہ کی واپسی پر مصر ہوئے اور لڑنے مرنے پر اتر آئے۔ قصیٰ بھی کچھ کم نہیں تھے اور قریش اور بنی کنانہ تو ان کے ساتھ تھے ہی زراج ابن ربیعہ اور اس کے بھائی بھی بنی قضاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ جب کافی لوگ مر گئے تو دونوں طرف سے یعمر ابن عوف کو ثالث مقرر کیا گیا اور اس نے تاریخی فیصلہ دیا۔ "خانۂ کعبہ تولیت اور مکے کی امارت پر قصیٰ کا حق فائق ہے اور ان کے جو آدمی مارے گئے ان کا خون بہا دیا جائے اور دوسرے یعنی بنی خزاعہ اور بنی بکر کے جو لوگ مارے گئے ان کا خون رائیگاں تصور کیا جائے گا اور اس طرح قصیٰ بلاشرکت غیرے حرم کے عہدوں پر فائز ہوگئے اور مکہ کے خود مختار حکمران تسلیم کیے گئے۔

---

(۱) (طبقات، ج ۱، ص ۶۸)

ابن اسحاق کہتے ہیں:" ولی قصیٰ البیت و امر مکة و جمع قومه من منازلهم الیٰ مکة و تملک علیٰ قومه و هل المکة فلمکوه فکان اول بنی کعب احساب ملکا اطاع لهر به قومه فکانت الیبه الحجابته و السقایه ولر فادته والندوة واللواد فحاز مشرف مکة کلنه"

''قصیٰ خانہ کعبہ کے متولی اور حکمران ہوئے۔ انہوں نے اپنی قوم و قبیلے کو مختلف جگہوں سے مکے میں جمع کیا اور اپنی قوم اور مکے والوں پر اقتدار حاصل کیا اور سب نے اس کے اقتدار کو تسلیم کیا۔ کعب کی اولاد میں قصیٰ پہلے حکمران ہیں، جن کے سامنے ان کی قوم نے سر تسلیم خم کیا۔ کلید داری، حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانے کی خدمت مجلس کی صدارت اور لشکر کی علمبرداری ان سے متعلق ہوئی۔ غرض وہ سارے عہدے حاصل کیے، جو مکے میں شرف و امتیاز کا باعث تھے۔''

آپ نے اپنی متحرک و باعمل زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے، چنانچہ خانہ کعبہ کی عمارت کی از سر نو تعمیر کرائی اور اس پر کھجور کی لکڑیوں کی چھت ڈلوائی۔ عرفات و منیٰ کے درمیان ایک عمارت تعمیر کی اور اسے مشعر الحرام کے نام سے موسوم کیا۔ ایام حج میں اس پر چراغ جلائے جاتے تھے تاکہ حجاج کو وہاں تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ ابن عبدربہ نے تحریر کیا ہے:

" هو الذی بنی المشعر الحرام کان یسرج علیه ایام الحج " (۱) قصیٰ نے مشعر الحرام تعمیر کروایا جس پر حج کے دوران چراغ جلائے جاتے تھے۔ مزدلفہ میں رات کے وقت آگ جلانے کا انتظام کیا تاکہ عرفات سے آنے والے حاجی منزل سے بھٹکنے نہ پائیں۔ آپ سے پہلے حدود مکہ میں مکانات تعمیر نہیں کیے جاتے تھے، بلکہ لوگ جھونپڑیاں بنا کر رہتے تھے۔ قصیٰ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کے قریب ایک گھر تعمیر کروایا، جس کا دروازہ خانہ کعبہ کی طرف کھلتا تھا یہ گھر ''دارالندوہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

یعقوبی نے لکھا ہے:"بنی داره بمکة وهی اول دارالبیت بمکة وهی دار لندوة"(۲)

''قصیٰ نے اپنا گھر مکے میں تعمیر کیا یہ پہلا گھر تھا، جو مکے میں تعمیر ہوا اور ''دارالندوہ'' کہلایا۔

قریش اس گھر کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور تبرکاً شادی بیاہ کی رسوم اسی گھر میں انجام دیتے تھے۔ ان تعمیری یادگاروں کے علاوہ ان کے کلمات کو بھی سرمایہ حکمت و دانش سمجھ کر محفوظ رکھا گیا۔ یہ کلمات صرف دوسروں کو ہی روشنی نہیں دکھاتے، بلکہ ان کے آئینے میں خود آپ کے اخلاق و عادات اور طرز زندگی کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

---

(۱) (عقد الفرید، ص ۲۰۹)

(۲) (تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۲۳۹)

آپ کے حکیمانہ کلمات میں سے چند درج ذیل ہیں:" من اشرک لیئما اشرکہ فی لؤمہ ومن استحسن قبیحا نزل الی قبیحہ و من لم تصلحہ الکراھتہ اصلحہ الھوان ومن طلب فوق قدرۃ استحق الحرمان و الحسود العد والخفی"(۱) "جو کسی ذلیل و کمینے آدمی کا ہمنوا ہوگا وہ اس کے کمینے پن میں شریک ہوگا۔ جو برائی کو اچھی نظروں سے دیکھے گا وہ برائی میں مبتلا ہوگا، جس کی احترام و اکرام سے اصلاح نہ ہو، اس کی درستی تذلیل و تحقیر سے ہی ہوگی۔ جو اپنی حیثیت سے زیادہ کا طلبگار رہتا ہے، وہ محرومی کا حق دار قرار پاتا ہے۔ حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔" زندگی کے آخری لمحوں میں اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: " اجتبو الخمرۃ فانھا تولح الابدان و تضسد الازھان"(۲)" شراب سے پرہیز کرنا اگرچہ اس سے جسموں کی اصلاح ہوتی ہے مگر عقل و شعور کو تباہ کر دیتی ہے"

آپ نے سن ۴۸۰ء میں مکہ مکرمے میں وفات پائی اور کوہ حجون کے دامن میں دفن ہوئے۔ عرب نے اپنے محبوب فرماں روا اور عظیم محسن کا بڑا سوگ منایا اور ان کی قبر کی زیارت کر کے اظہار عقیدت کرتے۔ (بلاذری نے لکھا ہے)" لماصات دفن بالحجون فکانو ا یزورون قبر و یعظمونہ"(۳)

عبد مناف ابن قصیٰ:

آپ کا اصل نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس تھی۔ حسن صورت کی وجہ سے قمر البطحا' جود و سخا کی وجہ سے فیاض اور عظمت و شرف کے لحاظ سے السید کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ کی کلید داری کے عہدے پر اگرچہ قصیٰ کا بڑا بیٹا عبد الدار فائز تھا، مگر قریش کی سربراہی عبد مناف کے نام ہوئی، بلکہ وہ اپنے حسن عمل اور بلند اخلاق کی بدولت اپنے والد قصیٰ کی زندگی ہی میں قومی قیادت کے منصب پر فائز ہوئے اور سیادت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ دیار بکری نے لکھا ہے:" ساد عبد مناف فی حیاۃ ابیہ و کان مکا عا فی قریش"(۴) "عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں امارت پر فائز ہو چکے تھے اور قریش میں ان کا ہر حکم مانا جاتا تھا"

آپ اپنے نامور باپ کے طور طریقوں پر گامزن رہے اور ان کے قائم کردہ رفاہی اداروں کو باقی و برقرار رکھا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل۔ ہاشم اور مطلب کو" البدران" یعنی دو چاند کہا جاتا تھا۔

---

(۱) (سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳)

(۲) (سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳)

(۳) (انساب الاشراف، ج ۱، ص ۱۵۲)

(۴) (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۵۶)

فصل چہارم

خاندانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وامامت علیہم السلام
(حضرت ہاشم عمرو بن عبد مناف
سے لے کر شمسِ امامت تک)

ہاشم ابن عبد مناف

آپ کا اصل نام عمرو تھا اور اعلیٰ مرتبت کی وجہ سے عمرو العلاء کہا جاتا تھا۔ کنیت ابونفلہ، لقب سید البطحا اور ابوالبطحا تھا اور والدہ کا اسم گرامی عاتکہ تھا۔ نام اور کنیت کی بجائے ہاشم کے لقب سے متعارف اور مشہور و معروف ہوئے۔ اس لقب سے یاد کیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ قحط سالی کے دنوں میں بڑی تعداد میں روٹیاں پکوائیں اور انہیں اونٹوں پر لاد کر شام سے مکہ لائے ان اونٹوں کو نحر کیا اور روٹیاں توڑ کر شوربے کے بڑے بڑے پیالوں میں بھگوئیں اور اہل مکہ اور کے میں آنے والوں کو پیٹ بھر کر کھلائیں۔ اس وقت سے ''ہاشم'' کے لقب سے یاد کیے جانے لگے، کیوں کہ ہشم کے معنی توڑنے کے ہیں۔

ہاشم اور عبدشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح کہ ایک کا پنجہ دوسرے کی پیشانی میں پیوست تھا اور تلوار سے کاٹ کر جدا کیے گئے۔ اس موقع پر پیشنگوئی کی گئی کہ ان دونوں کی اولادوں میں ہمیشہ تلوار چلتی رہے گی اور ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان دونوں کی اولادوں میں ہمیشہ ان بن اور باہمی تنازع رہا اور انہی دونوں سے دو متحارب خاندان بنی ہاشم اور بنی امیہ وجود میں آئے۔ جو بلحاظ سیرت و اخلاق اور بلحاظ افکار و نظریات ایک دوسرے کی ضد تھے۔ پہلا ٹکراؤ ہاشم اور عبدشمس کے بیٹے امیہ میں ہوا۔ پھر عبدالمطلب ابن ہاشم اور حرب ابن امیہ میں تصادم رہا۔ حرب کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان پیغمبر اسلامؐ کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا اور مختلف محاذوں پر جنگ کے شعلے بھڑکاتا رہا۔ ابوسفیان کے بعد اس کا بیٹا معاویہ، مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے نبرد آزما ہوا اور کئی خونریز جنگیں لڑیں اور پھر یزید ابن معاویہ نے حضرت امام حسین ابن علی علیہما السلام اور ان کے خاندان اور رفقاء و انصار پر ہر قسم کا ظلم توڑا اور اس دشمنی اور عناد کو آخری حدوں تک پہنچایا۔ غرض بنو ہاشم اور بنو امیہ میں باہمی عداوت پشت در پشت چلتی رہی اور مصلحتاً اسلام لانے کے بعد بھی بنو امیہ کا کمینے پن اور کینہ پرور طبیعتوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کرسکی اور وہ ہمیشہ بنی ہاشم کی بیخ کنی کی فکر میں لگے رہے۔ ہاشم اور عبدشمس اگرچہ ایک ہی باپ کی اولاد تھے، مگر ان میں اتنا ہی تضاد تھا، جو ایک ہی شاخ پر لگے پھول اور اگنے والے کانٹے میں ہوتا ہے۔ حضرت ہاشم بلند کردار اور انتہائی اہم شخصیت تھے۔ اعلیٰ ظرفی و کریم النفسی میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ مظلوموں اور بے نواؤں کا ان کے گرد جھرمٹ رہتا تھا۔ وہ مظلوموں کی دادرسی کرتے اور بے نواؤں کی طرف دست تعاون بڑھاتے، اپنے قبیلے کے ناداروں کی اعانت فرماتے۔ چنانچہ قریش کی اقتصادی برتری اور معاشی بلندی بڑی حد تک ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے قریش کے ذہنوں میں تجارت کی خوبیاں بٹھا کر انہیں ترقی و بہبود کی راہ پر لگا دیا۔ آپ نے تجارت کو ترقی دی اور اپنا کاروبار شام اور حبشہ تک بڑھا دیا۔ اور ساتھ ہی قریش کو بھی حرکت و عمل کی دعوت دی اور سردیوں میں یمن و حبشہ اور گرمیوں میں شام، بلکہ غزہ و انقرہ تک قریش کے تجارتی قافلے لے جانے لگے۔

قیصر روم ان کا انتہائی احترام کرتا تھا انہوں نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر قیصر روم سے یہ لکھوالیا کہ قریش کے مال تجارت پر محصول عائد نہیں کیا جائے گا۔ آمد ورفت کی سہولتیں میسر کی جائیں گی اور تجارتی گزرگاہوں کی حفاظت کے ساتھ پوری دلجمعی سے قریش تجارت میں لگ گئے اور ان کی معاشی اور اقتصادی حالت بے حد اچھی ہوگئی، خوشحالی کا دور دورہ ہوگیا اور آسودگی وطمانیت سے ہمکنار ہوگئے۔

کیوں کہ حضرت ہاشم کے پاس رفادہ اور سقایہ کے دونوں عہدے تھے، اس لیے آپ نے حاجیوں کے لیے کھانے پینے کے انتظام کیے اور سجلہ اور بذر دو کنوئیں کھدوائے۔ جب حج کا زمانہ قریب آتا تو قریش کو خانۂ کعبہ کے پاس جمع کرتے اور انہیں حاجیوں کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے فرماتے: "یا معشر قریش انکم جیران الله و اهل بیته وانه یا تیکم فی موسکم هذا ذوار الله تبارک ذکره یعظون حرمة بیته وهم رضیا فه و احق الناس بالکرامة فاکرموا رضیا فه و زوار کعبة" (۱)

"اے جماعت قریش تم اللہ کے پڑوس میں بسنے والے اور اس گھر کے رہنے سہنے والے ہو۔ وہ زمانہ آگیا کہ اللہ کے گھر کے زائرین مراسم تعظیم بجالانے کے لیے تمہارے ہاں جمع ہوں۔ وہ سب کے سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے مہمان ہیں اور سب سے بڑھ کر عزت واحترام کے مستحق ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مہمانوں اور خانۂ کعبہ کے زائرین کا اکرام واحترام کرو۔" خطبہ سے فارغ ہو کر سرمایہ فراہم کرتے اور دور دراز سے آنے والے حاجیوں کے لیے کھانے پینے کا سیر چشمی سے انتظام وانصرام کرتے، مکہ ومنیٰ میں دسترخوان چن دیے جاتے، چمڑے کے حوضوں میں پانی بھر دیا جاتا اور واردان حرم ان کے وسیع دسترخوان اور میٹھے پانی سے سیر ہو کر کھاتے پیتے۔ آپ پانی میں کشمش اور کھجوریں ڈلوادیتے جس سے پانی میں مٹھاس پیدا ہو جاتی۔

بہرحال حضرت ہاشمؑ اپنے دور کی وہ عظیم شخصیت تھے، جن کی ذاتی عظمت، صولت ورفعت اور بلند نفسی و بلند نظری اپنے مقام پر ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ انہوں نے نہ صرف حجاز میں، بلکہ بیرون حجاز بھی اپنے جود وایثار اور رفاہی کارناموں کی بدولت شہرت حاصل کی اور عوام تو عوام شاہان وقت تک انہیں انتہائی احترام اور عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور شاہ روم اور حبشہ کے نجاشی تو انہیں اپنی لڑکیوں کا رشتہ دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ مگر انہوں نے حجاز سے باہر ناتا جوڑنا گوارا نہ کیا اور عرب کے قبائل میں مختلف اوقات میں شادیاں کیں۔ ان شادیوں میں بقائے نسل وظہور نور نبوت کے لحاظ سے سب سے اہم شادی وہ تھی جو قبیلہ بنی خزوج کی ایک شاخ بنی نجار میں کی۔ حضرت ہاشمؑ کچھ عرصہ سے محسوس کر رہے تھے کہ قدرت نے جس نور رسالت کا انہیں امین قرار دیا ہے وہ نور ابھی ان سے جدا نہیں ہوا۔ اسی فکر میں تھے کہ انہیں خواب میں سلمیٰ بنت عمرو سے جو یثرب میں مقیم تھیں عقد کرنے کی بشارت ہوئی۔ یہ خاتون پاکیزہ سیرت اور نجابت وشرافت کے

---

(۱) (الانساب الاشراف، ج ا، ص ۶۴)

اعتبار سے بلند پایہ تھیں۔ دیار بکری نے لکھا ہے: "کانت فی زمانها کخدیجة فی زمانها لما عقل و قلم" (۱) "سلمٰی عقل و حلم سے آراستہ اور اپنے زمانہ میں اسی پائے کی خاتون تھیں، جس پائے کی خاتون اپنے دور میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں"

حضرت ہاشمؑ یہ خواب دیکھنے کے بعد اپنے چند عزیزوں کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے اور عمرو ابن زید کے ہاں اترے، اس نے ان مہمانوں کی بڑی تعظیم و تکریم اور بڑی خاطر مدارات کی اور تشریف آوری کا مقصد پوچھا۔ جب انہیں مقصد بتایا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس شادی پر اعتراض نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ اگر سلمٰی کے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو وہ یثرب ہی میں قیام کریں گی۔ حضرت ہاشمؑ نے یہ شرط منظور کر لی اور بی بی سلمٰی سے عقد ہو گیا۔ اس تقریب کے بعد حضرت ہاشمؑ تجارت کے سلسلے میں شام چلے گئے۔ جب شام سے واپس آئے تو بی بی سلمٰی کو یثرب سے مکہ لے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب بی بی سلمٰی امید سے ہوئیں تو حضرت ہاشم ان کو شام جاتے ہوئے مدینے میں چھوڑ گئے۔ حضرت ہاشم کا یہ سفر تجارت سفر آخرت ثابت ہوا اور پھر وطن لوٹنا نصیب نہیں ہوا اور کچھ دن صاحب فراش رہنے کے بعد ہمیشہ کے لیے موت کی آغوش میں آنکھیں بند کر لیں اور عسقلان سے چھ میل دور مقام غزہ میں پیوند خاک ہوئے۔

حضرت ہاشم کی موت کی خبر جب مدینہ و مکہ پہنچی تو گھروں میں صف ماتم بچھ گئی، ہر شخص غم اور دکھ میں ڈوب گیا۔ بی بی سلمٰی یہ اندوہناک خبر سن کر دل پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ زندگی پر غم و اندوہ کے بادل چھا گئے۔ بی بی سلمٰی کا دل اگرچہ بجھ سا گیا تھا مگر بجھے ہوئے دل کو روشنی کی کرن نظر آئی اور گود نومولود کی آمد سے بھر گئی۔ یہ مولود حضرت عبدالمطلبؑ کے نام نامی سے موسوم ہوئے اور ہاشمی تاج کا آویزہ ان کے جمال و کمال کا آئینہ ثابت ہوا۔ حضرت ہاشمؑ کے بہت سے بیٹے تھے، مگر دو بیٹوں کے ہاں اولادیں ہوئیں، ایک حضرت اسدؑ اور دوسرے حضرت عبدالمطلبؑ۔ حضرت اسدؑ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حسنین تھا، مگر اس کی نسل آگے نہیں بڑھی۔ دوسری اولاد ایک بیٹی حضرت فاطمہؑ بنت اسد ہوئیں اور یہ حضرت ابو طالب کے عقد میں آئیں اور مولائے کائنات حضرت امام علی علیہ السلام اور ان کے دوسرے بھائی پیدا ہوئے اور اس طرح حضرت عبدالمطلبؑ کا سلسلۂ اولاد آگے بڑھا اور انہی سے ہاشمی نسل کا سلسلہ دنیا میں قائم ہوا۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے:

"لیس فی الارض هاشمی الامن ولد عبدالمطلب" (۲) "روئے زمین پر جو ہاشمی ہے وہ حضرت عبدالمطلب ہی کی اولاد ہے۔"

---

(۱) (تاریخ خمیس، ج ا، ص ۱۵۸)

(۲) (المعارف، ص ۳۲)

حضرت عبدالمطلب ابن حضرت ہاشم

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کا اصل نام عامر اور کنیت ابوحارث تھی، جب پیدا ہوئے تو سر کے بیچ میں کچھ سفید بال تھے اور بالوں کی سفیدی کو شیب کہتے ہیں۔ اس لیے شیبہ اور شیبۃ الحمد کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کے والد حضرت ہاشم عالم غربت و مسافرت میں دنیا سے چل بسے تھے اور آپ ان کی شفقت سے محروم تھے اس لیے آپ اپنی ننھیال مدینہ میں اپنی والدۂ ماجدہ کی آغوش میں پلے بڑھے اور سات آٹھ سال کی عمر تک وہیں رہے۔

عرب میں شہسواری، شمشیرزنی اور تیراندازی تربیت کا لازمی جزو تھے اور بچپن سے ہی بچوں کو ان چیزوں کی تربیت دینا اور سکھانا ضروری ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ یثرب میں تیراندازی کی مشق کر رہے تھے اور ساتھ میں اور بھی بہت سارے بچے تھے، جب تیر نشانہ پر لگتا تو بے ساختہ پکار اٹھتے "انا ابن سید البطحا" میں سردار مکہ کا بیٹا ہوں۔ بنوحارث کا ایک شخص ادھر سے گزرا، اس نے یہ الفاظ سنے تو پوچھا کون ہو اور کس کے بیٹے ہو؟ آپ نے جواب دیا میں "شیبۃ الحمد ہوں اور ہاشم ابن عبد مناف کا بیٹا ہوں" وہ شخص واپس مکہ آیا اور شیبہ کے چچا مطلب سے سارا واقعہ بیان کیا۔ مطلب نے کہا کہ مجھ سے بڑی کوتاہی ہوگئی کہ میں نے اب تک اپنے یتیم بھتیجے کی خبر نہ لی اور نہ اسے دیکھنے یثرب گیا۔ اب میں سیدھا یثرب جاؤں گا اور شیبہ کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور یثرب پہنچ کر بنی نجار کے محلے میں گئے۔ وہاں چند بچوں کو کھیلتے دیکھا، جن میں شیبہ بھی تھے۔ آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا اور بنی نجار کے چند لوگوں سے پوچھا کہ کیا ہاشم کا بیٹا یہی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ ہی ہاشم کا بیٹا ہے۔ ان لوگوں نے بھی پہچان لیا کہ یہی شیبہ کے چچا مطلب ہیں۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ انہیں ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں؟ آپ نے کہا کہ ہاں میں اپنے بھتیجے کو ساتھ لے جاؤں گا۔ ان لوگوں نے کہا کہ پھر یہاں سے انہیں لے جایئے ہم آپ کو نہیں روکیں گے اور اگر شیبہ کی والدہ کو خبر ہوگئی اور انہوں نے ہم کو روکنے کے لیے کہا تو پھر ہم آپ کو روکیں گے۔ آپ نے اپنا ناقہ بٹھایا اور شیبہ سے کہا کہ میں تمہارا چچا مطلب ہوں آؤ میرے ساتھ اس ناقہ پر بیٹھ جاؤ۔ شیبہ بغیر حیل و حجت کے ناقے پر بیٹھ گئے اور مطلب انہیں مکہ لے آئے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو قریش نے آپ کے ہمراہ ایک بچے کو دیکھا تو کہا "ھٰذا عبدالمطلب" یہ مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے کہا کہ یہ میرا غلام نہیں بلکہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے اور میرا بھتیجا ہے، مگر لوگوں کی زبان پر عبدالمطلبؑ نام چڑھ گیا اور اسی نام سے آپ مشہور و معروف ہوئے۔ اس دور میں تعلیم و تربیت کے حوالے سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے۔ عبدالمطلب نے باپ کا سایہ سر پر نہ ہونے کے باوجود فنون حرب کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا، جس پر ان کی بعض تحریریں شاہد ہیں۔ چنانچہ ابن ندیم نے لکھا ہے:

"كان في خزانة مامون كتاب بخط عبدالمطلب ابن هاشم في جلد ارم فيه ذكر حق عبدالمطلب ابن هاشم من اهل مكه علىٰ فلان ابن فلان"(۱) "مامون کے خزانے میں ایک چرمی جلد پر عبدالمطلب ابن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویز تھی جس میں ایک حمیری پر آپ کے ایک مطالبے کا تذکرہ تھا"

اس ملکۂ نوشت وخواند اور فنون مروجہ میں مہارت کے علاوہ ظاہری اعتبار سے وجیہہ صورت' کشیدہ قامت اور جاذب و پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں: "سمعت ابی یقول کان وعبدالمطلب اطول الناس قامة و احسنهم و جها ماراٰه احد قط الااحبه"(۲)
"میں نے اپنے والد کو کہتے سنا ہے کہ عبدالمطلب دراز قامت اور سب سے زیادہ وجیہہ اور خوبصورت تھے، جو انہیں دیکھتا ان کا گرویدہ ہو جاتا"

حضرت ہاشمؑ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق مطلب قریش کی امارت اور حرم کے عہدوں پر فائز تھے۔ ہاشم نے چاہا کہ اپنی زندگی ہی میں یہ عہدے عبدالمطلبؑ کے سپرد کردیں۔ اسی لیے جب یمن جانے لگے تو حضرت عبدالمطلبؑ سے کہنے لگے کہ تم اپنے باپ کے وارث و جانشین ہو اور اس قابل ہو گئے ہو کہ ان عہدوں کو سنبھال سکو۔ لہٰذا یہ منصب میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ یمن چلے گئے اور وہیں مقام ادمان میں وفات پا گئے۔

حضرت عبدالمطلبؑ میں امارت و قیادت اور عوام کی رہنمائی کے تمام جوہر موجود تھے۔ انہوں نے حرم کے عہدوں پر فائز ہونے کے بعد ملکی اور معاشرتی خامیوں کی اصلاح کی، رفادہ وسقایہ کو ترقی دے کر حاجیوں کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کی طرف توجہ دی اور چاہ "زم زم" جو صدیوں سے زمین کے نیچے دب کر اپنا نشان کھو چکا تھا، اس کو کھوج نکالا اور اسے کھود کر استعمال کے قابل بنا۔ یا زم زم اس طرح ناپید ہو چکا تھا کہ اس کا نام ہی گم ہو گیا تھا، جس کے معنی اخفاء و پوشیدگی کے ہیں۔ چنانچہ زمخشری نے وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
"لانها كانت مكتومه قداندفنت بعد ايام جرهم حتى اظهرها عبدالمطلب"(۳)
"بنی جرہم کے بعد چاہ زم زم زمین میں گم ہو کر رہ گیا تھا یہاں تک کہ عبدالمطلب نے اسے ظاہر کیا۔ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب مکہ کے سابق فرماں روا بنی جرہم بنی خزاعہ سے مغلوب ہو کر مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تو ان کے سردار عمرو ابن حارث جرہمی نے سونے کے دو ہرن جو اسفندیار ابن گشتاسب نے بطور نذرانہ بھیجے تھے۔

---

(۱) (الحمیری' فہرست ابن ندیم' ص ۱۳)

(۲) (تاریخ الاسلام ذہبی، ص ۳۷)

(۳) (فائق، ج ۱، ص ۱۴۶)

اور خانہ کعبہ کے چڑھاوے کی سات تلواریں اور پانچ زرہیں چاہ زم زم میں پھینک کر اسے مٹی پتھر سے بھر دیا کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے اور خود بنی جرہم کے ساتھ یمن چلا گیا۔ سالہا سال تک کسی نے اس طرف توجہ نہ دی اور بعد کی آنے والی نسلوں کو یاد نہ رہا کہ زم زم کہاں واقع ہے حضرت عبدالمطلبؑ کو خواب میں اس کی نشاندہی کی گئی۔ آپ نے ان نشانات کی روشنی میں محل وقوع کا کھوج لگایا اور اپنے فرزند حارث کو ساتھ ملا کر کھدائی شروع کی۔ تین دن کی محنت شاقہ کے بعد کنوئیں کے آثار دکھائی دیے۔ آپ نے ان آثار کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا نعرہ لگایا۔ اور تھوڑی سی کھدائی کے بعد پانی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کنوئیں میں سے عمرو ابن حارث کی پھینکی ہوئی تلواریں، زرہیں اور سونے کے ہرن برآمد ہو گئے۔

قریش جواب تک اس کام کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے، ان چیزوں کو دیکھ کر عبدالمطلبؑ کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ چیزیں ہمارے آباء واجداد کی ملکیت تھیں، لہذا انہیں آدھا آدھا تقسیم کیا جانا چاہیے۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے کہا کہ یہ ہماری محنت اور ریاضت کا پھل ہے اور اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، پھر بھی تم چاہو تو قرعہ پر فیصلہ کر لو۔ قریش اس پر راضی ہو گئے اور قرعہ کعبہ شریف، قریش اور عبدالمطلب کے نام پر ڈالا گیا۔ سونے کے ہرن خانہ کعبہ کے نام پر اور زرہیں اور تلواریں حضرت عبدالمطلبؑ کے نام نکلیں اور قریش منہ دیکھتے رہ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے تلواریں اور زرہیں فروخت کر دیں اور خانہ کعبہ کا دروازہ تعمیر کرایا اور طلائی ہرنوں کو پتروں کی شکل میں ڈھلوا کر خانہ کعبہ پر جڑوا دیا ابن اثیر نے لکھا ہے: "**فکان اول ذهب حليت به الكعبة**" یہ خانہ کعبہ پر پہلی طلاء کاری تھی۔

آپ جلد ہی اپنے والد حضرت ہاشمؑ کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ آپ نے اپنے آباء واجداد کی طرح اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی اور غار حرا میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ کا دستر خوان اتنا وسیع تھا کہ انسانوں کی طرح پرندوں اور دوسرے جانوروں کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مصیبت زدوں کی امداد اور اپاہجوں کی خبر گیری آپ کا خاص شیوہ تھا۔ آپ نے بعض ایسے طریقے ایجاد کیے جو بعد میں مذہبی نقطہ نظر سے انسانی زندگی کے اصول بن گئے۔ مثلاً ایفائے نذر، نکاح محارم سے اجتناب، دختر کشی کی ممانعت، خمر و زنا کی حرمت، قطع ید سارق وغیرہ وغیرہ۔

آپ ہی کے زمانے میں نجاشی حبشہ کا سپہ سالار ابرہہ ابن اشرم جو والی یمن بھی تھا، کوہ پیکر ہاتھیوں اور خودسر فوجوں کے ساتھ مکے پر چڑھائی کرنے آ پہنچا، کیونکہ وہ مذہبی تعصب زدہ انسان تھا۔ پہلے تو اس نے خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت دیکھ کر یمن کے مقام "صنعا" میں ایک بہت بڑا "گرجا" بنوایا مگر اس میں وہ شان و شوکت نہ آ سکی جو "کعبۃ اللہ" میں تھی۔

جب اس نے یہ دیکھا تو اس کا مذہبی تعصب اور بھڑک اٹھا اور وہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے کوہ پیکر ہاتھیوں کا لشکر لے کر آ گیا۔ اہل مکہ کے لیے یہ انتہائی خطرناک لمحات تھے۔ اور اتنے بڑے ہاتھیوں کے

لشکر کو دیکھ کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ پہاڑوں کے دروں، غاروں اور صحراؤں میں منتشر ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت عبدالمطلبؑ نے بڑی ہی ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ وہ نہ تو حملہ آوروں کو دیکھ کر ہراساں ہوئے اور نہ ہی گھر بار چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔ کچھ لوگوں نے ان سے مکہ چھوڑنے کی بات کی مگر آپ نے پوری عزیمت و خود اعتمادی کے ساتھ فرمایا: "لا ابــرم مـن حـرم الله ولا اعوذ بغير الله" (۱) "میں اللہ تعالیٰ کے حرم کو نہ چھوڑوں گا اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے پناہ مانگوں گا"

اسی دوران ابرہہ نے کچھ فوجیوں کو لوٹ مار کرنے کی غرض سے ادھر ادھر بھیجا، جنہوں نے حضرت عبدالمطلبؑ کے دو سو اونٹ جو صحرا میں چر رہے تھے، وہ پکڑ لیے جب آپ کے آدمیوں نے یہ دیکھا تو پریشان ہو کر حضرت عبدالمطلبؑ کے پاس آئے، جب آپ نے ان کو پریشان دیکھا تو پوچھا، کیوں پریشان ہو؟ کیا کوئی لشکر آ گیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہاں یمن کا سردار ابرہہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا ہے اور اس نے ہمارے دو سو اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ اس پر حضرت عبدالمطلبؑ نے کہا کہ سواری تیار کرو، ہم ان کے پاس جائیں گے۔ جب آپ ابرہہ کے خیمے میں پہنچے تو ابرہہ ان کا جاہ وجلال والا چہرہ دیکھنے لگا اور تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ تخت سے اتر کر نیچے آیا اور پوچھا کہ اے سردار قریش کیسے آنا ہوا؟ آپ نے کہا کہ تمہارے آدمی میرے اونٹ پکڑ کر لے آئے ہیں، وہ مجھے دے دو۔ اس پر ابرہہ غصہ میں بولا کہ میں تو سمجھا کہ تم خانہ کعبہ کو بچانے آئے ہو، جس کو میں ڈھانے آیا ہوں، جو قریش کی عزت وعظمت کا مرکز ہے مگر آپ نے تو صرف اپنے اونٹ مانگے، اس پر آپ نے جواب دیا: "انـا ربـه الابا عرفا طلبها ع للبيت رب يمنة" (۲) "میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اس بنا پر انہیں طلب کرتا ہوں اور اس گھر (خانہ کعبہ) کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔"

ابرہہ اس بیگانہ جواب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور حکم دیا کہ ان کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔ حضرت عبدالمطلبؑ ان کو واپس لائے اور وقف بیت اللہ کی مہر لگا کر حرم میں کھلا چھوڑ دیا۔ اس خیال سے کہ اگر اب کسی نے ان اونٹوں کو نقصان پہنچایا یا زخمی کیا تو وہ قہر خداوندی سے نہ بچ سکے گا۔ یہ کردار تھا جو مولائے کائنات کے دادا نے ادا کیا۔ کتنا یقین کامل اور وحدانیت خدا پر بھروسا تھا کہ آپ نے جیسا کہا، پروردگار عالم نے دنیا کو دکھایا کہ دیکھو سب سے بڑے جانور ہاتھی کو ایک چھوٹی سی ابابیل کیسے برباد کرتی ہے اور پروردگار عالم نے حضرت عبدالمطلبؑ کے یقین کامل اور بھروسے کی لاج رکھی اور بے شمار ہاتھیوں کی فوج پر ننھی ابابیلوں کے پتھروں کی برسات نے سارے لشکر کو تہس نہس کر دیا اور ابرہہ اپنی جان بچا کر بھاگا اور راستے میں مر کھپ گیا۔ سورۂ فیل میں پروردگار نے کہا کہ دیکھو کس طرح چھوٹی چھوٹی ابابیلوں کے لشکر نے ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کو بھس

---

(۱) (تاریخ یعقوبی، ج ا، ص ۲۵۲)

(۲) (تاریخ ابو الفدا، ج ا، ص ۱۰۹)

بنا دیا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے، چوں کہ ابرہہ محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا اور عرب کے لوگوں نے اس سے پہلے ہاتھی نہ دیکھا تھا۔ اس لیے بڑے بڑے ہاتھیوں کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی ننھی ننھی کنکریوں سے بحکم خدا تعالیٰ تباہ کر کے خانہ خدا کو بچالیا اس لیے اس واقعے کو ہاتھی کی طرف منسوب کیا گیا اور اسی لیے اس کو سنہ عام الفیل کہا گیا۔ مہندی کا خضاب بھی حضرت عبدالمطلبؑ کا ایجاد کردہ ہے۔ آپ نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور کوہ حجون میں دفن ہوئے۔ ایک اور روایت کے مطابق ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی اور واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد آپ کا انتقال ہوا۔ ہمارے رسول ختمی مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بھی اس وقت آٹھ سال کی تھی آپ سن ایک عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

اہل مکہ نے اپنے محسن و سردار کی وفات کا بہت غم منایا۔ شعراء نے دردناک مرثیے لکھے اور مکہ میں کئی دن کاروبار بند رہا۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے: "لم یبک احد بعد موته ما بکی عبدالمطلبؑ بعد موته لم یقم لموته بمکة سوق ایام ما کثیرة" (۱) کسی مرنے والے پر اتنا گریہ و بکا نہیں ہوا جتنا عبدالمطلب کے مرنے پر ہوا اور ان کی رحلت پر بہت دنوں تک مکے کے بازار بند رہے۔"

اس قبیلے کا ایک لڑکا (دغفل ابن حنظلہ) کھڑا ہو گیا اور حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تم کس قبیلے سے ہو، کہا قبیلہ قریش سے اس نے کہا قریش کی کس شاخ سے، ابوبکر نے کہا تو ابن مرہ کی اولاد سے، اس نے پوچھا، کیا قصیٰ بن کلاب تم میں سے تھے جنہوں نے بکھرے ہوئے لوگوں کو اکٹھا کر کے مکے میں آباد کیا، کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا حضرت ہاشم تم میں سے تھے، جن کے بارے میں شاعر نے (مطرود ابن کعب خزاع) نے کہا کہ: وہ بلند مرتبہ ہاشم عمرو جنہوں نے شوربے میں روٹیاں بھگو کر اپنی قوم کو کھانا کھلایا جبکہ اہل مکہ تباہ حال اور قحط سالی سے نڈھال تھے۔ کہا نہیں، پوچھا کیا عبدالمطلب تم میں سے تھے، جن کے دسترخوان پر اڑنے والے پرندے بھی مہمان ہوتے تھے اور جن کا چہرہ یوں چمکتا تھا جیسے اندھیاریوں میں چراغ، کہا نہیں۔ پوچھا کیا تم ان لوگوں کی اولاد ہو جو حاجیوں کو مزدلفہ سے جانے کی اجازت دیتے تھے۔ پوچھا کیا تم ان لوگوں کی اولاد ہو جو حاجیوں کو پانی پلاتے تھے کہا نہیں اور اس کے بعد ابوبکر کھڑے ہو گئے اور سارا ماجرہ رسول پاکؐ کو سنایا، جس پر آپؐ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبائل عرب میں اس سلسلے کو کتنی اہمیت دی جاتی تھی، جس میں قصیٰ، ہاشم اور عبدالمطلب کے نام منسلک ہوتے تھے اور جن سلسلوں میں یہ نام نہیں آتے تھے، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ غرض قدرت نے جو امتیاز ہاشمی و مطلبی نسل کو دیا، وہ کسی کو نصیب نہیں ہوا اور بلند کرداری اور اوصاف میں کوئی ان سے بلند نہ ہو سکا۔ یہ وہ سلسلۂ جلیلہ ہے، جو نسلی آلودگیوں سے مبرا اور شرف و برگزیدگی کے تاج و نگیں سے آراستہ رہا۔

---

(۱) (سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۸۶)

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "ان اصطفٰے من ولد ابراھیم، اسمٰعیل و اصطفٰی من ولد اسمٰعیل بنی کنانہ و اصطفٰی من بنی کنانہ قریشا و اصطفٰے قریشا و اصطفٰے من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم" (۱)
خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کی اولاد اسماعیل کو اور اسماعیل کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا"۔

اس اصطفاء و برگزیدگی میں حضرت علیؑ بھی شامل ہیں، اس لیے آپ دونوں ہم نسب اور دونوں کے آباء واجداد ایک ہیں۔ دونوں کے نور ایک ہی سلسلے کے اصلاب وارحام سے منتقل ہوئے، حضرت ہاشم تک اور پھر حضرت عبدالمطلبؑ تک نسبتی ہوتے رہے ہیں۔ حضرت عبدالمطلبؑ کے مختلف ازواج سے دس فرزند پیدا ہوئے اور ان فرزندوں میں سے حضرت عبداللہؑ (والد گرامی رسول پاکؐ) اور حضرت ابوطالبؑ (والد گرامی حضرت علیؑ) سگے بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ حضرت فاطمہ بنت عمر مخزومیہ تھیں۔ حضرت عبداللہ سے رسول پاکؐ اور حضرت ابوطالبؑ سے حضرت علیؑ پیدا ہوئے اور اس طرح آپ دونوں اپنے دادا حضرت عبدالمطلبؑ سے مل جاتے ہیں اور ایک ہی معدن کے گوہر شاہوار اور ایک ہی شجرے کے برگ و بار تھے۔

ہیں اس طرح نسب میں نبیؐ و علیؑ بہم
دو نام گو ہیں ایک ہے پر کعبہ و حرم

غرض حضرت علیؑ کے حصے میں نسل وخاندان کی ہر وہ فضیلت آئی جو رسول پاکؐ کے لیے مخصوص تھی اور اسی سلسلۂ اجداد کے لحاظ سے اور شیخ البطحا حضرت ابوطالبؑ کے ذریعے شرف و امتیاز حاصل ہوا۔

---

(۱) (ترمذی، ج۲، ص۱۳۲)

حضرت ابوطالبؑ بن عبدالمطلب

حضرت ابوطالبؑ کا اصلی نام آپ کے جداعلیٰ کے نام پر عبد مناف تھا اور بعض روایتیں ان کا اصلی نام عمران بتاتی ہیں اور اکثر یہی ان کا نام تھا اور ابوطالبؑ آپ کی کنیت تھی۔ آپ پیغمبر اکرمؐ سے (۳۵) پینتس سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کی والدۂ گرامی کا نام فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھا۔ رسول پاکؐ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام اس واقعے سے پینتیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ تینتالیس سال آپ حضرت عبدالمطلبؑ اپنے والد بزرگوار جیسے عظیم انسان کے زیر سایہ رہے اور انہی سے حکمت واخلاق کے وہ اعلیٰ اور علم وادب کے سبق سیکھے، جن کی وجہ سے اور اس اعلیٰ تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں وہ علمی وادبی رفعتوں کے نقطۂ کمال پر فائز ہوئے اور اپنے دور میں ایک بلند پایہ ادیب، ممتاز سخن طراز، عظیم مفکر اور بالغ النظر قائد تسلیم کیے گئے۔ اس اعلیٰ علمی، ادبی اور فکری کمال کے ساتھ وجیہہ صورت، کشیدہ قامت، دبنگ، پرعزم وپروقار اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ چہرے مہرے سے ہاشمی تمکنت اور خدوخال سے قریشی سطوت جھلکتی تھی۔ زبان سے فصاحت وبلاغت کے سوتے پھوٹتے اور علم وحکمت کے سرچشمے ابلتے تھے۔ اپنے اسلاف کے اعلیٰ کردار و بلند اوصاف کے ورثہ دار تھے اور اولاد عبدالمطلبؑ میں سب سے زیادہ عادات واطوار میں اپنے والد بزرگوار سے مشابہ تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد حرم کے عہدے رفادہ وسقایہ انہی سے متعلق ہوئے اور شیخ ابطح، سید بطحا اور رئیس مکہ ایسے وقیع القاب سے یاد کیے گئے۔

دیار بکری لکھتے ہیں: "وكان عبدالمطلبؑ بعد هاشمؑ يلي الرفادة فلما توفي قام بذالك ابو طالبؑ في كل موسم حتىٰ جاء السلام" (۱)

ترجمہ: ہاشم کے بعد حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا فریضہ حضرت عبدالمطلبؑ سے متعلق ہوا اور عبدالمطلبؑ کے بعد ظہور اسلام تک ہر سال یہ خدمت حضرت ابوطالبؑ انجام دیتے رہے۔

دنیا میں حصول منصب کے لیے دولت ایک بڑا ذریعہ ہے، مگر آپ کی قیادت وسربراہی اور منصبی سربلندی دولت کی رہین منت نہ تھی، بلکہ ان کی فرض شناسی، حسن عمل اور کردار کی انفرادیت نے انہیں عزت، عظمت اور سرداری کے بام عروج تک پہنچایا اور اسی لیے حضرت مولائے کائنات امام اول حضرت علی علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے بارے میں فرماتے ہیں: "ابي ساد فقيرا و ساد فقير قبله" (۲)

"میرے والد نادار ہوتے ہوئے سردار قرار پائے، حالانکہ ان سے پہلے کوئی نادار سردار نہیں ہوا"

---

(۱) (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۵۷)

(۲) (تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۱۴)

ایک قطعہ حضرت محسن نقوی شہیدؒ کا حسب حال درج ذیل ہے:

جس کی پیشانی کا بل ' موج غرور کردگار
جس کے ابرو کی کماں ہوگردش لیل ونہار
وہ یداللہؑ کا پدرؑ وہ مصطفیٰؐ کا افتخار
جس کو دھرتی پر ملا ہو مفلسی میں اقتدار
جس کے پوتے کا زمیں پر مقتدی عیسیٰؑ بنے
کیا کہوں محشر میں اس کا مرتبہ کیا کیا بنے!

اگر چہ حضرت ابو طالبؑ کی مالی حالت کمزور اوران کے وسیع حوصلوں کا ساتھ نہ دے سکتی تھی، پھر بھی جس طرح سے بھی بن پڑتا محتاجوں اور ناداروں کی اعانت کرتے' حاجیوں کے لیے بڑی نفاست سے کھانے پینے کا اہتمام کرتے' پانی کے بڑے بڑے حوضوں میں کھجوریں اور کشمش ڈلوا دیتے تھے تا کہ اللہ کے مہمانوں کو میٹھا اور خوش ذائقہ پانی پینے کو ملے۔ ایک سال آپ معمول سے زیادہ تنگ دست تھے اور دور دراز سے آنے والے حاجیوں کے خورد ونوش کے انتظامات سے قاصر تھے، اس لیے آپ نے اپنے بھائی عباس ابن عبدالمطلبؑ سے دس ہزار درہم قرض لیے اور وہ ساری رقم حاجیوں کے کھانے پینے میں صرف کردی۔ اگلے سال پھر یہی صورت پیش آئی، نہ کھانے پینے کا سامان مہیا کر سکے اور نہ ہی قرض ادا کر سکے۔ آپ نے دوبارہ اپنے بھائی عباس سے چودہ ہزار درہم قرض مانگے، انہوں نے اس شرط پر قرض دینے کے لیے کہا کہ اگر آئندہ سال تک یہ سارا قرض جواب تک لے چکے ہیں، ادا نہ کر سکے تو یہ منصب ان سے لے لیا جائے گا۔ حضرت ابو طالبؑ آئندہ سال تک بھی اس قرض کو ادا نہ کر سکے اور یہ منصب حضرت عباسؓ کے حوالے کر دیا۔ مگر یہ گوارا نہ کر سکے کہ مکے میں آنے والے حاجیوں کی خدمت نہ ہو سکے۔

حضرت ابو طالبؑ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے تھے اور حساس طبیعت کے مالک تھے اور آپ کا دل دوسروں کے دلوں کی دھڑکنیں گنتا تھا اور مصیبت زدوں کی مصیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ ان سے مدد لیتے اور ان کی پناہ مانگتے تو وہ ان کی ڈھال اور سینہ سپر بن جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب ابوسلمہ مخزومی حبشہ سے پلٹ کر مکہ آیا اور بنی مخزوم اس کے درپے آزار ہوئے تو ابوسلمہ آپ سے مدد کا طلبگار ہوا، آپ نے اسے پناہ دے کر اس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ بنی مخزوم کو معلوم ہوا تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے اپنے بھتیجے کو پناہ دے رکھی ہے اور اب ابوسلمہ کو اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھا ہے، اسے ہمارے حوالے کر دو۔ آپ نے سخت غصے میں کہا کہ وہ میرا بھانجا ہے (ابوسلمہ برہ بنت عبدالمطلبؑ کے بطن سے عبدالاسد کا بیٹا اور حضرت ابو طالبؑ کا حقیقی بھانجا تھا) اور اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے تو میری حمیت نے گوارا نہ کیا کہ بھتیجے کو پناہ دوں اور بھانجے کو نہ دوں اور اگر انکار کرتا تو پھر بھتیجے کو بھی پناہ نہ دے سکوں گا۔ بنی

مخزوم اس جرأت پر خاموش ہو گئے اور کچھ کہنے کی جسارت نہ کر سکے اور واپس چلے گئے۔

اس تاریک معاشرے میں جبکہ انسانیت کی قدریں دم توڑ رہی تھیں اور اخلاقی پستی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھیں، آپ نے اخلاقی رذائل سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیا اور کھلے عام شراب اور جوا کھیلا جاتا تھا آپ نے اپنے عظیم والد بزرگوار کی طرح کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ قمار بازی کی۔ احمد ابن زینی دحلان نے تحریر کیا ہے: "کان ابو طالبؑ ممن حرم الخمر علیٰ نفسه فی الجاهلیته کابیه عبدالمطلبؑ" (۱) "حضرت ابو طالبؑ نے اپنے والد کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی شراب اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔"

حضرت ابو طالب علیہ السلام خود ہی فواحش و منکرات سے گریزاں نہ تھے، بلکہ جہاں تک بن پڑتا، دوسروں کو بھی عیوب و قبائح سے اجتناب کی تلقین کرتے۔ اسی لیے خانۂ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت انہوں نے قریش کو اس طرف متوجہ کیا تھا کہ وہ اس کی تعمیر پر مال حرام و مشتبہ نہ لگائیں بلکہ جائز و حلال مال صرف کریں۔ چنانچہ قبل اسلام جب خانۂ کعبہ کی دیواریں سیلاب سے متاثر ہو کر بیٹھنے لگیں اور اس کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو قریش نے چاہا کہ اسے منہدم کر کے از سر نو تعمیر کریں۔ جب اس کی دیواریں گرائی گئیں تو بنیادوں میں ایک پھنکارتا ہوا اژدھا نظر آیا، لوگ اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور کام وہیں رک گیا۔ قریش کوئی ترکیب سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت ابو طالبؑ نے کہا: "ان هذ الایصلح ان ینفق فیه الامن طیب المکا سب فلا تدخلوا فیه من ظلم و عدوان" (۲) "یہ تعمیر اس لائق ہے کہ اس پر صرف پاک و پاکیزہ اور حلال کمائی لگائی جائے۔ لہٰذا وہ مال نہ لگاؤ جو ظلم و زیادتی سے حاصل کیا گیا ہے"۔

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور کسب حلال سے کمایا ہوا سرمایہ تعمیر کے لیے مخصوص کر دیا، اب جو کعبہ کے قریب آئے تو دیکھا ایک بڑا پرندہ اس اژدھے پر جھپٹا اور اسے اپنے پنجوں میں جکڑ کر بلندی کی طرف پرواز کر گیا اور تعمیر کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ حضرت ابو طالبؑ دوستی ہو یا دشمنی کسی موقع پر حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ آپ عام حالات میں ہی ظلم و زیادتی کے خلاف نہ تھے بلکہ جنگ و کشت و خون اور ناروا خون ریزی کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ قبل اسلام قریش اور قبیلۂ قیس میں ایک جنگ لڑی گئی، جو حرب فجار کے نام سے موسوم ہے۔ اس جنگ میں بنی ہاشمؑ بھی قریش کے ساتھ شامل ہوئے۔ رسول پاکؐ اس وقت کم سن تھے، وہ بھی اپنے چچا حضرت ابو طالبؑ کے ساتھ آئے، مگر جنگ میں حصہ نہ لیتے اور نہ ہی کسی پر ہاتھ اٹھاتے۔ جس دن حضرت ابو طالبؑ آتے، قریش کا پلہ بھاری رہتا۔

---

(۱) (سیرت نبویہ، ص ۸۰)

(۲) (تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۹)

اسی وجہ سے قریش آپ کی شمولیت کو وجہ کامرانی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ لڑیں یا نہ لڑیں مگر جنگ میں ضرور شامل ہوں اور ہمارے پاس موجود رہیں۔ اس سے ہم کو ڈھارس رہتی ہے اور فتح وظفر کے آثار نظر آتے ہیں۔ "اجتنبوا الظلم و ألودوان و القطیته و الجهتان فانی لا اغیب عنکم" (۱)
"تم ظلم وزیادتی اور بے جا قطع رحمی اور الزام تراشی سے بچ کر رہو گے تو میں تمہاری نظروں سے اوجھل نہ ہوں گا"

یہ تھی حضرت ابوطالبؑ کی بلند نظری کہ جنگ وقتال کے پرجوش ہنگاموں میں انتقامی اور دفاعی اقدامات کی حدود میں فرق وفاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ظلم وزیادتی کو بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ اعتدال پسندی، انصاف پروری اور صلح وبردباری کے جوہر سے آراستہ تھے اور عرب کے نامور حکماء ودانش وروں سے استفادہ کرتے اور ان سے اخلاق فاضلہ کے درس لیتے تھے۔ چنانچہ احنف ابن قیس سے جو عرب میں صلح وبردباری کے لحاظ سے شہرہ آفاق تھا پوچھا کہ تم نے یہ صلح وبردباری کس سے سیکھی ہے، اس نے کہا کہ قیس ابن عاصم المنقری سے اور قیس ابن عاصم سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ حکیم عرب اکثم ابن صیفی سے اور جب ان سے پوچھا تو یہ جواب ملا: "من حلیف الحلم والاب سیدالنجح و الوب ابی طالبؑ ابن عبدالمطلب" (۲) "سردار عرب وعجم سراپا صلح وادب ابوطالبؑ ابن عبدالمطلب سے"

آپ اپنے دور میں ایک مدبر ومعلم اخلاق اور مفکر ودانشمند ہی نہ تھے بلکہ ایک بلند پایہ شاعر وسخن دان بھی تھے۔ اور ایک دیوان "دیوان شیخ الاباطح" کے علاوہ ان کے اشعار کا ایک کافی وافی ذخیرہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں بکھرا پڑا ہے۔ اسی لیے آپ کے فرزند ارجمند مولائے کائنات حضرت امام علیؑ علیہ السلام ان کے اشعار کو علمی واخلاقی سرمایہ سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں: "تعلموه و عملوه اولاد کم فانّه کان علیٰ دین الله و فیه علم کثیر" (۳) "ان کے اشعار پڑھو اور اپنی اولاد کو بھی پڑھاؤ اس لیے کہ وہ دین خدا پر تھے اور ان کے کلام میں علم کا بڑا ذخیرہ ہے۔

ان امتیازات کے علاوہ نسبی وخاندانی بلندی کے لحاظ سے اور رسول خداؐ کی تربیت اور اسلام اور بانی اسلام کی گرانقدر خدمات کے اعتبار سے بھی ان کی عظمت مسلم ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان ہی کی آغوش اور دامن عاطفت میں پرورش پائی۔ آنحضرتؐ کے والد حضرت عبداللہ آپ کی ولادت سے پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔

---

(۱) (تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۶)

(۲) (ہدیۃ الاحباب، ص۲۵۲)

(۳) (بحارالانوار، ج۹، ص۲۴)

اور جب آپؐ کی عمر چھ برس ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ جناب حضرت آمنہؑ نے بھی انتقال فرمایا اور آپ اپنے دادا حضرت عبدالمطلبؑ کی آغوش شفقت میں پرورش پانے لگے۔ لیکن ابھی دو ہی سال ہوئے تھے کہ دادا حضور بھی داغ مفارقت دے گئے، مگر زندگی کے آخری لمحوں میں وہ آپ کا ہاتھ آپؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ کے ہاتھ میں دے گئے اور وصیت فرما گئے کہ وہ خصوصی طور پر آنحضرتؐ کی پرورش، اور کفالت اور نگہداشت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ حضرت ابوطالبؑ خود بھی آنحضرتؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے کہ کسی وصیت کی ضرورت نہ تھی، پھر بھی آپؑ نے اپنے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق تمام اعمال بجالائے اور آنحضرتؐ کی پرورش، نگہداشت اپنے بچوں سے زیادہ کرتے تھے اور والد بزرگوار کی وصیت کے وقت فرمایا: "یا ابت لا توصنی به محمدً فانه ابنی و ابن اخی" (۱) "بابا مجھے محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وصیت کی ضرورت نہیں ہے وہ تو میرے بیٹے اور میرے بھائی کے فرزند ہیں۔

حضرت عبدالمطلبؑ کثیر الاولاد تھے اور آخر وقت ان کے تمام عزیز و اقارب بیٹے اور بیٹیاں کے پاس تھے اور ان میں سے ہر کوئی بار کفالت آسانی کے ساتھ اٹھا سکتا تھا، مگر آپ نے انتہائی بصیرت و دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے تربیت اور کفالت کا ذمے دار حضرت ابوطالبؑ کو قرار دیا، کیونکہ انہوں نے حضرت ابو طالبؑ کے طرز عمل اور برتاؤ سے بخوبی اندازہ لگالیا تھا کہ جو محبت و شیفتگی انہیں یتیم عبداللہ سے ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت عبدالمطلبؑ کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ ایک اور روایت بھی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اور حضرت زبیر جو حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ حضرت ابوطالبؑ کے نام نکلا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب معاملہ پیش ہوا تو آنحضرتؐ نے حضرت ابوطالبؑ کا دامن تھام لیا۔ یہ سب قدرت کے اشارے تھے کہ تربیت رسولؐ نیک اور پاکیزہ آغوش میں ہو۔ اسی لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا: "اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَاٰوٰی" (۲) "کیا اس نے تمہیں یتیم پاکر پناہ نہ دی۔ حضرت محسن نقوی شہید کہتے ہیں:۔

جس کی آغوش محبت میں پلی پیغمبریؐ
جس نے بخشی آدمیت کو فلک تک برتری
دفن کردی جس نے استبداد کی غارت گری
بت پرستی، بت تراشی، بت نوازی، بت گری
جس نے بخشی تھی تجھے توقیر عرفاں یاد کر
اے بنی آدمؑ ابو طالبؑ کے احساں یاد کر

(۱) (فاقت، ج ۱، ص ۱۲۱) (۲) (سورۂ ضحیٰ، آیت ۶)

غرض حضرت ابوطالبؑ نے اپنے مرنے والے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق آنحضرتؐ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور تمام فرائض ایک مربی ونگراں کی طرح انجام دیے اسی لیے ابن سعد نے تحریر کیا: "کان یحبّه حبّاً شدید الاحب ولده کان لاینام لاالیٰ جنبه و یخرج فیخرج معه و صب به ابو طالبؑ صبابه لم یصب مثلها شی قط" (۱) "حضرت ابوطالبؑ رسول خداؐ سے بے انتہا محبت کرتے اور اپنی اولاد سے زیادہ انہیں چاہتے تھے اور ان کے پاس سوتے، جب کہیں باہر جاتے تو ساتھ لے جاتے اور دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ ان پر فریفتہ وگرویدہ تھے۔"

ایسے عظیم انسان، جنہوں نے تربیت رسول پاکؐ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جنہوں نے ہر قسم کی بلاؤں، آفتوں، دکھوں سے ان کو بچایا، جو ہر رات رسول پاکؐ کی سونے کی جگہ تبدیل کردیتے تھے کہ کہیں کسی دشمن نے وہ جگہ دیکھ نہ لی ہو، اس جگہ پر اپنے کسی بیٹے کو سلا دیتے تا کہ اگر دشمن اپنے ناپاک عزائم سے کوئی واردات کرے تو ان کا اپنا بیٹا شہید ہو جائے اور رسول پاکؐ بچ جائیں ایسے مومن کامل کے ایمان پر لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں، صد حیف ہے۔

اس کے بیٹے کو محمدؐ کہیں کل ایماں
اور تو پوچھے ہے ایمان ابوطالب کا
پالنے والا محمدؐ کو خدا ہے شوکت
اپنے حصہ کا لیا کام ابوطالبؑ سے
(جناب شوکت رضا شوکت)

حضرت ابوطالبؑ نے ابتدا سے آنحضرتؐ کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور دیکھتے تھے کہ ان عام بچوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے۔ نہایت کم سخن، کم گو اور اکیلے رہنا زیادہ پسند کرتے تھے اور عام بچوں سے بلند سطح اور غیر معمولی عظمت و رفعت کے مالک ہیں۔ اسی لیے ان کے دل میں محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت وارادت بھی شامل ہوگئی اور وہ ان کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

آنحضرتؐ جب بھی دستر خوان پر موجود ہوتے تو حضرت ابوطالبؑ دیکھتے تھے کہ کھانا اگر کم ہوتا تھا تو بھی سب لوگ سیر ہو کر کھانا کھاتے تھے اور اس کے بعد ان کی یہ عادت بن گئی کہ جب تک رسول پاکؐ نہ آجاتے کھانا نہیں لگتا تھا اور اگر کوئی دودھ کا پیالہ اٹھا لیتا تو آپ کہتے کہ پہلے کوئی نہ پیئے جب تک میرا بھتیجا نہ لے لے۔ اور اسی طرح آپ آنحضرتؐ سے کہتے "انک لمبارک" "تم تو بڑے ہی برکت والے ہو۔"

---

(۱) (طبقات، ج۱، ص۱۱۹)

ایک مرتبہ آنحضرتؐ حضرت ابو طالبؑ کے ساتھ کہیں جارہے تھے اور عرفہ سے تین میل دور مقام ''ذی المجاز'' میں پہنچے تو آپ کو پیاس لگی، آپ نے کہا اے بھتیجے کہیں آس پاس اگر پانی مل جائے تو اچھا ہے، کیونکہ مجھے پیاس لگی ہے۔ آنحضرتؐ اونٹ سے نیچے اترے اور ایک پتھر پر ٹھوکر ماری اور زبان سے کچھ فرمایا کہ ابھی الفاظ ختم نہیں ہوئے تھے کہ پتھر سے پانی کا دھارا بہہ نکلا اور آپؐ نے کہا کہ چچا جان پانی پی لیجیے۔ اور جب پی چکے تو پھر پتھر کو ٹھوکر ماری اور پانی خشک ہوگیا۔ انہی آثار خیر و برکت کو دیکھ کر حضرت ابو طالبؑ آپؐ کو اپنی دعاؤں کا وسیلہ بناتے اور ان کے صدقے سے باران رحمت طلب کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ مکے میں قحط پڑ گیا اور بارش نہیں ہوئی۔ لوگ خشک سالی سے گھبرا اٹھے۔ کوئی کہتا کہ لات و عزیٰ سے التجا کریں، کوئی کہتا کہ منات کے آگے گڑگڑائیں کہ ایک خوش وضع و خوش فکر بزرگ نے کہا:

''انی تؤفکون فیکم باویۃ ابراھیمؑ و سلالۃ اسمٰعیل'' (۱) ''کہاں بھٹک رہے ہو، حالانکہ تمہارے اندر یادگار ابراہیم و فرزند اسماعیل موجود ہے'' لوگوں نے کہا، کیا اس سے مراد ابو طالبؑ ہیں، کہا کہ ہاں یہ سنتے ہی لوگ حضرت ابو طالبؑ کے پاس آئے اور کہا کہ اے سردار قریش ہم قحط سالی اور خشک سالی سے تباہ حال ہوگئے ہیں، ہمارے لیے بارش کی دعا کریں۔ حضرت ابو طالبؑ نے یتیم عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور خانہ کعبہ کے پاس لے آئے اور دیوار کعبہ کے پاس بٹھایا اور ان کی انگشت مبارک کو اوپر اٹھا کر حرکت دی۔ بارش کے کوئی آثار نہ تھے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ابر رحمت جھوم کے اٹھا اور اس شدت سے پانی برسا کہ سوکھی ہوئی زمین سیراب ہوگئی اور خشک صحراؤں میں شادابی آگئی۔ حضرت ابو طالبؑ گیہوں اور عطر کے معروف تاجر تھے اور قریش کے دستور العمل کے مطابق سال میں ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے شام جاتے تھے، جب سفر شام کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا مگر ساتھ چلنے کو نہ کہا، کیونکہ اس وقت آپؐ کی عمر دس بارہ سال ہوگئی تھی اور سفر کی صعوبتیں اور مشکلیں جھیلنے کی وجہ سے ساتھ چلنے کو نہ کہا جب آنحضرتؐ کو پتا چلا کہ چچا ان کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو آپؐ حضرت ابو طالبؑ سے لپٹ گئے اور چلنے کی پرزور خواہش ظاہر کی حضرت ابو طالبؑ کو بھی آپ کی جدائی گوارا نہ تھی اور ساتھ لے جانے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا: ''واللہ لاخرجن بہ معی ولا یفارقنی ولا رفاقہ ابدا'' (۲) ''خدا کی قسم میں انہیں ساتھ لے جاؤں گا اور ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔''

حضرت ابو طالبؑ نے آپؐ کو ساتھ لے لیا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب ان کا یہ تجارتی قافلہ شام کے جنوبی حصے میں بصرہ پہنچا تو وہاں کے راہب جرجیس ابن ابی ربیعہ نے جو بحیرا کے نام سے مشہور

---

(۱) (تاریخ ذھبی، ص۳۶)

(۲) (تاریخ خمیس، ج۱، ص۲۵۷)

تھا، آنحضرتؐ کو اس قافلے میں دیکھا اور ان میں ایسے شواہد اور نشانیاں دیکھیں جو نبی آخرالزماںؐ ختمی مرتبت رسول اکرمؐ کے لیے مخصوص تھیں۔ اسی لیے انہیں قریب سے دیکھنے کے لیے تمام اہل قافلہ کو اپنے ہاں دعوت دی۔ قریش نے آنحضرتؐ کو قافلے کے سامان کے پاس چھوڑا اور اس کے ہاں پہنچ گئے۔ بحیرا نے جب آنحضرتؐ کو نہ دیکھا تو پوچھا کہ کوئی اور بھی ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ صرف ایک بچہ رہ گیا ہے، جسے ہم سامان کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرہ نے کہا کہ اس کو بھی بلایا جائے، جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو بحیرا نے انہیں سر سے پیر تک غور سے دیکھا اور پشت مبارک سے پیراہن ہٹا کر مہر نبوت کو دیکھا اور ان سے خواب و بیداری کی مختلف باتیں دریافت کیں اور پھر حضرت ابو طالبؑ سے پوچھا کہ یہ بچہ آپ کا کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا کہ یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا، جب کہ میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کے والد کو زندہ نہ ہونا چاہیے۔

حضرت ابو طالبؑ نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور میرا پروردہ ہے ان کے والد کا انتقال ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ بحیرا نے کہا کہ انہیں یہاں سے واپس لے جایئے ایسا نہ ہو کہ یہود ان کے درپے آزار ہوں اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ ہی ہدایت کے پیغمبرؐ اور نبیؐ ہیں۔ قافلے والوں میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے کیسے جانا کہ یہ ہی نبی و رسولؐ ہیں تو اس نے کہا کہ جب آپ لوگ پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے تو میں نے دیکھا تمام درخت اور پتھر سجدے میں جھک گئے ہیں اور جدھر یہ بچہ جاتا ہے ابر سایہ کیے ہوئے ان کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے خدوخال، شکل و شمائل اور حسب نسب کا تذکرہ میں نے آسمانی صحیفوں میں پڑھا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے کہا کہ یہ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول اور سردار انبیاءؑ ہیں۔

" سالے کہ نکوست از بہارش پیدا "

جب آنحضرتؐ کا سن بیس برس کا ہوا تو ایک دن آپؐ نے اپنے چچا ابو طالبؑ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تین نورانی پیکر ہیں اور ان میں سے ایک میری طرف اشارہ کر کے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہ ہے وہ جس کی نصرت وقت آنے پر تمہیں کرنا ہوگی۔ جب حضرت ابو طالبؑ نے اس کا ذکر کے کے ایک عالم سے کیا تو اس نے آنحضرتؐ کو غور سے دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ پاکیزہ روح کے حامل اور پاکیزہ نبی ہیں۔ حضرت ابو طالبؑ نے اسے خاموش رہنے کے لیے کہا اور کہا کہ اسے کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا۔ ایسا نہ ہو انہی کی قوم رشک و حسد کی وجہ سے ان کی دشمن نہ ہو جائے۔ تم نے صحیح کہا اور میں اس سے باخبر ہوں۔ میرے والد حضرت عبدالمطلبؑ مجھے کہہ گئے ہیں:

"لقد انبائی ربی عبدالمطلبؑ بانه النبی المبعوث و امرنی ان استر ذالک یغری به الاعادی" (۱) "میرے والد عبدالمطلبؑ مجھے بتا گئے ہیں کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اس بات کو پردۂ اخفا میں رکھوں تا کہ دشمن ان کے خلاف بھڑک نہ اٹھیں"

حضرت ابوطالبؑ ان واقعات و حالات کے پیش نظر اپنے دل بیدار پر آفتاب نبوت کے نقاب الٹنے سے پہلے نور نبوت کی ٹھنڈک محسوس کر رہے تھے اور ان کا تیقن انہیں احساس دلا رہا تھا کہ یہ یتیم عبداللہ ہی مستقبل کے نبیؐ اور آخر الزماں ہیں۔ اور اسی احساس کے پیش نظر آپؐ کی خدمت، تربیت اور دیکھ بھال میں انتہائی مسرت و شادمانی اور سرور اور روحانی کیفیت سے دوچار رہتے تھے اور پروانہ وار ان کی شب و روز ان کے گرد و پیش رہتے اور انہیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ آنحضرتؐ نے جب بچپن کی حدود سے نکل کر جوانی میں قدم رکھ چکے تو حضرت ابوطالبؑ ان کی معیشت اور روزگار کی فکر کرنے لگے۔ قریش کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور اس وقت مکے میں ایک معزز اور مالدار خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد تھیں جو خرید و فروخت کے لیے اپنے کارندے دوسرے شہروں میں بھیجا کرتی تھیں۔ آپ نے آنحضرتؐ کو بی بی خدیجہ کا کاروبار سنبھالنے کا مشورہ دیا اور خود جا کر جناب خدیجہ سے کہا کہ جن شرائط پر آپ دوسروں کو مال تجارت دے کر بھیجتی ہیں تو میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ کو بھی بھیجیں۔ حضرت خدیجہ نے قبول کر لیا اور شرائط طے کرنے کے بعد مال تجارت آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا۔ آپؐ نے کچھ ہی عرصہ میں بے حد کامیابی حاصل کی۔ حضرت خدیجہؓ ان کی ایمانداری اور راست بازی سے بے حد متاثر ہوئیں اور انہیں کسی ذریعے سے شادی کا پیغام بھجوایا۔ آپؐ نے چچا سے مشورہ کر کے اس رشتہ کو قبول کر لیا۔ ابتدائی مراحل طے ہونے کے بعد حضرت ابوطالبؑ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، اور دوسرے بنی ہاشم و اکابرین قریش کے ہمراہ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور بزم عقد آراستہ ہوئی اور حضرت ابوطالبؑ نے خطبۂ نکاح پڑھا: "الحمدلله الذی جعلنا من ذریتی ابراهیمؑ و ذرع اسمٰعیلؑ وضعضی بعد و عفر مضر و جعلنا حفنة بیة و سواس حرمه و جلعه لنا بیتا محجوجا و حرما آمنا و جعلنا حکام الناس ثم ان ابن اخی هذا محمدؐ بن عبدؐ الله لا یوزن به رجل الارجع به شرفا و فضلا و عقد و ان کان فی المال قل فی ان المال ظل ذائل و امر مائل و عاریة مسترجعة و هو والله بعد هذا اله نبأ عظیم و خطر جلیل" (۲) "تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ذریت ابراہیمؑ نسل اسماعیلؑ، اولاد سعد اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہمیں اپنے گھر کا نگہبان اور اپنے حرم کا پاسبان بنایا اور اسے ہمارے لیے حج کا مقام اور جائے امن قرار دیا۔

---

(۱) (تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۴)

(۲) (سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۹)

اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔ یہ میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ ہیں جس کسی سے ان کا مقابلہ وموازنہ کیا جائے گا تو شرف ونجابت اور عقل وفضیلت میں ان کا پلہ بھاری رہے گا۔ اگر چہ دولت ان کے پاس کم ہے لیکن دولت تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں ہے اور پلٹ جانے والی چیز اور واپس کی جانے والی عاریت ہے۔ خدا کی قسم ان کا مستقبل عظمت بے کراں ہے اور ان سے ایک عظیم خبر کا ظہور ہوگا''۔

تیرے کہنے پہ جو عمران کا انکار کروں
پھر محمدؐ کا نکاح خواں کہاں سے لاؤں

(جناب شوکت رضا شوکت)

اور اس طرح آنحضرتؐ کی عملی زندگی شروع ہوئی۔ جب آپؐ چالیس برس کی اس منزل پر پہنچے جس کے لیے پروردگار عالم نے آپؐ کو منتخب کیا تھا تو آپؐ پر بعثت نبوت کا اظہار کر دیا گیا اور کوہ حرا پر وہ عظیم واقعہ معرض ظہور میں آیا جب کائنات کے بہترین اور منتخب دین کی بنیاد پڑی اور آپؐ پر ظاہری نبوت کا اظہار کر دیا گیا۔ نبی تو آپؐ ہمیشہ سے تھے لیکن اب ظاہری صورت میں نبوت کو سنبھالنے کا وقت آ گیا۔

ابتدائی برسوں میں تبلیغ اسلام محدود اور مخفی رکھی گئی اور کچھ خاص لوگوں کو اس کا علم ہوا اور خاص احتیاط برتی گئی، نماز کے لیے کبھی مکانوں میں چھپ کر اور کبھی پہاڑوں کی گھاٹیوں میں نکل جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے اور اس دوران حضرت علیؑ آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوطالبؑ نے ان دونوں کو پہاڑ کی کھائی میں نماز ادا کرتے دیکھ لیا۔ آپ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا، آپ نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ اور محمدؐ رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم کے دین پر ہوں۔ ابوطالبؑ نے یہ سنا تو کہا: "انه لا يوعوك الانبي خير فالزمه" ''تم ان سے چمٹے رہو، یہ تمہیں نیکی وہدایت کی راہ بتائیں گے''(۱)

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر حضرت ابوطالبؑ (نعوذ باللہ) کفر پسند ہوتے اور اسلام دشمن ہوتے تو اپنے بیٹے علیؑ کو وہاں سے لے جاتے اور آنحضرتؐ سے کہتے کہ میں نے اس لیے اپنا بیٹا علیؑ تمہارے حوالے کیا تھا، نہ کہ وہ کہتے جو اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ کہ محمدؐ کے طریق ومسلک پر مضبوطی سے جمے رہو وہ تمہیں نیکی اور بھلائی کی راہ دکھلائیں گے۔ ان تمام باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح حضرت ابوطالبؑ اسلام سے ذہنی اور عقلی طور پر کتنے ہم آہنگ تھے اور ان کی پذیرائی کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

آنحضرتؐ کو در پردہ تبلیغ کرتے ہوئے تین برس گزر گئے اور جب چوتھا برس شروع ہوا تو اعلانیہ تبلیغ کا حکم آیا۔ آپؐ نے حضرت ابوطالبؑ کے مکان پر ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اپنے عزیز واقارب کو جمع

---

(۱) (تاریخ طبری، ج۲، ص۵۸)

کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور کہا کہ وہ بتوں کی پوجا چھوڑ کر ایک خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کریں۔ یہ سن کر قریش کے لوگوں کے تیور بگڑنے لگے اور وہ حیران و پریشان دکھائی دینے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ زیادہ بگڑیں یا فساد پر آمادہ ہوں، حضرت ابوطالبؑ کو آگے آنا پڑا اور وہ اچھی طرح قریش کے تیوروں کو سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنے قدیم رسم و رواج کے خلاف کوئی آواز سننا گوارا نہیں کریں گے اور لامحالہ آنحضرتؐ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ آپ نے ان کی مخالفت کے زور پکڑنے سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ ان کے گوش گزار کر دیں کہ وہ ابن عبداللہ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، بلکہ ان کے دست بازو بن کر ان کے ساتھ ہوں گے اور ہر لمحہ ان کے سینہ سپر رہیں گے۔ چنانچہ آپ نے جذبۂ حق پرستی سے متاثر ہو کر پراعتماد لہجے میں کہا:۔ "واللہ لنمنعنہ ما بقینا" خدا کی قسم ہم جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں سے ان کی حفاظت کریں گے"۔ (۱)

آخر کار قریش کی مخالفت بڑھتی گئی۔ آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کی جرأت تو وہ نہیں کر سکے، کیونکہ حضرت ابوطالبؑ ہر وقت آپؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ آخر کار ایک دن قریش نے ابوطالبؑ کی سرپرستی ختم کرنے کے لیے ایک نیا کھیل کھیلا اور ایک خوبصورت نوجوان عمارہ ابن ولید کو ابوطالبؑ کے پاس لائے اور کہا کہ اس لڑکے کو تم پالنے کے لیے لے لو اور محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور اسے اپنا بیٹا بنا لو۔ حضرت ابوطالبؑ نے جب یہ انوکھی فرمائش سنی تو کہا: "اتعطوننی ابنکم اغدوہ لکم و اعطیکم ابنی تقتلونہ ھذا و اللہ یکون ابدا" (۲) یہ اچھا انصاف ہے کہ میں تمہارے بیٹے کو لے کر پالوں اور اپنا بیٹا تمہارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہ ہوگا" اور اس طرح حضرت ابوطالبؑ نے قریش کے لوگوں کو ایسے غیظ و غضب اور جلال کے لہجے میں جواب دیا کہ وہ خاموش ہو کر واپس چلے گئے اور کسی میں اتنی جرات نہ ہو سکی کہ وہ کچھ کر سکتے۔ اور اس طرح ابوطالبؑ نے رسول پاکؐ اور ان کے دین کی حفاظت کی۔

جس نے ہر مشکل میں کی ہو وارث دیں کی مدد
جس کے گرد پا کو چومے "فاطمہؑ بنت اسد"
جو علیؑ سے مہدیؑ دیں تک امامت کا ہو جد
جس کے بیٹے کو ملی ہو "کل ایماں" کی سند
کون کہتا ہے کہ اسکے دل میں جذب دل نہ تھا؟
کون کہتا ہے کہ وہ خود "مومن کامل" نہ تھا؟

---

(۱) (تاریخ کامل، ج۱، ص۱۲)

(۲) (تاریخ کامل، ج۲، ص۴۴)

جب قریش کے تمام حربے ناکام ہوتے چلے گئے اور اسلام کی آواز دبنے کی بجائے ابھرتی چلی گئی اور قریش کی پریشانیاں مزید بڑھنے لگیں اور وہ دیکھنے لگے کہ آنحضرتؐ کی آواز سے متاثر ہو کر لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے چلے جائیں گے اور مکے کی سیاست پر چھا جائیں گے اور جب انہیں انقلاب نو کے زیر اثر اپنا اقتدار خطرے میں نظر آنے لگا تو وہ ایک مرتبہ پھر حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا کہ پہلی مرتبہ تو ہم خاموش ہو کر چلے گئے تھے لیکن اب ہمارا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے، آپؑ اپنے بھتیجے محمدؐ کو سمجھائیں ورنہ ہمیں خود دوٹوک فیصلہ کرنے دیں۔ ابوطالبؑ نے یہ سنا تو آ کر رسول اکرمؐ سے کہا اور ساری بات بتائی۔ جب آنحضرتؐ نے یہ سنا تو بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے کہ میں تو ان کو حق کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں اور میرے منصب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں انہیں اللہ کے احکام سمجھاؤں۔ واللہ یہ میں ضرور کروں گا چاہے وہ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج کیوں نہ رکھ دیں۔ یہ کہہ کر آپؐ وہاں سے چلنے لگے تو حضرت ابوطالبؑ کے بوڑھے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ نے رسول اکرمؐ کو آواز دے کر بلایا اور ان کے عزم واستقلال سے متاثر ہو کر فرمایا: "اذهب یا بن اخی فقل ما احببت فو الله لا اسلمک الشئ ابدا" (۱) "برادر زادے جائیے اور جو چاہے کیجیے۔ خدا کی قسم میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا"۔

حضرت ابوطالبؑ کے اس جرأت آفریں جواب سے رسول اکرمؐ کے آنسو پچھ گئے اور ان کا عزم واستقلال اور حوصلہ آسمان تک بلند ہو گیا اور تنہائی اور بے یاری کا احساس جاتا رہا۔

حکم عمراں کے بنا کچھ بھی نہ کرتے تھے نبیؐ
مولوی تو بھی کہا مان ابوطالبؑ کا

پیغمبر اکرمؐ ایک دن خانہ کعبہ کے پاس مصروف نماز تھے کہ ابوجہل نے حرم میں بیٹھے ہوئے چند آدمیوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے کہ جو ان کی نماز خراب کرے۔ عبداللہ ابن الزبعری اٹھا اور خون اور گوبر لے کر آپؐ کے چہرۂ اقدس پر مل دیا۔ آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہو کر سیدھے ابوطالبؑ کے پاس آئے اور سارا ماجرا اور اپنا چہرہ ان کو دکھایا۔ آپؐ جانتے تھے کہ سوائے ان کے اور کون میری حالت پر دکھ اظہار کرے گا۔ حضرت ابوطالبؑ نے جو یہ دیکھا تو ان کا خون کھولنے لگا اور تلوار لے کر سیدھے خانہ کعبہ کی طرف چل دیے اور جیسے ہی پہنچے تو عبداللہ ابن الزبعری اور دوسرے لوگ وہاں سے جانے لگے تو آپ نے گرج کر کہا کہ خبردار اگر تم میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے ہلا تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ یہ سن کر وہ جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھ گئے۔ آپ نے گوبر اور خون لے کر ایک ایک کے چہرے پر ملا اور دھمکی دے کر واپس آ گئے۔

---

(۱) (تاریخ طبری، ج ۲، ص ۶۷)

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اکرمؐ شام تک گھر نہ پلٹے۔ حضرت ابو طالبؑ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ قریش آپؐ کو کہیں غائب یا قتل نہ کر دیں۔ آپ نے ہر جگہ انہیں تلاش کیا مگر پتا نہ چل سکا۔ آپ نے چند ہاشمی نوجوانوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ تیز دھار خنجر اپنی اپنی آستینوں میں چھپا لیں اور سرداران قریش کے پہلو میں ایک ایک کر کے بیٹھ جائیں اور ایک ابو جہل کے پہلو میں بیٹھ جائے اور اگر یہ سنو کہ محمدؐ قتل کر دیے گئے تو ایک دم ان پر ٹوٹ پڑنا اور سب کے گلے کاٹ دینا۔ ہاشمی نوجوانوں نے خنجر سنبھالے اور سرداران قریش کو اپنی زد میں لے کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو طالبؑ تلاش میں تھے کہ کوہ صفا کی جانب سے زید ابن حارثہ کو آتے دیکھا، آپ نے پوچھا کہ تم نے میرے بھتیجے محمدؐ کو کہیں دیکھا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہاں میں ابھی ابھی ان کے پاس سے آ رہا ہوں وہ کوہ صفا کے دامن میں تشریف فرما ہیں۔ فرمایا: انہیں ابھی بلا کر لاؤ، میں جب تک ان کو زندہ سلامت نہ دیکھ لوں گا گھر واپس نہ جاؤں گا۔ زید نے آنحضرتؐ کو چچا کی پریشانی کی خبر دی تو آپؐ فوراً چچا کے پاس آئے ابو طالب نے انہیں دیکھا تو اطمینان ہوا۔ آپؑ وہاں سے واپس آئے اور ہاشمی نوجوانوں سے کہا کہ جو چیز انہوں نے چھپا کر رکھی ہوئی ہے اسے ظاہر کر دو۔ سب نے آستینوں سے خنجر نکال کر دکھائے۔ قریش نے پوچھا کہ یہ خنجر کیسے ہیں؟ کہا کہ محمدؐ دن بھر غائب رہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ لوگوں نے انہیں قتل تو نہیں کر دیا، اس لیے میں نے جوانوں کو بھیجا تھا کہ اگر ایسا ہے تو تم سب کی گردن مار دی جائے۔ لہٰذا ان تیز دھار خنجروں کو اچھی طرح دیکھ بھال لو کہ اگر ایسا سوچا تو پھر تمہارا کیا حشر ہوگا وہ سوچ لو:

"واللہ قتلتموہ ما بقیت منکم احدا حتی نتفانی نحن و انتم" (۱)

"اگر تم محمدؐ کو قتل کر دیتے تو خدا کی قسم میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا اور ہم بھی مر جاتے اور تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے"

اس کے محبوب کی جب اس نے نگہبانی کی
اب وہ خالق ہے نگہبان ابو طالبؑ کا
تو ابو لہب ہے؟ عتبہ ہے عتیبہ ہے تجھے؟
ذکر کرتا ہے پریشان ابو طالب کا

ایک مرتبہ حضرت ابو طالبؑ بیمار پڑ گئے اور حضرت جب رسول پاکؐ عیادت کو آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ "یا بن اخی اولم ربک الذی بوثک لیعا فینی" "اے میرے بھتیجے اپنے پروردگار سے دعا کیجیے جس نے آپؐ کو مبعوث کیا ہے کہ مجھے شفا بخشے۔" آنحضرتؐ نے دست بدعا ہو کر کہا:

"اللھم اشف عمی" خدایا میرے چچا کو شفا دے اسکے نتیجے میں آپ فوراً شفایاب ہو گئے۔

---

(۱) (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۳)

اب ہم آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر حضرت ابوطالبؑ کے وہ اشعار کر رہے ہیں، جو ان کے عقائد اور نظریات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ جب کفار قریش نے پیغمبرؐ کی طرف کذب بیانی کی نسبت دی تو آپؑ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے یہ اشعار کہے: "انت الامین امین اللہ لا کِذب و الصادق القول لا لھو ولا لـعـب" آپؐ امین اور اللہ کے امین ہیں جس میں جھوٹ نہیں اور لچر اور پوچ باتوں سے پاک اور راست گفتار ہیں۔ "انت الرسولُ رسول اللہ نعلمہ علیک تنزل من ذی العزۃ الکتب" (۱) آپ وہی اللہ کے رسول ہیں جن کا ہمیں علم ہے۔ اور آپؐ پر ہی تو رب العزت کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔" واللہ لن یصلوا الیک نجمعھم ... حتیٰ اوسد فی التراب دفینا" خدا کی قسم جب تک زیر زمین دفن نہ کر دیا جاؤں، قریش اپنے جتھوں سمیت آپؐ کے قریب پھٹک نہیں سکتے۔ "فاصدع بامرک ما علیک غضا فتہ و البشر بذالک و قرمنک عیونا" بے کھٹکے اللہ کے احکام بیان کیجیے اور اس طرح خوش وخرم رہ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجیے۔" و دعوتنی و علمت انک ناصحی ولقد دعوت و کنت ثم امینا" آپؐ نے مجھے دعوت اسلام دی اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں اور پھر آپؐ امین بھی تو ہیں۔" و لقد علمت بانی دین محمدٌ من خیر ادیان البریۃ دنیا" (۲) مجھے یقین ہے کہ محمدؐ کا دین دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے۔ ایمان حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں چند وضاحتیں:

مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ تمام مکاتب فکر کے آئمہ اور فقیہ اپنے گزرے ہوئے زمانے میں اور ائمہ احادیث جن میں بہت ہی نامی گرامی شخصیتیں گزری ہیں، جنہوں نے صحاح ستہ جیسی کتب بہت ہی ایمانداری کے ساتھ لکھ دی ہیں اور جن میں حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں تفصیلاً اپنی کتب میں لکھ دیا ہے اور صاف صاف لکھا ہے پھر بھی آج کل کے بعض کم علم مسلمان نہ جانے کیوں حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ وہ دوسرے صحابہ کے خاندان کے آباء واجداد کے ایمان کے بارے میں تو اتنے پرتجسس اور فکر مند نہیں ہوتے، جتنے وہ ابوطالبؑ کے بارے میں ہیں، جبکہ ہمارے پاس تو ان ائمہ کی لکھی ہوئی کتب ہیں جیسے صحیح بخاری، مسند امام حنبل، امام مالک، امام شافعی نے لکھی ہیں اور سب سے زیادہ ان اسلامی مورخوں اور اسکالروں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہی کافی ہے ایمان ابوطالبؑ کو ثابت کرنے کے لیے آگے چل کر ہم انہی احادیث اور قرآن پاک سے یہ ثابت کردیں گے کہ وہ کیا تھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) (مناقب شہر آشوب، ج، ص ۳۹)

(۲) (تاریخ ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۲)

دراصل جن لوگوں کو حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر شکوک وشبہات ہیں، وہ صرف اس وجہ سے کہ آپ مولائے کائنات کے والد محترم ہیں اور رسول اکرمؐ کے محافظ اور کفیل، ورنہ ہر چشم بینا اندھیرے اور روشنی، ظلمات اور نور اور کفر و ایمان میں فرق محسوس کرسکتی ہے۔ اگر ہر طرف نور ہی نور ہو اور پھر بھی کچھ بدنیت اور بدفطرت لوگوں کو اندھیرا اپنی طرف کھینچ رہا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ اندھیرا ہے اور نور کا کوئی وجود نہیں۔ یہ صرف اور صرف مولائے کائناتؑ کے بغض کا کانٹا جو بعض علم سے نابلد لوگوں کے دلوں میں چھپا ہوا ہے، اس کی تکلیف ہے۔ ورنہ حضرت ابوطالبؑ کا ایمان بھی ایک تابندہ حقیقت ہے، جس سے وہ ہی انکار کرے گا جو سپیدۂ سحر اور ضیائے انجم کے انکار کا عادی ہو۔ اسی لیے ابن ابی الحدید نے کیا خوب کہا ہے:

" وما حضر مجد ابی طالبؑ، جهول لغا او بصير تعالی" کسی جاہل کی بیہودہ گوئی اور واقف حال کی عمداً چشم پوشی سے ابوطالبؑ کی عظمت و بزرگی گھٹ نہیں سکتی"

آئمہ اہل بیتؑ میں سے کسی نے بھی حضرت ابوطالبؑ کے ایمان میں شک نہیں کیا، بلکہ سب کے سب آپ کے ایمان پر متفق و متحد ہیں۔ اس اتفاق و اتحاد کو اجماع اہل بیتؑ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابو الکرام عبدالسلام ابن محمد کہتے ہیں:"اتفق ائمة اهل البيت ان ابا طالبؑ مات مسلماً و خلاف اهل البيت فی الاسلام غير معتبر" (۱) ائمہ اہل بیتؑ اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ اس دنیا سے مسلمان گئے اور جو بات اہل بیتؑ کے مسلک کے خلاف ہو وہ اسلام میں غیر معتبر ہے۔ علمائے تشیع میں سے علامہ طبرسی تحریر کرتے ہیں:"قد ثبت اجماع اهل البيت علىٰ ايمان ابو طالبؑ و رجاعهم حجة" (۲) "حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر اہل بیتؑ کا اجماع ثابت ہے اور ان کا اجماع حجت و سند ہے"

وہ حقیقی مرد مومن پیکر عزم و ثبات
جس نے ٹھوکر سے الٹ دی بولہب کی کائنات
ضامن عزم پیمبرؐ بن گئی جس کی حیات
جس کے بچوں کی وراثت تھے جہاں کے معجزات
جس نے رکھ لی آبرو انسانیت کے نام کی
جس نے لٹ کر پرورش کی ناتواں اسلام کی

اب ہم حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی آئمہ کرام علیہم السلام کے ارشادات بھی پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) (ارجح المطالب، ص ۲۶۸)

(۲) (مجمع البیان، ج ا، ص ۲۷۸)

ایک مرتبہ عباسؓ ابن عبدالمطلبؑ نے رسول پاکؐ سے کہا کہ کیا ابوطالبؑ کی نجات متوقع ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: "کل الخیر ارجو من ربی" (۱) میں ان کے لیے اپنے پروردگار عالم سے ہر قسم کی بھلائی کا توقع کرتا ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام کا حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں ارشاد: "مامات ابو طالبؑ حتیٰ اعطی رسول اللہؐ من نفسہ الرضا" (۲) "ابوطالبؑ اس وقت تک موت سے ہمکنار نہیں ہوئے، جب تک رسول پاکؐ کو اپنی طرف سے راضی و خوشنود نہیں کر لیا"

حضرت امام زین العابدینؑ سے ایمان حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں جب پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: "و اعجبا ان اللہ نھی رسول اللہ ان یقر مسلمۃ علیٰ نکاح کافر و قد کانت فاطمۃؑ بنت اسدؑ من السابقات الی الاسلام و لم تزل تحت ابی طالبؑ حتی مات" (۳)

"تعجب ہے کہ اللہ نے تو رسول اللہ کو حکم دیا کہ وہ کسی مسلمان عورت کو کافر کے نکاح میں نہ رہنے دیں اور فاطمہؑ بنت اسد جو اسلام میں سبقت کرنے والی خاتون تھیں، ان کو ابوطالبؑ کے نکاح میں رہنے دیا"

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد بعثت کے بعد شروع میں ہی اسلام لانے والی خواتین میں سبقت کرنے والی تھیں اور اسلام کے بعد دس سال تک حضرت ابوطالبؑ کی زوجیت میں رہیں۔ اگر ان میں کوئی مذہبی اختلاف ہوتا تو آئے دن دونوں میں تکرار اور ٹکراؤ اور مذہبی تنازع رہتا، مگر تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "مات ابو طالبؑ ابن عبدالمطلبؑ مسلماً مومناً" (۴) "ابوطالبؑ ابن عبدالمطلبؑ دنیا سے مومن و مسلمان اٹھے" حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص نے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ کافر مرے؟ (نعوذ باللہ) تو امامؑ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ تو پیغمبر اسلام کی نبوت کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"الم تعلموا انا وجدنا محمداً / نبیؐ کموسیٰ خط فی اول الکتب" کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا ہے جیسے موسیٰؑ تھے، جن کا تذکرہ پہلی کتب میں موجود ہے" (۵)

---

(۱) (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۴)

(۲) (شرح ابن الحدید، ج ۱، ص ۳۱۲)

(۳) (شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۳۱۳)

(۴) (الحجتہ ابن سعد، ص ۲۷)

(۵) (اصول کافی، ص ۲۴۴)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ابن ابی منصور نے ایمان ابوطالبؑ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: " اقربا بالنبی و بما جاء به" (۱) "انہوں نے پیغمبرؐ کا اور جن چیزوں کو وہ لے کر آئے تھے سب کا اقرار کر لیا تھا"

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ابان ابن محمود کو اس کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا: "ان لم تقر با یمان ابو طالبؑ کان مصیر ک الی النار" "اگر تم ابوطالبؑ کے ایمان کا اقرار نہ کرو گے تو تمہاری بازگشت جہنم کی طرف ہوگی"

حضرت امام حسن عسکریؑ کا ارشاد ہے: " ان ابا طالبؑ کمومن آل فرعون" "حضرت ابوطالبؑ مومن آل فرعون کی مانند تھے جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے"

امامؑ کے قول کے مطابق یہ بات قرآن میں بھی ثابت ہے کہ مومن آل فرعون اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے، جیسے کہ حضرت بی بی آسیہؑ جو کائنات کی برگزیدہ خواتین میں شامل ہیں، انہوں نے اس وقت تک اپنے ایمان اور خدا تعالیٰ پر یقین کامل کو مخفی رکھا، جب تک حضرت موسیٰؑ جوانی کی مضبوط حدوں میں داخل نہیں ہو گئے اور پھر جب فرعون کو معلوم ہوا تو اس نے آپ سے پوچھا کہ "بتا تیرا خدا کون ہے" تو انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لے آئی ہوں اور شروع ہی سے میں اس پر ایمان اور یقین رکھتی ہوں۔ یہ سن کر فرعون غصے میں لال پیلا ہو گیا اور آپؑ کے دونوں ہاتھوں میں میخیں گڑھوا دیں اور سینے پر بیٹھ گیا کہ کہو کہ میں فرعون تمہارا خدا ہوں (نعوذ باللہ) مگر وہ مومنہ یہ ہی کہتی رہی اور آسمانوں کے دریچے ان کے لیے کھل گئے اور آواز قدرت آئی کہ "آسیہؑ چلی آؤ، ہم نے تمہارے لیے جنت میں موتیوں کا محل تیار کر وا رکھا ہے اور پھر فرعون ملعون نے آخری میخ ان کے سینہ میں گھونپ دی اور وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔

بالکل اسی طرح حضرت ابوطالبؑ کی فہم و فراست اور موقع شناسی اس اعلیٰ نہج پر تھی کہ آپؑ نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا کہ اگر اس کا اظہار وہ پہلے کر دیتے تو پھر قریش مکہ سے جنگ و جدل کھلم کھلا شروع ہو جاتا اور وہ عظیم مشن جس کو لے کر رسالت مآبؐ اس دنیا میں آئے تھے، وہ شروع ہونے سے پہلے ہی اس فتنہ و فساد کی نذر ہو جاتا کیونکہ بنو ہاشمؑ اور اہل قریش میں تو ہمیشہ سے ہی تلوار چلتی رہی اور چلتی رہتی اور اس عظیم منصوبہ بندی کے تحت آپ کی اس مدبرانہ روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں کفار قریش کو سمجھانے کے مواقع ملتے رہے۔ حالانکہ کفار مکہ یہ جانتے تھے کہ ہر موقع پر حضرت ابوطالبؑ پیغمبر اکرمؐ کا ساتھ دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے دائرہ اسلام وسیع ہو رہا ہے، مگر بظاہر ان کے پاس کوئی جواز نہ تھا کہ وہ ان سے الجھتے اور انہیں اپنا حریف ٹھہراتے اور اس طرح حضرت ابوطالبؑ کی حکمت عملی کامیاب رہی اور اسی وجہ سے فرقہ معتزلہ کے مشہور عالم ابن ابی الحدید

---

(۱) (اصول کافی ص ۲۴۴)

ایمان ابوطالبؑ میں سکوت اختیار کرنے کے باوجود ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" ولولا ابو طالب وابنه / لما مثل الدين شخصا وقاما' حضرت ابوطالبؑ اور ان کے فرزند (علیؑ) نہ ہوتے تو اسلام کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہوتا۔

" فذلك بمكة اوى و حامى / و هذا بيثرب خاض الحماما" ان میں سے ایک نے مکے میں حمایت و پشت پناہی کی اور دوسرے نے مدینے میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا۔

"فلله ذافاتحا للهدى / والله ذاللمعالی ختاما" کیا کہنا اس کا جس نے ہدایت کا باب فتح کیا اور کیا کہنا اس کا جس پر بزرگیوں کا خاتمہ ہوا۔

اگر ان تمام شواہد و براہین کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو اس بات سے کوئی انکار کی جرات نہیں کر سکتا کہ حضرت ابوطالبؑ رسول اکرمؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور عشق رسولؐ ان کی رگ و پے میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتا تھا۔ یہ محبت، شیفتگی و وارفتگی خود ان کے اسلام کا بین ثبوت ہے۔ اس لیے کہ محبت رسولؐ اور بغض رسولؐ ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جس طرح بغض رسولؐ اور اسلام دوستی یکجا نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دل جذب و عشق رسولؐ سے خالی ہے تو پھر اسلام کا دعویٰ غلط ہوگا اور اگر دل میں عشق رسولؐ اور محبت رسولؐ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہے تو پھر اسلام بھی موجود ہے۔ کیونکہ عشق رسولؐ ہی اصل اسلام، روح اسلام بلکہ عین اسلام ہے۔ شاعر مشرق کیا خوب کہتے ہیں:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

اگرچہ ایک طبقہ حضرت ابوطالبؑ کے کفر کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں، لیکن وہ کھل کر ان کے اسلام کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ دراصل اموی دور نے اپنی تمام کوششیں اس بات پر صرف کر دیں کہ کس طرح رسول پاکؐ کے مربی و مشفق اور ان کی ہر طرح کی حفاظت اور کفالت کرنے والے کو اسلام سے خارج کر دیں اور ان کے بیٹے حضرت علیؑ کو بھی اس دلدل میں کھینچ لیں، مگر وہ یہ بات بھول گئے کہ وہ پروردگار عالم جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے اس کا عظیم منصوبہ تمام منصوبوں پر بھاری رہے گا اور یہی ہوا اور قیامت تک کوئی انسان کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرلے، کبھی کامیاب نہیں ہوگا اور حضرت ابوطالبؑ کی عظمت و بزرگی کو گھٹا نہیں سکے گا۔

بس اس خطا پہ زمانے نے تجھ کر چھوڑا ہے
کہ تیرے لال نے ان کے بتوں کو توڑا ہے

حضرت ابوطالبؑ دین کے محافظ، اسلام کے پشت و پناہ اور رسول پاکؐ کے لیے ایک دفاعی حصار اور مستحکم قلعہ تھے۔ انہوں نے شدید مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور کسی موقع پر حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ اور نہ جبین پر شکن آئی اور اپنی جوانی و پیرانہ سالی میں ایک لمحہ بھی رسول پاکؐ کی حفاظت میں فروگزاشت نہ کیا

اور نہ ہی اسلام کی خدمت میں کوتاہی کی، بلکہ بستر مرگ پر بھی ان کا ذہن اسلام کے تحفظ کی فکروں سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ جب شعب ابوطالبؑ کی پیہم و مسلسل جاں گداز مصیبتوں کے نتیجے میں صحت نے جواب دے دیا اور موت کے آثار نظر آنے لگے تو شیوخ اور عمائدین قریش کو طلب کیا اور انہیں امانت، صدق بیانی، صلۂ رحم، فقراء کی اعانت و دستگیری اور خانہ کعبہ کے احترام کی ہدایت و وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تمہیں محمدؐ کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق ہیں اور ان میں وہ تمام صفات موجود ہیں، جن کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ایسی چیزیں لے کر آئے ہیں جس کے دل معترف ہیں اور زبانیں عداوت کے ڈر سے چپ ہیں۔ خدا کی قسم جو بھی ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا ہدایت پائے گا اور خوش بخت ہوگا۔ اگر مجھے اور زندگی ملتی اور میری موت میں تاخیر ہوتی تو میں ان کو دشمنوں کے حملوں سے بچاتا اور ان کی حفاظت کرتا۔'' اس عمومی وصیت کے بعد اولاد عبدالمطلبؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لن تزلوا بخیر ما سمعتم من محمدؐ و ما ابتعتم امرہ فاتبوہ اعینوہ ترشدا ''(۱)

''جب تک تم محمدؐ کی بات سنتے رہو گے اور ان کے احکام کی پیروی کرتے جاؤ گے تو خیر و برکت و سعادت سے بہرہ ور رہو گے۔ ان کی پیروی کرو اور ان کا ہاتھ بٹاؤ ہدایت یافتہ رہو گے''۔ زندگی کے آخری لمحوں میں پیغمبر اکرمؐ کی صداقت و امانت کی گواہی دینا اور خیر و سعادت اور رشد و ہدایت کو ان کے اتباع سے وابستہ کرنا اعتراف رسالت و تصدیق نبوت نہیں تو اور کیا ہے۔ اور کیا یہ ہدایت آموز و ایمان افروز کلمات ان کے اسلام اور ایمان کے آئینہ دار نہیں ہیں؟

جب وصیت کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو گئے تو موت کے آثار ظاہر ہوئے اور چہرے کا رنگ بدل گیا، پیشانی پر پسینہ آیا اور رسول پاکؐ کا سب سے بڑا ناصر و مددگار اور سرپرست و غمگسار چھیاسی برس کی عمر میں جوار رحمت میں پہنچ گیا۔ آنحضرتؐ پر کوہ غم و الم ٹوٹ پڑا، آنکھوں میں آنسو آئے اور گلوگیر آواز میں حضرت علیؑ سے فرمایا: '' اذھب فغسلہ و کفنہ و وارہ غفر اللہ و رحمہ'' (۲) ''جاؤ انہیں غسل دو اور کفن پہناؤ اور دفن کا سامان کرو، اللہ ان کی مغفرت کرے اور اپنی رحمت ان کے شامل حال رکھے''۔

یہ حقیقت ہے کہ رسول پاکؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو غسل و کفن و دفن کا انتظام کرنے کے لیے کہا۔ مولائے کائنات علیؑ نے اپنے والد بزرگوار کو غسل و کفن دیا۔ رسول پاکؐ اپنے محسن و مربی چچا کو کفن میں لپٹا دیکھ کر بہت روئے اور فرمایا:

---

(۱) (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۳)

(۲) (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۵)

"یا عم ربیت صغیرا و کفلت یتیما و نصرت کبیرا جزلک الله عنی خیرا" (۱) "اے چچا آپؑ نے بچپن میں پالا، بڑا ہونے پر میری نصرت وحمایت کی خداوند عالم میری طرف سے آپؑ کو جزائے خیر دے۔" جب جنازہ اٹھا کر لے چلے تو آپؐ شروع سے آخر تک شریک جنازہ رہے اور اس کوہ صبر و ثبات کو کوہ حجون کے دامن میں دفن کر کے واپس لوٹے۔

جس کے چہرے پر فروزاں تھی شجاعت کی شفق
جس کی آنکھوں میں رواں تھی آدمیت کی رمق
جس کی پیشانی تھی تاریخ صداقت کا ورق
وہ ابو طالبؑ جسے مطلوب تھا عرفان حق
جس نے سینے سے لگایا حادثوں کو جھوم کر
چھا گیا جو زندگی پر موت کا منہ چوم کر

رسول پاکؐ پر ابھی غم واندوہ کے بادل چھائے ہوئے تھے چچا کے انتقال کے بعد کہ ٹھیک ایک ماہ پانچ دن کے بعد آپؐ کی رفیق حیات حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؑ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ رسول پاکؐ ایک اور عظیم سانحے سے دوچار ہوگئے اور آپؐ نے ان دونوں کے غم کو یکساں طور پر منایا اور اپنے حزن وملال کی یاد باقی رکھنے کے لیے اس سال کا نام "عام الحزن" غم واندوہ کا سال رکھا اور فرمایا: "اجتمعت علیٰ ھذہ الامتہ فی ھذا الایام مصیبتان لا ادری با یھما انا اشد جزعا" (۲) "ان دنوں میں اس امت پر دو عظیم حادثے ایک ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں صدموں میں سے کون سا صدمہ میرے لیے زیادہ رنج وکرب کا باعث ہے"

---

(۱) (تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۶)

(۲) (تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۶)

حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا

فاطمہ بنت اسد حضرت علیؑ کی والدۂ گرامی تھیں۔ اسد، قبیلہ بنت عامر کے بطن سے حضرت ہاشمؑ کے فرزند تھے۔ اس لحاظ سے آپؑ حضرت ہاشمؑ کی پوتی اور رسول پاکؐ کی پھوپھی اور حرم ابوطالبؑ ہونے کی وجہ سے آپؑ کی چچی ہوئیں۔ جب آنحضرتؐ ابوطالبؑ کی کفالت میں آئے، انہی کی گود پیغمبرؐ ایسے ہادی اکبر اور رہنمائے اعظم کی گہوارۂ تربیت بنی اور انہی کی آغوش محبت وشفقت میں پرورش پائی۔ اگر حضرت ابوطالبؑ نے تربیت ونگہداشت میں باپ کے فرائض انجام دیئے تو فاطمہؑ بنت اسد نے اس طرح محبت ودلسوزی سے دیکھ بھال کی کہ یتیم عبداللہ کو ماں کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ اپنے بچوں سے زیادہ ان کا خیال رکھتیں اور ان کے مقابلے میں اپنی اولاد تک کی پرواہ نہ کرتیں۔ ان کی محبت والتفات کا یہ عالم تھا کہ جب خرما کے درختوں میں پھل آتا تو صبح کے تڑکے اٹھ کر خرموں کے کچھ دانے چن کر علیحدہ رکھ دیتیں اور جب ان کے بچے ادھر ادھر ہوجاتے تو وہ خرمے کے دانے آپؐ کو پیش کردیتیں اور جب دسترخوان بچھتا تو اس پر سے کچھ کھانا اٹھا کر آپؐ کے لیے رکھ دیتیں کہ کیا پتا کب آپؐ کو بھوک لگے اور کھانا مانگ لیں تو وہ دے سکیں۔ رسول پاکؐ بھی انہیں ماں سمجھتے اور "ماں" ہی کہہ کر پکارتے اور ماں ہی کی طرح عزت واحترام کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی شفقت ومحبت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: "لم یکن بعد ابی طالبؑ ابر بی منها" (۱) "ابوطالبؑ کے بعد ان سے زیادہ کوئی مجھ پر شفیق ومہربان نہ تھا"

آنحضرتؐ ان کی مادرانہ شفقت ونظر محبت سے اتنا متاثر تھے کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض منصبی سے وقت نکالتے ان کے ہاں آتے اور اکثر دوپہر کا وقت انہی کے ہاں گزارتے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: "کان رسول الله یزورها و یقیل فی بتیها" (۲) "رسول اللہؐ آپ کی زیارت کو آتے اور دوپہر کو ان کے ہاں استراحت فرماتے۔"

حضرت فاطمہؑ بنت اسد سے حضرت ابوطالبؑ کی سات اولادیں ہوئیں۔ تین صاحبزادیاں تھیں ریطہ، جمانہ اور فاختہ جو ام ہانی کی کنیت سے معروف تھیں اور چار بیٹے تھے طالب، عقیل، جعفر اور علیؑ۔ طالب عقیل سے دس سال بڑے تھے۔ عقیل جعفر سے دس برس بڑے تھے اور جعفر علیؑ سے دس سال بڑے تھے۔ جناب ابوطالبؑ ہاشمی تھے اور فاطمہؑ بنت اسد بھی ہاشمیہ تھیں اور مادری وپدری دونوں نسبتوں سے ہاشمی ہونے کا شرف سب سے پہلے حضرت ابوطالبؑ اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی اولاد کو حاصل ہوا۔

---

(۱) (استیعاب، ج۲، ص۷۷۴)

(۲) (طبقات، ج۸، ص۲۲۲)

ابن قتیبہ نے تحریر کیا ہے:" ھی اوّل ھاشمیه ولدت الھاشمی" (۱) "فاطمہؑ بنت اسد پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جن سے ہاشمی اولاد ہوئی"۔

حضرت فاطمہؑ بنت اسد اسی خانوادۂ ہاشمی کی فرد تھیں، جو اخلاق وکردار، طرز نشست وبرخاست اور تہذیب ومعاشرت کے اعتبار سے دوسرے خاندانوں سے مختلف، جاہلیت کے اثرات سے بیگانہ اور انسانی اقدار کا نمائندہ تھا۔ آپؑ میں موروثی صفات وخاندانی خصوصیات پوری طرح راسخ تھیں۔ اپنے آباء واجداد کی طرح دین ابراہیمیؑ کی پابند، دین حنیف کی پیرو اور کفر وشرک کی آلائشوں سے پاک وصاف تھیں۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے صلبی وخلقی اشتراک کے سلسلے میں فرمایا:" ان الله عزوجل نقلنا من صلب آدمؑ فی اصلاب طاھرة الیٰ ارحام ذکیة فما نقلت من صلب و علی نقل معی فلم نزل کذالک حتی استو دعنی خیر رحم وھی آمنته و استودعلیا خیر رحم وھی فاطمة بنت اسد" (۲) "خدائے بزرگ وبرتر نے ہمیں حضرت آدمؑ کی صلب سے پاکیزہ صلبوں اور پاکیزہ رحموں (شکموں) کی طرف منتقل کیا۔ جس صلب سے میں منتقل ہوا اسی صلب سے ایک ساتھ علیؑ منتقل ہوئے، یہاں تک کہ خداوند عالم نے مجھے آمنہؑ کے شکم اطہر میں اور علیؑ کو فاطمہؑ بنت اسد کے پاکیزہ شکم میں ودیعت فرمایا۔"

جناب فاطمہؑ خاندانی رفعت، نسبی شرافت اور پاکیزگی سیرت کے ساتھ اسلام، بیعت اور ہجرت میں بھی سبقت کا شرف رکھتی ہیں۔ ابن صباغ مالکی نے تحریر کیا ہے:" اسلمت وھا جرت معی النبیؐ و کانت من السابقات الیٰ الایمان " "فاطمہؑ بنت اسد اسلام لائیں، پیغمبرؐ کے ساتھ ہجرت کی اور سابق الاسلام خواتین میں سے تھیں۔"

ابوالفرج اصفہانی تحریر کرتے ہیں:" عن الزبیر ابن العلوم قال سمعت النبیؐ یدعو النساء الی البقیة مین انزلت ھذه الایته یاایھا النبیؐ اذا جاک المومنات یبایعنک کانت فاطمةؑ بنت اسد اول امرأة بالیعت رسولؐ الله " (۳) "زبیر ابن عوام کہتے ہیں کہ جب آیہ "یاایھا النبیؐ اذا جاک المومنات......" نازل ہوا تو میں نے پیغمبر اکرمؐ کی عورتوں کو بیعت کی دعوت دیتے ہوئے سنا اور فاطمہؑ بنت اسد پہلی خاتون تھیں، جنہوں نے اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

---

(۱) (المعارف، ص ۸۸)

(۲) (کفایت الطالب، ص ۷۶)

(۳) (مقاتل الطالبین، ص ۴)

آپ غزوۂ بدر میں ان خواتین میں شامل تھیں، جو مجاہدین کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اس اسلامی جذبۂ خدمت کے ساتھ ایک منتظم اور سلیقہ مند خاتون تھیں اور گھر کا نظام بہترین طریقے سے قائم رکھتیں اور باہر کے کام زیادہ تو خود کرتیں۔ البتہ جب سن ۲ھ میں جناب فاطمہ زہراؑ دلہن بن کر گھر میں آئیں تو دونوں میں تقسیم کار اس طرح ہوئی کہ گھر کا کام کاج جناب سیدہؑ کرتیں اور باہر کے کام آپ انجام دیتیں۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے مادر گرامی سے عرض کی: " اكفي فاطمةُ سقاية الماء و الذهاب في الحاجة و تكفيك الطحن و العجن" (۱) "فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ آٹا پیسنے اور گوندھنے سے آپ کو بے نیاز کر دیں گی اور پانی اور دوسری ضروریات کے لیے جانا آپ سے متعلق ہوگا"

گھر اور گھر کے باہر کے کاموں کے لیے ایک کنیز بھی آپ کے ہاں تھی، مگر آپؑ یہ چاہتی تھیں کہ اس کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر دوں۔ جب رسول پاکؐ آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے اپنا خیال انہیں بتایا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کنیز کو آزاد کر دیا جائے۔ رسول پاکؐ نے فرمایا کہ یہ بہت ہی ثواب کا کام ہے اور پروردگار عالم اس کا بے حساب اجر آپ کو دے گا اور خوش ہوگا اور خداوند تعالیٰ اس کے ہر عضو بدن کے بدلے آپ کے ہر عضو بدن کو جہنم کی آگ سے بچا لے گا۔ ابھی یہ نوبت نہیں آئی تھی کہ آپ سخت بیمار پڑ گئیں اور آپ نے اس حالت مرض میں بھی رسول پاکؐ کو اس کنیز کی آزادی کے بارے میں وصیت کرنا چاہی مگر آپ کی زبان ساتھ نہ دے سکی، رسول پاکؐ آپ کا مدعا سمجھ گئے اور فرمایا کہ میں آپ کی وصیت اور خواہش کے مطابق اسے آزاد کر دوں گا۔

آپؑ زہد و عبادت، تقویٰ و طہارت میں بلند مقام رکھتی تھیں۔ آپ کی ریاضت و عبادت انتہائی کمال پر تھی اور جب بھی فشار قبر کے بارے میں سنتیں تو آپ کا جسم لرز اٹھتا اور رسول پاکؐ سے فرماتیں کہ میرا نحیف و نزار جسم اس تکلیف کو کیسے برداشت کرے گا تو آپؐ فرماتے کہ میں خداوند تعالیٰ سے آپ کے لیے رحمت اور بخشش کی التجا کروں گا۔ اور وہ آپ کو اپنی رحمت و راحت سے فشار قبر سے محفوظ رکھے گا۔ جب آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں تو مولائے کائنات حضرت علیؑ روتے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور فرمایا، کہ ابھی ابھی میری ماں نے انتقال فرمایا۔ آنحضرتؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: وہ خدا کی قسم میری بھی ماں تھیں اور اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام صحابہ بھی آپ کے ساتھ سر جھکائے ہوئے چل پڑے۔ جب آپ ان کے ہاں آئے تو اپنا پیراہن اتار کر حضرت علیؑ کو دیا کہ یہ ان کو کفن کے طور پر پہناؤ اور جب غسل و کفن کے بعد جنازہ باہر لائے تو آپ گریہ وزاری کرتے ہوئے جنازہ کو کندھے دیتے ہوئے روانہ ہوئے، کبھی آپ آگے سے کندھا دیتے اور کبھی پیچھے کی جانب سے دیتے اور جنت البقیع تک برہنہ پاؤں آئے۔ کچھ لوگوں نے آپؐ کے

---

(۱) (اصابہ، ج ۴، ص ۳۹۹)

حکم کے مطابق قبر کھود لی تھی، آپ ؐ قبر میں اترے اور چاروں طرف سے قبر کو کشادہ کیا اور کچھ دیر قبر میں لیٹے رہے اور دائیں بائیں کروٹ لینے کے بعد باہر نکل آئے اور روتے ہوئے فرمایا: " جزاک الله من ام خیر القد کنت خیر ام" (۱) "اے مادر گرامی خدا آپؑ کو جزائے خیر دے، آپؑ بہترین ماں تھیں"

پیغمبر اکرمؐ کے اس برتاؤ کو کچھ لوگوں نے محسوس کیا اور کہا کہ کسی اور کے لیے آپؐ نے یہ کبھی نہیں کیا؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ حضرت ابوطالبؑ کے بعد ان کے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ہیں۔ یہ خود بھوکی رہتی تھیں اور مجھے کھانا کھلاتی تھیں، مجھے اچھے کپڑے پہناتی تھیں اور خود اور اپنے بچوں کو پھٹے پرانے کپڑے پہناتی تھیں۔ میرے سر میں تیل ڈالتی تھیں اور اپنے بچے پراگندہ رہتے تھے۔ میں نے اپنا پیراہن اس لیے دیا تا کہ وہ روز قیامت پردہ پوش محشور ہوں اور قبر میں اس لیے لیٹا تا کہ وہ فشار قبر سے محفوظ رہیں۔ عالم اہلسنت شیخ علی المرزوقی لکھتے ہیں: "ان النبی تول دفن فاطمه بنت اسد و کان اشعر ها قمیصاله فسمع وهو یقول ربنک فسئل فقال انما مسئلت عن ربها فا جابت وعن بنیها فاجابت وعن اما مها فلجلجت فقلت ابنک ابنک" (۲) رسول پاکؐ نے حضرت فاطمہؑ بنت اسد کو خود دفن کیا اور انہیں اپنے پیراہن کا کفن دیا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا "آپ کا فرزند" جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا میری چچی جناب فاطمہؑ بنت اسد سے پروردگار کے بارے میں پوچھا تو وہ بھی بتا دیا پھر جب امام کے بارے پوچھا تو ان کی زبان لڑکھڑائی تو میں نے کہا "آپ کا فرزند، آپ کا فرزند" آپ نے ۴ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ موجودہ دور میں جنت البقیع کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی ہے، آپ کی قبر اطہر اس کے اندر ہے اور ایک دیوار نما خستہ حال جگہ پر ہے۔ جب جنت البقیع کو مسمار کیا گیا سعودی دور میں تو یہ جگہ بچ گئی اور کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ مولائے کائناتؑ کی والدۂ گرامی قدر کی قبر اطہر کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ شاید خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں دنیا تہہ و بالا نہ ہو جائے۔

---

(۱) (تاریخ خمیس، ج ۲، ص ۵۲۶)

(۲) (کتاب الازمنۃ والامکنۃ، ج ۲، ص ۲۸۰)

فصل پنجم

طلوع آفتابِ امامت

ولادت باسعادت

مولائے کائنات حضرت امیر المومنین

علی ابن ابی طالب علیہما السلام

بروز جمعہ ۱۳ رجب المرجب سن ۳۰ عام الفیل ۲۳/۲۴ سال قبل از ہجرت

بمطابق سن ۶۰۰ء

درجوف کعبہ مکہ مکرمہ (سعودی عرب)

ولادت باسعادت
مولائے کائنات امیرالمومنین
حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام

ہم اپنی اس ''فکری کاوش'' ''وجودِ کائنات مولا علیؑ'' اور غدیرِ خم'' کے اہم ترین باب کو سپردِ قرطاس کررہے ہیں، جس کا خاص تعلق آپؑ کی ذات اقدس سے ہے۔ ہماری یہ بساط نہیں کہ ان کے بارے میں لکھ سکیں۔ ان کی ذات اقدس کو رسول پاکؐ اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی انسان پہچان نہیں سکتا۔ مولائے کائناتؑ کی ذات اقدس جن کے بارے میں رسولِ خداؐ فرماتے ہیں:

''اے علیؑ اگر امت کے دین سے گمراہ ہونے کا احساس نہ ہوتا تو تمہاری وہ فضیلتیں بیان کرتا کہ لوگ تمہارے قدموں کی خاک کو تبرکاً اپنے سروں پہ ڈالتے اور تمہارے وضو کا پانی بطور شفاء استعمال کرتے''

آپؑ کی ولادت اور تمام زندگی اور پھر شہادت عظمیٰ ایک عظیم معجزے سے کم نہیں، جن کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، لیکن دنیاوی اور بشری زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ ہم نے اس فکری کاوش کے حرف آغاز ہی میں یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ بچپن سے ہی ہم کو آپؑ کی ذات اقدس سے والہانہ لگاؤ رہا ہے اور پھر فوجی زندگی میں تو ہر طرف آپؑ کے نام کے ڈنکے بجتے تھے۔ ہماری فوج کا جنگی نعرہ بھی ''نعرۂ حیدری'' ''یاعلیؑ'' رہا ہے اور اسی نعرے کا بھرپور جواب دیتے ہوئے دشمن پر جان توڑ حملہ کیا جاتا تھا اور سن ۱۹۶۵ء اور سن ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں دشمن کے پرخچے اڑانے میں یہی نعرہ کام آیا تھا اور اسی زمانے سے یہ آرزو تھی کہ جب بھی موقع ملے گا تو آپؑ کی ذات اقدس کے حوالے سے کوئی کتاب لکھیں گے اور آج وہ دعا قبول ہوئی۔ مگر اس کے لیے صرف مطالعہ ہی کافی نہیں تھا، مشاہدہ بھی ضروری تھا اور اسی زمانے سے یہ تمنا آرزو اور دعا دلِ بیدار میں پیدا ہو چکی تھی کہ آپؑ کی جائے پیدائش تک پہنچا جائے اور آنکھوں سے وہ ''شق'' خانہ کعبہ کی دیوار میں دیکھیں جہاں سے مولائے کائناتؑ کی والدۂ گرامی حضرت بی بی فاطمہؑ بنت اسد سلام اللہ علیہا داخل ہوئی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ دعا اس سال پوری کی اور رجب ۱۴۳۰ھ میں ایک معجزاتی اور مشاہداتی سفرِ حجاز کا شرف بخشا اور ان مقدس ترین مقامات کی زیارتیں اپنی آنکھوں سے کیں اور پروردگارِ عالم کا شکر ادا کیا اور پروردگارِ عالم نے ایک نہیں، بلکہ دو عمرے کرنے کا شرف بخشا ایک رجب المرجب کا اور دوسرا شعبان المعظم کا۔ الحمدللہ رب العالمین۔

آپ کی ذات اقدس کے بارے میں بے شمار کتب لکھی گئیں اور تمام دنیا کے دانشوروں، ادیبوں، علماء، فقہاء نے حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ کے بعد جتنا آپؑ کے بارے میں لکھا، وہ اس دنیا کی کسی اور ہستی

کے بارے میں نہیں لکھا۔ ان کا ذکر اس باب کے آخر میں درج کریں گے۔ پروردگار عالم "احسن الخالقین" ہے یعنی بہترین خلق کرنے والا، اس نے بڑی ہی حکمت عملی سے یہ کائنات خلق کی اور بہت ہی خوبصورت۔ اس کی وسعت کا اندازہ عقل انسانی نہیں کر سکتی۔ موجودہ سائنسی علوم نے بہت ترقی کی ہے اور نت نئی تحقیق اور ٹیکنالوجی سے انسان کے قدم چاند تک پہنچ چکے ہیں اور اب وہ دوسرے سیاروں کی تسخیر کی طرف تیزی سے گامزن ہے اور بے شمار سیارے اور سیارچے خلاء میں بھیج چکا ہے، جو مریخ' مشتری اور دوسرے سیاروں پر اپنے قدم جمانے میں مصروف ہیں۔ ہم ان باتوں کو واضح کرتے چلیں کہ جو لوگ تحقیق اور علم حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں وہ ایک دن ضرور کامیاب ہوتے ہیں اور آج کے دور کی بجلی' ٹیلی فون' ٹیلی ویژن' ریڈیو' کمپیوٹر ٹیکنالوجی' موبائل فون یہ سب انسانی تحقیق اور تگ ودو کا منہ بولتا ثبوت ہے اور جن جن لوگوں نے اپنی عقل کو تسخیر دنیا یا دنیاوی علوم کے لیے استعمال کیا وہ کامیاب رہے، اور موجودہ سائنسی ایجادات کرنے میں کامیاب رہے۔ لیکن اب جو انسان خلاء کو تسخیر کرنے میں ہمہ وقت مصروف ہے، وہ کیوں ہے۔

پروردگار عالم نے انسانیت کی فلاح کے لیے اور انسان کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کو اس زمین پر بھیجا۔ قرآن پاک میں بہت ہم کم انبیاءؑ کا تذکرہ ملتا ہے اور ان میں سے بھی چند اولوالعزم پیغمبر گزرے ہیں اور چند ایک کو معجزات عطا کیے گئے۔ ہم ان میں سے کچھ انبیاءؑ اور ان کے معجزات کا ذکر کریں گے۔ پروردگار عالم نے ان انبیاءؑ کو ان کے زمانے کے حساب سے معجزات عطا کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو شیخ الانبیاء اور کئی امتوں کے باپ ہیں، جن سے عیسائیت' یہودیت اور اسلام جیسی شاخیں نکلیں، ان کو جب نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تو پروردگار عالم نے آگ کو حکم دیا" یا نارو کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم" اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کی سلامتی بن جا اور ایسا ہی ہوا کہ آگ ایک گلشن میں تبدیل ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ مسکراتے رہے۔ پھر جب پروردگار عالم نے قربانی کرنے کا حکم خواب میں دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے بہت سی قربانیاں کیں، لیکن جب پیاری چیز کی قربانی مانگی گئی تو پھر آپؑ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کے لیے لے گئے۔ ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ قربانی کرتے وقت آنکھوں پر پٹی باندھی اور چھری پھیر دی، لیکن تمام ملائکہ حیران و پریشان تھے کہ پروردگار عالم نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ ایک دنبہ جنت سے لے جاؤ اور پھر معجزے سے وہ دنبہ ذبح ہو گیا۔ اس کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک وسیع و عریض سلطنت عطا کی اور جن اور تمام چرند پرند آپ کے تابع کر دیے اور ہوا کو بھی آپ کے تابع کر دیا اور ایک اتنا وسیع تخت عطا کیا گیا کہ جس پر چرند و پرند کا ایک ایک جوڑا موجود تھا اور ہوا اس تخت کو ادھر ادھر اڑائے پھرتی تھی اور آپؑ ہر جانور کی بولی سمجھ لیتے تھے اور بولتے تھے۔ پروردگار عالم آہستہ آہستہ انسانی ذہن کو تسخیر کائنات کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں بلند و بالا عمارتیں تیار کی گئیں، جن کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ آج کل کے زمانے کے ہوائی جہاز اسی زمانے کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت سے

مشابہ ہیں اور اسی طرح انسانیت کی فلاح کے لیے تگ و دو ہوتی رہی اور زمانے زمانے کے حساب سے انبیاءؑ اور رسولوں کو معجزات عطا ہوتے رہے۔ پھر دور آیا فراعین مصر کا اور جو اہرام انہوں نے اپنے مقبروں کے لیے تعمیر کیے آج وہ دنیا کے عجوبوں میں شامل ہیں اور یہ ہی نہیں انہی فراعین مصر نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور اتنے سرکش ہو گئے کہ پروردگار عالم کو بنی اسرائیل کی مدد اور حفاظت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجنا پڑا۔ اس دور میں جو چیز سب سے نمایاں تھی وہ علم نجوم تھا اور ساحری یعنی جادوگری کے عروج کا دور تھا اور علم نجوم اپنی انتہا پر تھا کہ اس دور کے فرعون کو نجومیوں نے یہاں تک بتا دیا تھا کہ ایک بچہ جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا وہ اس کی بربادی کا باعث بنے گا بلکہ یہاں تک بتایا کہ وہ بچہ کب پیدا ہوگا اور دوسرے جادوگر شعبدہ بازی سے رسیاں پھینک کر سانپ بنا دیتے تھے۔ اور اسی لیے پروردگار عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزہ عطا کیا وہ اسی زمانے کے حساب سے عطا کیا اور وہ تھا عصائے موسیٰ علیہ السلام، جس کو جب آپؑ پھینکتے تھے تو وہ ایک اژدھے کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور دشمنوں کے سانپوں کو نگل جاتا تھا۔

قارئین ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے ذہنوں میں ہے اور ہم ایک خاص مقصد سے آپ کو اس طرف لے جا رہے ہیں، جہاں آج تک بہت سی باتیں ہم سے مخفی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو دور آتا ہے وہ ہے علم طب یعنی حکمت کا اور اس دور کے اولوالعزم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا دور جو علم طب کی وجہ سے بہت مشہور ہے اور اسی لیے پروردگار عالم نے آپؑ کو ایسا معجزہ عطا کیا کہ آپؑ مردہ لوگوں کو زندہ کر دیتے تھے اور کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ یہ اس زمانے کا عظیم معجزہ تھا۔ ان تمام ادوار کے دوران سائنس برابر ترقی کی منازل طے کرتی رہی اور جب ہمارے رسول پاکؐ جو افضل الانبیاءؐ افضل البشر اور خاتم النبیین ہیں ان کا دور آتا ہے، اس وقت تک وہ عظیم ترین انسان قریش کے سرتاج فصحاء، ادباء، خطباء، بلغاء، قصیٰؑ، ہاشمؑ، عبدالمطلبؑ، ابوطالبؑ اور مولائے کائنات حضرت علیؑ پیدا ہو چکے تھے، جنہوں نے انسانیت کی بھلائی کے لیے بے حد کام کیا اور علم الاعداد، طب، نجوم، جغرافیہ اور دوسرے علوم نہایت ترقی پزیر ہو چکے تھے اور خاص طور پر بنو ہاشمؑ کے خاندان کے تمام افراد علم، ادب، تاریخ، نصاب، علم فقہ، علم نحو میں اپنا مقام بنا چکے تھے اور ان تمام افراد میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا علم اعداد، علم صرف و نحو میں یعنی آج کل کے (الجبرا) میں دنیا میں ایک خاص مقام ہے اور وہ اس کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔

افضل الانبیاء افضل البشر، حضرت محمدؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''زندہ معجزہ''

معراج النبی کائنات کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ جب آنحضرتؐ کو عرش پر بلانے کا اہتمام کیا گیا۔ آپؐ کے لیے ایک خاص سواری ''بُراق'' کا بندوبست کیا گیا۔ براق۔ برق یعنی بجلی کی جمع ہے۔ آپؐ بیت الحرام (خانہ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس پہنچے اور تمام انبیاءؑ کی نمازِ جماعت کی امامت فرمائی۔ وہاں سے آپؐ آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے کہ ایک چٹان نما پتھر جسے اب ''صخرہ'' کہا جاتا ہے اور اوراس کی تصویر ہم نے اس صفحے پر دی ہے، وہ بھی براق کی حیرت زدہ رفتار سے ہوا میں اڑنے لگا، جیسے کہ آج کل راکٹ کے خلاء میں جانے کے وقت ایک حیرت ناک ارتعاش پیدا ہوتا ہے بالکل شاید اس طرح وہ پتھر ''صخرہ'' بھی ہوا میں اڑنے لگا اور جب رسولِ پاکؐ نے دیکھا تو اس کو وہیں ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ یہ پتھر اب تک وہیں بیت المقدس یروشلم میں ہوا میں معلق ہے۔ اور آج بھی زندہ معجزہ ہے۔

مولائے کائناتؑ کے بھائی حضرت عقیل علیہ السلام علم نساب کے ماہر تھے اور علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ ہمارے نبی اکرمؐ کو اس دور کے حساب سے وہ عظیم معجزہ عطا کیا گیا، جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہوا تھا کیونکہ پروردگارِ عالم ان کو مظاہرِ قدرت' زمین' آسمان یہاں تک کہ عرشِ معلی تک کا مشاہدہ کرانا چاہتا تھا اور بہت سارے مخفی رازوں سے بھی پردہ ہٹانا چاہتا تھا اور وہ معجزہ ''معراج'' کا معجزہ تھا، کیونکہ اس وقت تک سائنس کا دور شروع ہو چکا تھا اور تسخیرِ کائنات بھی انسان کی دسترس میں نظر آتی تھی اور یہ ہی ہوا کہ موجودہ دور کے سائنس دانوں نے جب ''معراجِ نبوی'' کا تجزیہ کیا اور یہ دیکھا کہ ایک انسانی جسم خلاء میں جا سکتا ہے اور آسمانوں کی بلندیوں تک پرواز کر سکتا ہے تو ان سائنس دانوں نے ایسے لباس تیار کرائے کہ جو خلاء میں انسانی جسم کو پھٹنے سے محفوظ رکھ سکیں، کیونکہ رسول پاکؐ کا جسم تو نورانی تھا جس پر خلاء کی کسی چیز کا اثر نہیں ہو سکتا تھا اور یہیں سے تسخیرِ کائنات کا سفر شروع ہوا۔ اس کے علاوہ ہمارے رسولِ اکرمؐ وہ واحد پیغمبر اور رسول ہیں جن کو بے شمار معجزات عطا کیے گئے اور یہ معجزات ان کے اہل بیت اطہارؑ تک منتقل ہوتے رہے جیسے کہ معراجِ جسمانی' رجعتِ شمس' شق القمر' درخت کا آ کر سلام کرنا اور

بے خطر سنگ اٹھایا تو تکلم بخشا

سنگریزے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے تو وہ بولنے لگے۔ اور ایسے ہی بے شمار واقعات اور یہ معجزات ان کے اہل بیت اطہارؑ تک منتقل ہوتے رہے جیسے کہ مولا علی علیہ السلام کا سورج کو پلٹانا' خیبر میں مظہر العجائب ہو کے جانا' غار سے ابوصمصام کو سو (۱۰۰) سرخ بالوں والے اونٹ نکال کر دینا اور حضرت میثم تمار کو بتانا کہ کھجور کے کس درخت پر ان کو لٹکایا جائے گا، یہ سب مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہیں۔

انہی کے اقوال اوران کے اوصیائے معصومین علیہم السلام کے ارشادات ہمارے لیے علوم غیب کا خزانے ہیں اور یہ ہی صاحبانِ علم الدّنی ہیں، یہ ہی مشیت اللہ، حجاب اللہ اور اسماء اللہ الحسنٰی ہیں اور مشیت کی کارفرمائی کے سلسلے میں انہی کے ذریعے ہوتی ہے اور مشیت کی کارفرمائی قرآن سے ہمیں سہارا ملتا ہے اور اسی لیے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کے زد میں ہے گردوں

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ چیزیں جو آج تک انسانی ذہن سے مخفی ہیں اور جن تک انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں وہ پروردگار عالم نے اب تک کیوں مخفی رکھیں۔ یہ تمام چیزیں جن کا ذکر اب ہم کرنے جا رہے ہیں، ان تک انسانی عقل کی رسائی آسان ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور سائنسی ترقی کے باوجود ایسی بہت سی چیزیں ہیں، جن پر پردہ پڑا ہے جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے اور انہی اسرار الٰہیہ کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے اور ان کے باطن یا سریت کا مطالعہ ضروری ہے اور اسی مطالعے کو فلسفہ بھی کہا گیا ہے۔

سریت راز در راز (باطن):

یہ ایک ایسا موضوع ہے، جس کی حقیقت تک انسانی عقل کا پہنچنا ناممکن ہے اور اس کو فلسفے کی اصطلاح میں سریت یعنی رازوں کا راز' غیب الغیب کہا گیا ہے۔ ولیم ارنسٹ ہاکنگ نے اپنی کتاب "TYPES OF PHILOSPHY" انواع فلسفہ سے بحث کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انتہائی ذہنی کوشش کے باوجود انکشاف حقیقت میں کچھ کسر باقی رہ جاتی ہے اور یہ ہی ''سریت'' ہے اور ایک ماہر اور عارف سریت ہی سریت کی بات ٹھیک سمجھ سکتا ہے ادراک حقیقت جو نادر لمحوں کی مخصوص بصیرت سے حاصل ہوتا ہے، سارے شعور پر محیط ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین سابق صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (انڈیا) رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی نے اپنی کتاب ''فلسفہ کیا ہے؟'' میں صراحت کی ہے کہ سائنس کا سارا نظام عالم مظاہر سے ہے، جس کو قرآن کی زبان میں عالم شہادت کہا جاتا ہے۔ فلسفہ عالم شہادت کی انتہائی حقیقت یا ماہیت معلوم کرنا چاہتا ہے جو ''غیب کا دائرہ'' ہے جس کو قرآن کی زبان میں ''غیب'' قرار دیا جا سکتا ہے اور انسان کی اتنی ترقی کے باوجود ''غیب الغیب'' تک رسائی ممکن نہیں۔ اور آج تک کسی کو یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک اس ضمن میں کیا کہتا ہے۔

قرآن اور سریت:

سورہ بقرہ کی دوسری آیت صاف طور پر کہہ رہی ہے: "ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ، الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (۱) وہ کتاب (صامت ہو یا ناطق) متقیوں کے لیے ہدایت ہے اور مومنین کے لیے جن کا غیب پر ایمان ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ مسلمانوں کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا تو آیئے ان سے پوچھتے ہیں جو اہل ذکر ہیں تو جب صادقؑ آل محمدؐ سے پوچھا گیا کہ یہ متقی کون لوگ ہیں جن کی ہدایت کے لیے قرآن کہہ رہا ہے تو آپؑ نے جواب دیا کہ میرے جد امجد حضرت مولا علی علیہ السلام کے پیروکار ہی متقی ہیں اور انہی کا ایمان غیب پر ہے۔ تو بات صاف ہو گئی۔ لیکن آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ "سریت" کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔ مشاہدے سے معلوم ہوا کہ ہر چیز جو نظر آتی ہے وہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا باطن کچھ اور ہے، جیسا کہ پھل دیکھنے میں جو نظر آتا ہے مگر اس کا ذائقہ اس کے باطن میں ہے۔ بیج سے درخت کا پودہ اگتا ہے مگر اسے اگانے والا جو ہر لطیف اس کے باطن میں ہے۔ انسانی بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو نرس یا دائی اسے نہلا دھلا کر ماں کے پاس لاتی ہے اور ماں اپنا دودھ بچہ کے منہ میں دے دیتی ہے۔ لیکن چشمۂ شیر بچے کے پیٹ میں چوسنے سے جاتا ہے۔ یہ چوسنے کا ملکہ اس نوزائیدہ بچے کو کون سکھاتا ہے۔ ہر جانور کا بچہ پیدا ہونے کے بعد لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہوتا ہے اور سیدھا اپنی ماں کی پچھلی ٹانگوں میں دودھ پینے جاتا ہے بلکہ ایک جانور ایسا ہے کہ اس کی ماں کی اگلی ٹانگوں میں دودھ کا چشمہ ہے اور وہ ہے ہاتھی اور اس کا بچہ اگلی ٹانگوں کی طرف لپکتا ہے۔ یہ سب باتیں "غیب الغیب" ہیں اور انہی کو سریت یعنی رازوں کا راز کہا گیا ہے۔ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ "عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا ، اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" (۲) وہی اللہ غیب دان ہے اور اپنے غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند فرمائے۔

قرآن پاک میں کئی ایسے مقامات ہیں، جہاں "سریت" کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے اس باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرامؑ میں سے چند کو معجزات عطا کیے جن میں حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر جنہیں "عصا" عطا کیا گیا اور جن کے لیے کوہ طور پر درخت میں سے نورانی شعاعیں نکلیں اور آواز آئی "یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" اے موسیٰؑ میں اللہ ہوں عالمین کا رب۔ مگر ان سے بھی چند چیزیں پوشیدہ تھیں جیسے کہ ان کی حضرت خضرؑ سے ملاقات، پکی ہوئی مچھلی کا پانی میں چلے جانا، لڑکے کا قتل اور گرتی ہوئی دیوار کو گرنے سے بچانا اور کشتی میں سوراخ کرنے کے واقعات ان کی سمجھ میں نہیں آسکے اور حضرت خضرؑ نے ان سب باتوں کی اس وقت وضاحت فرمائی جب "هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ"

---

(۱) (سورۂ بقرہ آیت ۲)

(۲) (سورۂ جن، آیت ۲۶، ۲۷)

فرما کر جدا ہوئے اور اس کے علاوہ جلوۂ طور ید بیضا' بنی اسرائیل کے لیے پانی کے چشموں کا جاری ہونا' قارون کا زمین میں دھنس جانا' دریائے نیل میں بنی اسرائیل کے لیے راستہ بنانا اور فرعون کو فوج سمیت غرق کر دینا اور فرعون کی لاش کو عبرت کے لیے محفوظ کرنا جو ابھی نکالی گئی ہے اور میوزیم میں رکھ دی گئی ہے، حضرت جرجیسؑ کا پانچ مرتبہ شہادت پانا، حضرت یونسؑ کا مچھلی کے پیٹ میں تسبیح پڑھنا' اصحاب کہف کا غار میں تین سو سال تک سو جانا' حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا یہ سب اسرار الٰہیہ ہیں اور سائنس کی اتنی ترقی اور اسباب مادی کی فراوانی کے باوجود انسان ایسے مظاہرے کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔

آج بھی مختلف مسالک کے بعض صاحب علم اور علماء معراج نبی کو روحانی' خواب یا کوئی اور واقعہ تسلیم کرتے ہیں اور معراج جسمانی تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ان کی ذات اقدس کو نور ہی تسلیم نہیں کرتے اور مفہوم ''کن'' سے ناواقف و بے بصیرت انسان اپنے عجز کا اعتراف کرنے کی بجائے نت نئی اور من گھڑت تاویلات کا سہارا لیتا ہے۔ قرآن مجید ایک ہے لیکن تفسیروں کی بہتات ہے اور ایک دوسرے سے متناقض، ایک تفسیر لکھے اور دوسرا اس پر کفر کا فتویٰ لگائے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اور اسی طرح ''قرطاس و قلم'' کے واقعے کے دوران اصحاب میں کافی تو تو' میں میں ہوئی حضرت عمر کہتے تھے کہ ہمارے لیے کتاب کافی ہے یعنی ''قرآن'' یہ واقعہ اس طرح ہے کہ رسول پاکؐ کی رحلت سے تین دن قبل جب آپؐ شدید درد میں مبتلا تھے تو آپؐ نے اصحاب سے ''قرطاس و قلم'' مانگا تا کہ ایسی تحریر لکھ دی جائے کہ بعد میں امت گمراہ نہ ہو، لیکن اصحاب میں جھگڑا شروع ہو گیا، کچھ کاغذ اور قلم دینے کے حق میں تھے لیکن حضرت عمر تیار نہ تھے، بلکہ ہذیان جیسی تہمت بھی آپؐ پر لگا دی کہ بخار کی شدت ہے (نعوذ باللہ) اور آپؐ سے صحیح بات نہیں کی جا رہی۔ اور کچھ ایسا جھگڑا ہوا کہ رسول پاکؐ نے سب کو نکل جانے کو کہا۔ اور اپنے حجرے میں سے نکال دیا۔

شاعر نے کیا خوب کہا:

وہ جانتا تھا کہ لکھیں گے کیا مرے سرکارؐ
نہ جانتا تو قلم اور دوات دے دیتا

ایک لمحہ کو اگر تصور کر لیا جائے کہ ''کتاب کافی ہے'' تو اس کتاب یعنی ''قرآن پاک'' میں کچھ محکمات ہیں کچھ متشابہات ہیں، تشبیہات' استعارے' اشارے کنائے ہیں، وہ کون سمجھائے گا۔ جن کو 'ابا' کلالہ' اور خلافت'' کا علم نہیں اور مرتے مرتے بھی ان کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو پھر کون سمجھائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ پروردگار عالم نے انسان کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ اس کی ہدایت کے لیے اور سیدھا راستہ دکھانے کے لیے قرآن میں جگہ جگہ

ان عظیم ہستیوں کا ذکر کیا ہے جن کو ہم " راسخون فی العلم " "اہل ذکر" صالحین، معصومین اور احادیث نبویؐ کے مطابق باب مدینۃ العلم کہتے ہیں، ہادیان برحق ہماری ہدایت کے لیے بھیج دیے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن کیا کہتا ہے: "یہ ہی ہادیان (چہاردہ معصومینؑ) برحق " راسخون فی العلم " ہیں جو قرآن کی تاویلات جانتے ہیں اور متشابہات کو محکمات سے الگ کرتے ہیں۔" (۱)

پھر قرآن نے کہا: "یہ ہی اولوالامر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت لازمی قرار دی ہے۔" (۲) پھر کہا: "بس اللہ نے ارادہ کر لیا کہ اے رسولؐ تیرے اہل بیت سے رجس (ناپاکی) کو دور رکھے جیسے کہ رکھنے کا حق ہے اور ان کو پاک و منزہ قرار دیا۔" (۳) پھر کہا: "اللہ نے ان پر درود و سلام واجب قرار دیا جیسا کہ اپنے رسولؐ پر۔" (۴) پھر کہا: "ان ہی کے لیے خمس کا ایک حصہ مقرر کیا" (۵) یہ ہی باب مدینۃ العلم اور ان کے اوصیائے معصومین علیہم السلام ہیں۔ یہ ہی مبدائے علم حقیقی ہیں یہی صاحبان علم لدنی ہیں، یہ ہی مشیت اللہ، حجاب اللہ اور اسماء الحسنیٰ ہیں یہ ہی مظہر صفات الٰہی ہیں اور مشیت کی کارفرمائی ان ہی کے ذریعے ہوتی ہے اور انتہائے حقیقت کا علم اور مافوق الفہم اسرار کی تفہیم اگر ہوسکتی ہے تو ان ہی کے ارشادات اور فرمودات کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ یہ ہی شک و ریب و قیاس و وہم و تخمین سے پاک و منزہ ہیں۔ یہیں سے ہمیں نور ہدایت حاصل ہوسکتا ہے، جس کو عقلی نظر ہمیں عطا نہیں کر سکتی۔ ہم دیگر مکاتب فکر کو دعوت دیتے ہیں۔

شاید کہیں پسماندہ حقیقت تجھے مل جائے
تاریخ کی پھر ازسر نو چھان پھٹک کر

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مشیت کی کارفرمائی کس طرح ہوئی اور کس طرح قرآن سے ہمیں سہارا ملتا ہے۔

مشیت کی کارفرمائی:

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے۔ اس نے ہر چیز کو عدل پر خلق کیا اور کسی میں ذرا سا بھی جھول نہیں ہوا۔ اسی لیے قرآن نے کہا" فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین " پس بہت برکت والا ہے وہ اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے۔ تخلیق کائنات میں دو اصول کارفرما ہیں، ایک "تخلیق" اور دوسرا "تکوین" بظاہر

---

(۱) (سورۂ آل عمران، آیت ۷)

(۲) (سورۃ النساء، آیت ۵۹)

(۳) (سورۂ احزاب، آیت ۳۳)

(۴) (سورۂ احزاب، آیت ۵۶)

(۵) (سورۂ انفال، آیت ۴۱)

دونوں کا مطلب پیدا کرنا ہے مگر طریقہ الگ الگ ہے۔

تخلیق:

تخلیق کے لیے 'اسباب مادی'' کا ہونا اور ایک ''مقررہ عمل' ضروری ہے۔ جیسا کہ قول خداوند تعالیٰ ہے'' انی جاعل فی الارض خلیفه 'یہ مشیت الٰہی کا اظہار ہے اور پھر کارفرمائی اس طرح ہوئی کہ زمین کے مختلف حصوں سے مٹی لائی گئی (یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں) اور پھر آدمؑ کا پتلا بنایا گیا۔

تکوین:

تکوین کا مطلب بظاہر پیدا کرنا ہے، مگر اس میں ''اسباب مادی'' کا ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی'' مقررہ عمل'' ضروری ہے۔ یہ لفظ ''کن'' سے ماخوذ ہے اور صرف حکم ''کن'' کی کارفرمائی ہے یہ قضاء امر ہے اور بغیر اسباب مادی نفاذ مشیت ہو جاتا ہے۔ جیسے کہا گیا'' کن فیکون'' ہو جا اور ہو گیا۔'' فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ'' (۱) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا آسمان اور زمین کو کہ وجود میں آ جاؤ چاہے تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں وجود میں آ گئے اور کہا ہم وجود میں آ گئے فرمانبرداروں کی طرح۔ اسی لیے نگاہ بظاہر تخلیق دیکھ سکتی ہے سمجھ سکتی ہے لیکن حقیقت ''تکوین'' باطن اور راز غیب ہے، جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔ ''تخلیق اور تکوین'' میں مجاز و حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تخلیق کے لیے اسباب مجازی سے استفادہ ممکن ہے۔ البتہ جو اسباب مجازی مشیت کی تعمیل کرتے ہیں ان میں مشیت'' حقیقت'' ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہو گیا ہے کہ ''حقیقت اور مجاز'' کیا ہیں۔ ہم ان کی تشریح کرنے کی کوشش کریں گے اور ان میں کیا فرق ہے، اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان دونوں کے نہ سمجھنے سے ہی انسان شک میں پڑ جاتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے۔

حقیقت:

خداوند تعالیٰ ایک دائمی حقیقت ہے، جس کا کوئی انسان' جن یا اس کی خلق کی ہوئی شے انکار نہیں کر سکتی۔ کوئی بھی مذہب' مسلک یا مکتب فکر انکار کی جرأت نہیں کر سکتا بلکہ تمام کسی نہ کسی صورت میں اس کو مانتے ہیں اور اس کی عبادت کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ چاہے وہ انسان ہوں' جنات ہوں یا چرند پرند' نباتات یا جمادات ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ تمام ملائکہ بھی ہر وقت تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق ہے اور ہر شے کے وجود کا باعث ہے۔ ''اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی شے بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں وہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے وہ دلوں اور دماغوں کی بات بغیر کہے سن لیتا ہے۔ وہ ''فاعل حقیقی'' ہے ہمارا رازق' خالق

(۱) (سورۂ فصلت ۴۱، آیت ۱۱)

اور مالک ہے۔ یہ بہت ہی وسیع موضوع ہے۔ اس پر اس وقت ہم بس اتنی ہی گفتگو کر سکتے ہیں۔ کسی اور وقت اس پر گفتگو کرنے کی سعی کریں گے۔

مجاز:

مجاز اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ کبھی یہ ظاہر بظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی۔ جیسا کہ والدین اپنی اولاد کے لیے "مجازی خدا" ہیں، شوہر اپنی بیوی کے لیے "مجازی خدا" ہے۔ ملک الموت (حضرت عزرائیلؑ) مجازی مارنے والا ہے۔ اپنے رب کی مرضی سے مارتا ہے اور روح قبض کرتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن اس سلسلے میں کیا حکم پروردگار کی طرف سے صادر فرماتا ہے۔ اس کے لیے ایک لمحے کو ہمیں پہلے والے ابواب کی طرف لوٹنا ہوگا۔

۱) پروردگار عالم کا فرمان ہے: "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ، ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ "(۱) یعنی ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے یوں خلق کیا کہ اس کا ایک قطرہ (نطفہ) ایک محفوظ جگہ پر ٹپکا دیا (رحم مادر میں) اور اس قطرے کو ایک لوتھڑے کی شکل دے دی اور پھر اس لوتھڑے سے ہی گوشت بنایا اور اس سے ہڈیوں کی تخلیق کی اور گوشت کو ان ہڈیوں پر یوں چڑھایا کہ کچھ دنوں میں (۹ ماہ) ایک جیتی جاگتی مخلوق (انسانی بچہ) کی صورت گری کردی۔ اس سورۃ میں قرآن نے دونوں یعنی "مجاز اور حقیقت" کو واضح کر دیا۔ نطفہ کا رحم مادر میں جانا شوہر اور بیوی دونوں کے تدبیری عمل سے مشروط ہے اور رحم مادر میں تخلیقی عمل تقدیری ہے۔ اسی لیے کہا گیا "فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" یعنی بہت بابرکت وہ اللہ ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے۔ خالقین کے لفظ میں فضل وعدل الٰہی کا اظہار ہے اور بچے کے والدین مجازی خالق ہیں، جو نظر انداز نہیں کیے گئے۔

۲) سورۂ بنی اسرائیل میں پھر پروردگار عالم نے حکم دیا: "وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا "(۲) دعا مانگو کہ اے پالنے والے ان پر (والدین پر) رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔" اس آیت میں والدین "رب مجازی" ہیں۔ ماں نے اتنا ہی کیا کہ اپنا دودھ بچے کے منہ میں دے دیا، لیکن چشمۂ شیر بچے کو چوسنے اور پینے کا ملکہ "رب حقیقی" یعنی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور اسی لیے "رب حقیقی" نے "رب مجازی" کے حق میں دعا کا حکم دیا۔ اور اسی طرح (سورۂ حج کی آیت ۵ اور سورۂ زمر کی آیت ۴) میں بھی خلقت انسان کا ذکر ہے۔

---

(۱) (سورۂ مومنون، آیت ۱۲، ۱۳)

(۲) (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۴)

۳) ''سورۃ الملک میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ''(۱) موت اور حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خلقت و ربوبیت تو ارباب مجاز کے وسیلہ سے ہوئی لیکن موت ''تکوینی'' ہے۔ قبض روح کے عامل و قائل ملک الموت ہیں۔ وہ مجازی مارنے والے ہیں ان کا فعل بہ امر رب ہے۔ فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن ''تکوین'' کے لیے فاعل مجازی ''ملک الموت'' کا وجود ثابت ہے۔

قابل غور:

ہم نے قرآن پاک سے مثالیں دے کر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''تخلیق وتکوین'' اور حقیقت و مجاز'' کیا ہیں اور کس طرح اپنے اپنے فعل کو بجا طور پر انجام دیتے ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اب ہم انتہائی اہم بات کا تذکرہ کریں گے کہ ''مجاز'' یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ قرآن پاک میں کچھ ایسی سورتیں اور آیتیں ہیں، جن سے ''مجاز'' کی اہمیت سمجھ میں آ جائے گی اور یہ ہی اس تمہید باندھنے کا موجب ہے۔ پروردگار عالم سے دعا گو ہوں کہ قارئین کرام اس نکتے کو سمجھ جائیں، جس تک لانے کی ہم نے کوشش کی۔

۱) قرآن پاک میں ارشاد خداوند تعالیٰ ہے ''قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ'' (۲) اے ابلیس تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔

فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس آیت میں دست مجازی کا ذکر ہے اور یہ صراحت کے ساتھ ''مجاز'' کی طرف اشارہ ہے۔ تخلیق آدمؑ کے فاعل مجازی کے کون سے دو ہاتھ ہیں یہ نبیؐ بتائیں یا خطیب منبر سلونی؟

۲) قرآن پاک میں پھر ارشاد خداوند تعالیٰ ہے اور یہ فرمان طوفان نوحؑ کے حکم نافذ ہونے سے پہلے کا ہے اور مومنین نوحؑ کی سلامتی کے لیے ہے، جب حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ملا۔ ''وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا'' (۳) اے نوحؑ کشتی بناؤ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق۔ اس آیت میں آنکھوں کا ذکر ہے جو یقیناً فاعل مجازی کی ہیں۔ فاعل حقیقی کو تو آنکھیں نہیں۔

۳) قرآن پاک کی اس آیت میں کہا گیا کہ جب حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر گئے تو دیکھا کہ ایک جھاڑی نما درخت سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور آواز قدرت آ رہی ہے۔

---

(۱) (سورۃ الملک، آیت ۲)

(۲) (سورۃ ص، آیت ۷۵)

(۳) (سورۃ ھود، آیت ۳۷)

"أَن يَا مُوسَى إِنِّیۡ أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الۡعَالَمِيۡنَ" (۱) اے موسیٰ میں اللہ ہوں عالمین کا رب۔ اس آیت میں اللہ کو متکلم دکھایا گیا ہے یعنی بولنے والا۔ قرآن پاک کی اسی آیت پر ہم ایمان لائے اور اللہ کو فاعل حقیقی اور فاعل متکلم حقیقی سمجھا اور اپنے دین میں یہ عقیدہ راسخ کر لیا کہ اللہ بات کرتا ہے۔

غور طلب:

مذکورہ بالا آیت قرآنی میں بہت سی باتیں واضح ہو گئیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی ہے اور اس نے "مجاز" کو راز میں رکھا ہوا ہے، جس کے ہاتھ بھی ہیں جو آنکھیں رکھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک و منزہ ہے وہ کسی مادی چیز میں نہیں آ سکتا اس کو اس کی ضرورت نہیں، لیکن وہ ایسا طاقتور نور ہے جو کائنات کی ہر شئے کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی چیز یا شئے اس کی دسترس سے باہر نہیں۔ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہ لائق سجدہ ہے، اس کی اطاعت لازمی ہے۔ اس کے احکامات ہر نبی، رسول، پیغمبر، اولیاء، انسان، جن اور تمام کائنات کی ہر شئے ماننے کی پابند ہے۔ اس کی کوئی حکم عدولی کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ فاعل مجازی کا بھی بار بار ذکر ہے۔ والدین مجازی خدا ہیں اور اولاد پر اطاعت لازم ہے مگر سجدہ جائز نہیں اور اسی طرح بیوی کے لیے شوہر کی اطاعت لازمی ہے سجدہ جائز نہیں۔ ملک الموت فاعل مجازی ہے لیکن لائق سجدہ نہیں۔ بارش کے قطرے قطرے کے ملک مقرر ہیں، جن کو ہم مشیت الٰہی کے تابع فاعلان مجازی تسلیم کرتے ہیں۔ پروردگار عالم نے شروع ہی سے "مجاز" کو مخفی رکھا جو ہاتھ بھی رکھتا ہے آنکھیں بھی اور گفتگو کرتا ہے جو غیب کا علم بھی جانتا ہے

آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک اس ضمن میں کیا کہتا ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَاءُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ " (۲) "اللہ تم کو غیب کی خبر دینے والا نہیں۔ البتہ جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں اس غیب کی اطلاع دینے کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ"

دوسری آیت اللہ کے متکلم ہونے سے متعلق ہے جس میں بہت صاف طور پر اللہ نے واضح کر دی ہے۔ "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَاۤءِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَاۤءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِيۡمٌ" (۳)

"اور کسی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعے سے جیسے (حضرت داؤد علیہ السلام) یا پردے کے پیچھے سے جیسے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی درخت نما جھاڑی سے یا معراج کی

---

(۱) (سورۂ قصص، آیت ۳۰)

(۲) (سورۂ آل عمران، آیت ۱۷۹)

(۳) (سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱)

شب عرش معلیٰ پر پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے، جیسے ہمارے رسول پاکؐ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔ غرض وہ اپنے اختیار سے جو وہ چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے۔ بے شک وہ عالی شان حکمت والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں صاف ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود بات نہیں کرتا مگر جسے چاہے پردے کے پیچھے سے بلوا دے یا جھاڑی نما درخت کے پیچھے سے گفتگو کرے۔ یہاں پردے کے پیچھے سے مراد کیا ہے آیئے رسول پاکؐ کی حدیث قدسی کو دیکھتے ہیں۔ آپؐ سے کسی نے پوچھا: " بأیّ لغة خاطبک ربک لیلة المعراج" کہ معراج کی شب اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے کس لہجے میں گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا:

" خاطبنی بلغة علی ابن ابی طالب " اللہ تعالیٰ نے "علیؑ" کے لہجے میں گفتگو فرمائی۔

یہ روایت کتاب (۱) کتاب (۲) کتاب (۳) کتاب (۴) کتاب (۵) میں دیکھی جا سکتی ہے اور اسی پر شاعر اہل بیت جناب شوکت رضا شوکت فرماتے ہیں:

اک رات محمدؐ ہوا مہمان جلی کا
خالق سے ہوئی بات یہ کہنا ہے ولی کا
پردے میں خدا تھا کہ نہیں تھا اسے معلوم
سرورؐ نے بتایا ہے کہ " لہجہ تھا علیؑ کا "

پھر آپ یعنی شوکت رضا شوکت فرماتے ہیں:۔

کمال و رفعت کی منزلوں پہ سدا خدا کے ولی کو دیکھا
جدھر جدھر بھی نظر اٹھائی وہاں پہ نور جلی کو دیکھا
جہاں ضرورت پڑی، خدا و نبیؐ کو حیدرؑ ہی کام آیا
وہاں بھی شب میں علیؑ کو دیکھا یہاں بھی شب میں علی کو دیکھا

ہم امید رکھتے ہیں کہ قارئین "مجاز" کی حقیقت کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اور پروردگار نے ایک ہی "مجاز" کو وہ طور پر اور عرش معلیٰ پر ایک ہی "مجاز" سے گفتگو کروائی اور رسول پاکؐ کی حدیث کے مطابق "علیؑ" کے لہجے میں

---

(۱) ارشاد القلوب جلد ۲، ص ۲۳۳

(۲) بحار الانوار جلد ۱۸، ص ۳۸۶

(۳) مدینة المعاجز، ص ۱۵۷

(۴) الجواہر السنیہ، باب ۱۳، ص ۲۲۸

(۵) مناقب مرتضوی، باب ۲، منقبت ۹۶

گفتگو ہوئی۔ "مجاز" کا عقدہ اس وقت کھلا، جب مولائے متقیان، مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: "اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ بِاِذْنِ رَبِّیْ" میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں اپنے رب کی مرضی سے، پھر کہا: "اَنَا دَآبَّةُ الْاَرْضِ" میں زمین کا بچھانے والا ہوں، "اَنَا خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (۱) میں آسمانوں اور زمین کا خلق کرنے والا ہوں۔ پھر فرمایا میں نے ہی عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے جھولے میں بات کی۔ میں نے ہی یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی دلوائی، جب اس نے مجھے مدد کے لیے پکارا، میں ہر نبی کے زمانے میں مخفی رہا، لیکن رسول پاکؐ حضرت محمد پیغمبر آخر الزماںؐ کے ساتھ ظاہر بظاہر یہ ثابت کرنے کے لیے رسول پاکؐ کی حدیث قدسی کا مطالعہ ضروری ہے۔ فرمایا: "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو خلق کیا۔ "اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ" میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ "فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ" فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ "حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ" حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ "حسنؑ و حسینؑ شباب اہل جنت کے سردار" (۲)

کوکب دری میں دیے ہوئے مولائے متقیان، مولائے کائناتؑ کے فرمودات کو شاعر فطرت جناب "احمد نوید" صاحب نے اپنے اشعار میں کس خوبی سے منظوم کیا ہے:

میں نے قائم کیے افلاک بچھائی یہ زمیں
یہ ستارے یہ مہہ و مہر مرے زیر نگیں
یہ مکاں "بیت اللہ" اپنی ہی تنہائی سے گاڑا میں نے
اس مکاں میں کہاں موجود کوئی مجھ سا مکیں
میں ہی اول بھی ہوں اوسط بھی ہوں آخر بھی ہوں
آپ باطن بھی ہوں اور آپ ہی ظاہر بھی ہوں میں ید اللہ بھی
ہوں سیف اللہ بھی میں ہوں
موجۂ نیل بھی موسیٰؑ کا عصا بھی میں ہوں
میں ہی کہتا ہوں کہ میں نے کیا تخلیق جہاں
بس فقط یہ نہیں کہتا کہ خدا بھی میں ہوں
رازِ کن رازِ ازل رازِ بقا ہے مجھ میں
میں خدا میں نہیں موجود خدا ہے مجھ میں

---

(۱) (کوکب دری)

(۲) (کوکب دری)

حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ پھر فرمایا: "کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ" میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ مٹی اور پانی کے درمیان بننے کی منزلوں میں تھے اور مولائے کائناتؑ نے فرمایا: "کُنْتُ وَلِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ" میں اس وقت بھی ولی تھا جب حضرت آدمؑ پانی و مٹی کے درمیان بننے کی منزلوں میں تھے۔ تو ان احادیث سے ان کا اوّل مخلوق ہونا ثابت ہے۔ یہ ہی انوارِ مقدسہ ہیں، یہ ہی مرضاتہ اللہ ہیں، یہ ہی مظہر صفاتِ الٰہی ہیں، یہ ہی کلمتہ اللہ ہیں جو حقیقت کنزِ مخفی کے عرفان کے لیے عالمِ مجاز میں سبب بنے، یہ ہی اولوالامر ہیں، جن کا امر واجب القضاء ہے۔ یہ جب کہہ دیں کہ "ہوجا تو ہوجاتا ہے" یہ جب چاند کی طرف اشارہ کردیں تو چاند دو ٹکڑے ہوجائے اور کوہ ابوقبیس کے دونوں طرف ہوجائے۔ یہ ہی جب وضو کے لیے آستین پلٹیں تو سورج واپس پلٹ آئے۔ یہ ہی جب کہہ دیں کہ پانی نہیں جواہر ہیں تو پانی ہیرے جواہر بن جائے۔ یہ جب چاہیں مردہ زندہ ہوجائے۔ جب چاہیں نصیری کو ستر بار قتل کریں اور زندہ کریں۔ اور یہ ہی صفات سب میں موجود ہیں اور جب آٹھویں امام رضا علیہ السلام قالین کے شیر کی طرف اشارہ کریں تو وہ حقیقت بن کر آئے اور شعبدہ باز کو ہڑپ کر جائے۔ اور ان میں سے ہی بارھواں ہادی عالمِ غیب میں ہے۔ یہ ہی اسرارِ الٰہیہ کے جاننے والے ہیں۔ یہ ہی سرِ یّت یعنی غیب الغیب سے واقف ہیں۔ اور ان ہی ہادیانِ برحق کا بارھواں ہادی (حضرت امام مہدیؑ) خود پردۂ غیب میں ہے اب جبکہ اسرارِ الٰہیہ کو جاننے والا بھی راز بنا ہوا ہے اور اس تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ غیب کا پردہ ہٹے تو شعور کو وہ جلوہ حاصل ہو جس کا انتظار ہے۔ اس وقت تک "انتہائے حقیقت" کا علم یا "انتہائے علوم حقائق" پر مطلع ہونے کا ذریعہ ارشاداتِ معصومین اور فرامین حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ ہم درخت نما جھاڑی کو تو خدا ماننے کو تیار ہیں، لیکن ارشاد مولا علی علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) افترا کیوں قرار دیں۔ یہ نکتہ سمجھانے کے لیے ہم نے کوشش کی ہے۔ اسی لیے ہمارے لیے، بلکہ تمام مکاتبِ فکر کے لیے لازم ہے کہ وہ جان لیں کہ حقیقت حقیقت ہے اور مجاز مجاز یہ، الگ الگ ہیں اور رہیں گے لیکن ہم جب بھی حقیقت کو مجاز اور مجاز کو حقیقت کا روپ دیں گے تو "شرک" کرنے لگیں گے۔ پروردگارِ عالم ہر شے سے پاک و پاکیزہ اور منزہ ہے اسے کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کسی مادّی چیز میں در آئے یا کسی سے بولنے لگے۔ وہ عظیم ہے اور رہے گا، اس کی مثل قیامت تک کیا ابدالآباد تک بھی ہونا ناممکن ہے۔

معجزۂ ولادت شیرِ خداؑ

ہم نے یہاں ولادت کے ساتھ ''معجزہ'' کا لفظ اس لیے لکھا ہے کہ آپؑ کی ولادت باسعادت ایک عظیم ''معجزہ'' سے رونما ہوئی۔ اور اسی لیے کہ پروردگار عالم آپ کی افضلیت کو دنیا کے سامنے عیاں کرنا چاہتا تھا۔ ''معجزہ'' کے تین لغوی معنی ہیں عاجز کر دینا۔ دوسرے قانون قدرت سے بڑھ کر۔ تیسرے خرق عادت (کرامات) عاجز کر دینے سے مراد یہ نہیں ہے کہ کسی کو زچ کر دیا جائے بلکہ یہاں مراد عقلی طور پر عاجز کر دینا یعنی کوئی چیز جو عقل میں نہ سمائی جا سکے اور قانون قدرت سے بڑھ کر یا کرامات سے کسی بھی شے کا وجود میں آنا معجزہ کہلاتا ہے۔ اور اسی لیے ہم نے یہاں ''معجزۂ ولادت'' تحریر کیا ہے، کیونکہ مولائے کائناتؑ، پیغمبر اسلامؐ کے مدار المہام' ہارون فخر انبیاءؐ' امام الاولیاء' سید الاوصیاء' شیر خدا' مظہر شان شکوہ مصطفیٰؐ' ذات پرمایہ جود وسخا' آب وتاب چہرہ' فقر وغنا' قائد ایوان تسلیم ورضا' شمع دانش نیر برج ولا' روح آیہ ہل اتی' تاج انما' حکیم الاسلام' امام متقیان' یعسوب الدین' یعسوب المومنین' قائم اللیل وصائم النہار' ابن عم رسولؐ' زوج بتولؑ' خطیب منبر سلونی' مجاز خفی' شمس امامت' ہادیان برحق (ائمہ کرامؑ) کا سرخیل' قسیم نار والجنہ' در خیبر کو اکھاڑنے والا' سورج کو پلٹانے والا' باب مدینۃ العلم والحکمہ' غالب کل غالب حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی ولادت بھی ایک عظیم ''معجزہ'' ہے، آج تک کسی کو ایسا شرف حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی قیامت تک ہو سکتا ہے۔

پروردگار عالم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ انسانیت کی فلاح و بہبود اور ایک خدائے وحدہ لاشریک کی اطاعت اور عبادت کے لیے مبعوث فرمائے ان میں سے بہت سے انبیاءؑ کی ولادت ''معجزے'' سے ہوئی، جن میں سے چند اولوالعزم پیغمبروں کا تذکرہ سرسری طور پر ہم کرنا چاہیں گے تاکہ مولائے کائناتؑ کی ولادت تک جن انبیاء کی ولادت معجزے سے ہوئی، ہمارے قارئین جو پہلے ہی اس بارے میں جانتے ہیں، ان کو ہمارا مقصد اور ہماری منزل سمجھ میں آسکے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام:

شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت بی بی ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد پروردگار عالم نے حضرت بی بی سارہؑ سلام اللہ علیہا جو اس وقت تقریباً نوے (۹۰) برس کی ہو چکی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تقریباً (۱۰۰) سو سال سے اوپر ہو چکے تھے، وحی کی کہ ان کو ایک بیٹا عطا کریں گے۔ اس پر بی بی سارہؑ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا کہ وہ تو اس عمر سے گزر چکی ہیں اور بڑھاپے کی دہلیز پر ہیں جب بچے پیدا ہونے کی امید نہیں ہو سکتی۔ اس کے جواب میں پروردگار عالم نے وحی کی ہم ایسا ہی کریں گے اور پھر تاریخ کہتی ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی ولادت ''معجزے'' کے زمرے میں ہی آئے گی۔ کیونکہ یہ قانون قدرت سے بڑھ کر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بہت ہی نامساعد حالات میں ہوئی۔ جب فرعون مصر نے بنی اسرائیل پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے تو پروردگار عالم کو جلال آ گیا اور فرعون مصر کو عبرت کا نشان بنانے کا مرحلہ تیار کر لیا گیا۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ہم سرسری جائزہ لیں گے۔ اس زمانے میں جادوگری اور علم نجوم عروج پر تھے اور سامری جادوگر جیسے بدطینت لوگ موجود تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آنے لگا تو اس وقت کے نجومیوں نے یہ پیشن گوئی کی کہ ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا جو مصر کے فرعون اور اس کے تخت کو الٹ پلٹ کر دے گا اور سلطنت کو برباد کر کے اپنی قوم کو بچا کر لے جائے گا۔ فرعون مصر (ریمسس Remsis) نے یہ بندوبست کیا کہ بنی اسرائیل کے مردوں کو الگ قید کر دیا اور خواتین کو الگ قید کر دیا تاکہ بچہ پیدا ہونے کے تمام اسباب کو ختم کر دیا جائے لیکن وہ یہ بھول گیا کہ پروردگار عالم ''احسن الخالقین'' ہے اور اس کی منصوبہ بندی کے آگے کسی کی مجال نہیں کہ کوئی رکاوٹ پیدا کر سکے اور اسی لیے ایک دن فرعون مصر نے عورتوں پر والدہ موسیٰ علیہ السلام کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیا اور مردوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بزرگوار کو مقرر کر دیا تاکہ کوئی ملنے کی جرات نہ کر سکے لیکن یہ دونوں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدین رات کو آپس میں مل لیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رحم مادر میں وجود میں آ گئے۔ دوسرے دن نجومیوں یہ پیشن گوئی کی کہ رات کو وہ بچہ اپنی والدۂ گرامی کے ''رحم'' میں پہنچ گیا ہے۔ اس پر فرعون مصر بہت پریشان ہو گیا اور اس نے حکم صادر کیا کہ آج سے نو ماہ تک جو بچہ بھی پیدا ہو بنی اسرائیل میں اسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا مرحلہ نزدیک آیا تو پروردگار عالم نے والدۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ بچے کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا اور جیسے جیسے وہ صندوق دریائے نیل میں بہتا ہوا جانے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن (مریم) کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں اور انہوں نے دیکھا کہ وہ صندوق اس نہر میں چلا گیا جو فرعون مصر کے محل میں جاتی تھی۔ جب یہ صندوق محل میں پہنچا تو حضرت بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ موجود تھیں اور انہوں نے وہ صندوق نکال لیا اور کھول کر دیکھا تو ایک خوبصورت بچے کو اس میں پایا۔ حضرت بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا نے بچے کو اٹھا لیا اور اپنی گود میں لے لیا، لیکن بچے کو دودھ پلانے کا مرحلہ آیا تو حضرت بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا کو تشویش ہوئی اور انہوں نے کوئی دایہ جو بچے کو دودھ پلا سکے لانے کی خواہش کی۔ کئی عورتیں آئیں لیکن بچے نے دودھ نہیں پیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ دیکھا تو انہوں نے حضرت بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا کہ ''میں ایک عورت'' کو جانتی ہوں کہ اس کا بچہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت بی بی آسیہؑ نے ان کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور وہ جا کر اپنی والدہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے

آئیں۔ اور حضرت موسیٰؑ نے خوشی خوشی دودھ پینا شروع کر دیا اور اسی لیے پروردگار عالم نے قرآن میں فرمایا: کہ ہم نے "اس طرح حضرت موسیٰؑ کو ان کی والدہ سے ملا دیا" اس کے بعد ان کی پرورش فرعون مصر کے محل میں ہونے لگی، بلکہ خود فرعون مصر کی گود میں ہونے لگی۔ اور یہ ولادت اور پرورش بھی "معجزہ" اور اللہ تعالیٰ کی عظیم منصوبہ بندی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش خود ایک بڑا "معجزہ" ہے۔ یہ جو ہم تحریر کر رہے ہیں ان سب کا قرآن پاک میں تفصیلاً ذکر ہے۔ ہم سرسری طور پر ذکر کریں گے۔ حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ بغیر ماں باپ کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا کیے گئے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔ حضرت بی بی مریم سلام اللہ علیہا کے والد گرامی نے پروردگار سے بیٹے کی خواہش کی اور دعا کی کہ ان کے بیٹا ہو تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گے، لیکن قدرت خدا سے ان کے بیٹی پیدا ہوئی اور ان کا نام "مریم" رکھا گیا۔ عزیز و اقارب حیران ہوئے کہ بیٹے کی جگہ بیٹی پیدا ہو گئی، لیکن پروردگار عالم کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضرت بی بی مریمؑ کی کفالت حضرت زکریاؑ علیہ السلام کے ذمے ہوئی اور وہ ان کی پرورش کرنے لگے۔ جب حضرت بی بی مریم سلام اللہ علیہا جب سن بلوغ کو پہنچیں تو پروردگار عالم نے وحی کے ذریعے ان کو خبر دی کہ عنقریب ان کو بیٹا عطا کیا جائے گا۔ حضرت بی بی مریمؑ نے جواب میں کہا کہ ان کو تو آج تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں، پھر یہ سب کیسے ہوگا، لیکن قدرت الٰہی اور قانون قدرت سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا مرحلہ قریب آ گیا۔ ان تمام مراحل کے دوران حضرت بی بی مریمؑ "مسجد اقصیٰ" قبلہ اوّل کے ساتھ ملحق ایک کمرے میں رہتی تھیں اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب رحم مادر میں تھے تو حضرت زکریا علیہ السلام دیکھتے تھے کہ بے موسم کے پھل حضرت بی بی مریمؑ کے پاس موجود ہوتے تھے، جس پر وہ تعجب کرتے تھے۔ جب پیدائش کا مرحلہ قریب آ گیا تو حضرت بی بی مریمؑ نے چاہا کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہو رہا ہے تو وہ کیوں نہ "مسجد اقصیٰ" بیت المقدس کے اندر چلی جائیں، ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ آواز قدرت آئی کہ مریمؑ یہ میرا گھر ہے بچہ پیدا کرنے کی جگہ نہیں، دور چلی جاؤ اور اس کے بعد حضرت مریمؑ بیت اللحم میں چلی گئیں اور وہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور اس طرح ان تمام اولوالعزم پیغمبروں کی پیدائش قانون قدرت سے بڑھ کر "معجزے" سے ہوئی۔ ہم نے یہ سب اس لیے تحریر کیا ہے کہ ہم اپنے قارئین کو ایک خاص نکتے کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جو آگے جا کر بیان کریں گے۔

افلاک عالم پر طلوع شمس امامت کی تیاریاں

دین اسلام میں قمری مہینوں کا اجراء بہت پہلے سے ہو چکا تھا اور ان مہینوں کی تاریخوں میں بہت سی تاریخوں کی اہمیت ہے اور جہاں بہت ہی اچھی روایات کی حامل تاریخیں ہیں، وہیں پر توہمات' ذہنی اختراعات کی وجوہ کی بناء پر تیرہ تاریخوں کو کسی بھی کام کے شروع کرنے کے لیے مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ مگر خالق کائنات کو خصوصی طور پر ۱۳ رجب المرجب کو وہ عظمت بخشی تھی کہ آج تک اس تاریخ کی اہمیت پر کسی کو اعتراض نہیں ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ قارئین ہمارا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ اسی تاریخ کو ایک عظیم ہستی کا ظہور رہوا۔ وہ ہیں ہمارے مولائے کائنات' شیر خدا' مولائے متقیان امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام۔

''ام القریٰ'' آبادیوں کی ماں یعنی مکہ مکرمہ اس کائنات کا مرکز ہے یعنی یہیں سے زمین میں آبادیاں شروع ہوئیں۔ ہم یہ اپنے شروع کے ابواب میں تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں اور ''مکہ مکرمہ'' کا درمیان یا مرکز خانہ کعبہ ہے۔ روایت کے مطابق ''خانہ کعبہ'' کی بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی اور بعض روایات کے مطابق حضرت آدمؑ نے ڈالی اور بعد میں قرآن پاک کے مطابق اس کی دیواریں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اٹھائیں۔ دیکھنے میں یہ ایک سادہ سی عمارت ہے، نقش ونگار سے معرا' زینت وآرائش سے خالی اور چونے اور پتھروں کی بنی ہوئی سیدھی سادھی سی عمارت ہے۔ لیکن یاد رہے اس کا ایک ایک پتھر برکت وسعادت کا منبع اور عزت وحرمت کا سرچشمہ اور مرکز ومحور ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو محترم گھر قرار دیا۔ خانہ کعبہ کی عزت وحرمت دائمی وابدی ہے جو نہ پہلے زمانے اور وقت کی پابند تھی اور نہ قیامت تک اس میں کمی وبیشی آئے گی، بلکہ روز اوّل سے اور اس کی تعمیر کے دن سے ہی اسے بلند ترین عظمت اور غیر معمولی مرکزی حیثیت حاصل رہی اور اب بھی اس کی مرکزیت واہمیت بدستور قائم ہے اور تمام دنیا میں مقیم اہل اسلام اسی کی طرف رخ کر کے عبادت پروردگار کا فریضہ انجام دیتے ہیں، چاہے وہ مغرب' مشرق' عجم ہو یا عرب' افریقی ہو یا ایشیائی سب نماز کے وقت اس ہی کی طرف رخ کرتے ہیں اور عمرہ اور حج کے دوران اسی کا طواف کر کے افضل ترین عبادت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، جس کا اجر پروردگار عالم کے ہاں عظیم ہے اور دوران طواف اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ حاجی کے شانے اس کی سمت سے منحرف نہ ہونے پائیں اور یہ حج کا ایک بڑا رکن اور اس کی عظمت وتقدس کا ایک بڑا مظاہرہ ہے۔

خانۂ خدا میں امام اوّل کا ظہور:

۱۳ رجب المرجب سن ۳۰ عام الفیل بروز جمعۃ المبارک، بمطابق سن ۶۰۰ء کا وہ عظیم دن تھا جب امام مبین، امام اوّل، امام شش جہات، امام متقیان، یعسوب الدین، مددگار انبیاء، غالب کل غالب، حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا خانۂ کعبہ سے ظہور پرنور ہوا۔ ویسے تو آپؑ کی نوری تخلیق عالم کون ومکان، عالمین اور تمام شے سے پہلے تخلیق آدمؑ وحواؑ سے پہلے رسول مقبول افضل البشر، افضل الانبیاء، رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو چکی تھی۔ اور آپؑ (رسول پاک) نے جب یہ کہا " کُنتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَینَ الْمَاءِ وَالطِّینِ "" تو مولا کائنات نے فرمایا "کُنتُ وَلِیًّا وَآدَمُ بَینَ الْمَاءِ وَالطِّینِ" لیکن بشری لباس انسانی شکل میں آپؑ کی پیدائش ۱۳ رجب المرجب سن ۳۰ عام الفیل بروز جمعہ خانۂ خدا، سن ۶۰۰ء میں ہوئی اور یہ ایک عظیم معجزۂ کائنات تھا، جس کی حقیقت سے کوئی انسان قیامت تک انکار نہیں کر سکتا اور یہ شرف آپؑ سے پہلے اور آپؑ کے بعد کسی کو حاصل ہوا اور نہ ہی ہو سکے گا۔ مورخین عالم نے آپؑ کے خانۂ کعبہ میں پیدا ہونے کے متعلق کبھی کوئی اختلاف ظاہر نہ کیا، بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ " لَمْ یُولَدْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مَوْلُودٌ فِی بَیْتِ الْحَرَامِ " (۱) آپؑ سے پہلے کوئی خانۂ کعبہ میں پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا اور اس کے بارے میں علماء نے تواتر کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ محدثین واہلِ سیر نے حضرت امیر المومنینؑ کے مخصات میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتب وتصنیفات ہیں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری تحریر کرتے ہیں " تواترت الاخبار ان فاطمه بنت اسد ولدت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه فی جوف کعبه " (۲) "اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وسط خانۂ کعبہ میں فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کے بطن سے متولد ہوئے" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اور اس امر کی صداقت کی تصدیق کی ہے کہ ان سے پہلے اور بعد میں کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا اور نہ ہوگا۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ " تواترت الاخبار ان فاطمہؑ بنت اسد ولدت امیر المومنین علیا فی جوفِ الکعبه فانه ولد فه یوم الجمعته ثالث عشرین شهر رجب بعد عام الفیل بثالثین سنة فی الکعبة و لم یولد فیها احد سوره قبله ولا بعده" "متواتر روایات سے ثابت ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام روز جمعۃ المبارک تیرہ رجب تیس عام الفیل کو وسط کعبہ میں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہوئے اور آپؑ سے پہلے اور نہ آپؑ کے بعد کوئی خانۂ کعبہ میں پیدا ہوا۔"

عصر نو کے مصنف عباس محمود عقاد نے اس مبارک پیدائش کو خانۂ کعبہ کی عظمت پارینہ کی تجدید اور

---

(۱) (مستدرک امام حاکم، جلد ۳، ص ۴۸۳)

(۲) (مستدرک، جلد ۳، ص ۴۸۳)

خدائے واحد کی پرستش کے دور جدید سے تعبیر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: " ولد علیؑ فی دخل الکعبة و کرم اللہ وجہ عن اسجود راضا منہا فکان نما کان میلادة ثمہ ایذانا بعھد جدید الاکعبة وللعبادة فیھا" (۱) "حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور خداوند عالم نے ان کے چہرے کو بتان کعبہ کے آگے جھکنے سے بلند تر رکھا۔ گویا اس مقام پر حضرتؑ کی پیدائش کعبے کے نئے دور کا آغاز اور خدائے واحد کی پرستش کا اعلان عام تھا"۔ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلبؑ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور یزید بن قعنب اور بنی ہاشمؑ و بنی عزیٰ کے چند افراد خانۂ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ فاطمہؑ بنت اسد تشریف لائیں اور خانۂ کعبہ کے پاس کھڑی ہوگئیں اور دوسری روایت کے مطابق طواف کرنے لگیں۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ان کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے لرزتے ہوئے، ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے' مضطرب نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

اے میرے پروردگار! میں تجھ پر اور تیرے نبیوں پر اور تیری نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں۔ تو اس باعزت گھر "کعبہ" اس گھر کے معمار اور اس مولود کے صدقے میں جو میرے شکم میں ہے میری مشکل حل کر اور اس کی ولادت کو میرے لیے آسان کردے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مولود تیرے جلال و عظمت کی نشانیوں میں ایک روشن نشانی ہے اور تو ضرور میری مشکل آسان کرے گا" حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلبؑ کہتے ہیں کہ فاطمہؑ بنت اسد اس دعا سے فارغ ہوئیں تو ہم نے دیکھا کہ خانۂ کعبہ کی عقبی دیوار "شق" ہوئی اور وہ بغیر ہچکچاہٹ کے اس نئے در سے اندر داخل ہوئیں اور دیوار کعبہ شگافتہ ہونے کے بعد پھر اپنی اصلی شکل میں آ گئی گویا کہ اس میں کبھی شگاف پڑا ہی نہ تھا۔

فاطمہؑ بنت اسد آتی ہیں کعبے کے قریب
"مریمؑ عصر" کے بی بی پہ گماں ہوتے ہیں
چاپ قدموں کی سنی اور بنایا رستہ
سچ ہی کہتے ہیں کہ دیواروں کے کان ہوتے ہیں
ڈھونڈ نے اپنے لیے اور شرف جاتا ہے
اپنی توقیر کے مرکز کی طرف جاتا ہے
لوگ جب حج کے لیے جاتے ہیں کعبے کی طرف
کعبہ اس روز وضو کرکے نجف جاتا ہے
(حضرت شوکت رضا شوکت)

---

(۱) (العبقریہ الرسدیہ ص ۸۶۳)

اس واقعہ کی صحت کو علمائے شیعہ کے علاوہ علمائے اہل سنت نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علمائے اہل تشیع میں سے ابو جعفر طوسیؒ نے "امالی" میں، علامہ مجلسیؒ نے "بحار الانوار" میں اور علماء اہل سنت میں سے میر صالح کشفی نے "مناقب" میں اور مولوی محمد مبین نے "وسیلۃ النجاۃ" میں اسے درج کیا ہے۔ اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صورت یکا یک اور اتفاقیہ طور پر پیش نہیں آئی۔ اگر یہ اتفاق ہوتا اور کسی حادثہ کی طرح رونما ہوتا تو نہ خرق عادت کے طور پر دیوار شق ہوتی اور نہ فاطمہؑ بنت اسد دیوار کے شگاف سے درانہ و بیگانہ اندر داخل ہوتیں، بلکہ عورت ہونے کے ناتے ڈر جاتیں، بلکہ وہ کیا مرد حضرات بھی ڈر جاتے۔ جیسا کہ سب حیران و پریشان ہو گئے اور جو وہاں موجود تھے وہ سب حیران و پریشان ہو گئے، کیوں کہ دیوار کعبہ کا شق ہونا خرق عادت (کرامت) ہے۔ جناب فاطمہؑ بنت اسد تین دن تک خانۂ کعبہ کے اندر رہیں اور دیکھیے کہ اس دوران ان کو نہ بھوک لگی اور نہ ہی کوئی جسمانی حاجت ہوئی، مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ اندر حور و غلمان اور جنت کے نفیس ترین پھل اور میوہ جات ہوں گے۔ چوتھے روز آپؑ باہر آئیں نومولود کو گود میں لیے ہوئے اور وہ ہی "شق"، جس سے آپؑ اندر گئی تھیں، دوبارہ شگافتہ ہوا۔ باہر رسول پاکؐ اور خاندان کے دوسرے افراد منتظر تھے، جیسا کہ ان سب کو معلوم تھا کہ کون پیدا ہوا ہے۔

در پس پردہ آنچہ بود آمد
اسد اللہ در وجود آمد

آپؑ پاک و پاکیزہ، طیب و طاہر پیدا ہوئے اور مختون پیدا ہوئے۔ آپؑ نے کبھی کسی بت کے آگے سر نہیں جھکایا اور اسی لیے آپؑ کے نام کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپؑ کے نام "علیؑ" کی تختی خانۂ کعبہ پر لگا دی گئی جو ہشام ابن عبد الملک کے زمانے تک لگی رہی۔ پیغمبر اکرمؐ جو منتظر و چشم براہ تھے آگے بڑھے اور اپنے محسن و مربی چچا کے لخت جگر کو ہاتھوں پر لے کر سینے سے لگایا۔ چچی حضور نے کہا کہ پیدا ہونے کے بعد سے بیٹا آنکھیں نہیں کھول رہا ہے لیکن انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی رسول پاکؐ نے سینے سے لگایا تو بچے نے شمیم نبوت سونگھ کر آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے جمال جہاں آرائے، حبیب خدا، افضل الانبیا، افضل البشر سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی زبان مبارک نومولود کے دہن میں دے دی اور مشیت ایزدی کے مطابق آب وحی سے امامت کے چمن کی آبیاری کی۔

علم نبوت لعاب دہن رسولؐ میں حل ہو کر علی علیہ السلام کے رگ و پے میں اترا اور زبان پیغمبرؐ نے گواہی دی کہ "خصنی بالنظر و خصصته بالعلم" اس نے مجھے پہلی نگاہ کے لیے منتخب کیا میں نے اسے علم کے لیے منتخب کیا:

اوصاف علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

من ذات علیؑ بواجبی کے دانم
الاّ دانم کہ مثل او ممکن نیست

غور طلب (تجزیہ)

ہم نے اسی باب کے شروع میں عرض کیا تھا کہ پروردگار عالم جسے چاہتا ہے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے منتخب کر لیتا ہے اور جسے چاہے معجزات عطا کرتا ہے تاکہ لوگ ان چیزوں کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کس طرح وجود میں آئیں۔ یہ کائنات خود ایک عظیم معجزہ ہے اور قوت پروردگار کا مظہر ہے۔ خداوند عالم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ انسانیت کی فلاح کے لیے بھیجے، لیکن ان میں چند اولوالعزم پیغمبروں کو معجزات دے کر بھیجا اور چند کی پیدائش معجزے سے ہوئی، جن کا تذکرہ اوپر اسی باب میں کیا جا چکا ہے، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی معجزۂ خداوندی کا اعلیٰ مظہر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مولائے کائنات کی پیدائش میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، لیکن چند باتوں میں مولاؑ کی افضلیت دکھائی دیتی ہے اور یہ شاید مشیتِ ایزدی کی کارفرمائی ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ رسول پاکؐ کی حدیث قدسی کے مطابق "اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق کیا پھر کہا "اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ" میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں پھر کہا "فَاطِمَۃُ بَضْعَتُمِّنِّیْ" فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے پھر فرماتے ہیں "حُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَامِنَ الْحُسَیْنِ" "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اور پھر سب کو شامل کر کے فرماتے ہیں "اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَخَلَقَ عَلِیٌّ وَفَاطِمَۃُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ وَ خَلَقَ شَیٌٔ بَعْدِیْ" یہ پانچ نوری افراد ہر شے کے خلق ہونے سے پہلے خلق ہو چکے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ نوری پیکر بشری لباس میں آئے تو ہم نے دیکھا کہ دنیا حیران و پریشان رہ گئی اور آج تک ان اسرار الٰہیہ کا پتا معلوم نہ کر سکی۔ اب دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معجزے کے طور پر ہوئی، ان کی والدۂ گرامی حضرت بی بی مریمؑ پر وحی کی گئی کہ ان کو بیٹا عطا کیا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

لیکن حضرت بی بی فاطمہؑ بنت اسد سلام اللہ علیہا کو الہام ہوا کہ وہ خانۂ کعبہ کی طرف آ جائیں۔ وحی کی بہت سی اقسام ہیں، یہ "الہام" بھی ایک قسم ہے ورنہ عقلی طور پر اور عام طور پر ایسا ممکن نہیں کہ جس خاتون کے بچے کی ولادت قریب تر ہو وہ اپنے گھر سے باہر جائے یا گھر کے دوسرے افراد اس کو باہر جانے دیں۔ لیکن جب سب کو یہ اشارہ مشیتِ ایزدی کی طرف سے مل گیا ہو تو پھر سب خاموش ہو جاتے ہیں اور مظاہر قدرت کا انتظار کرتے ہیں۔ آپؑ (فاطمہؑ بنت اسد) جاتی ہیں اور دعا مانگتی ہیں کہ ان کی مشکل حل ہو اور پھر پروردگار عالم نے دیوار کعبہ کو "دشق" کر کے مشکل حل کر دی اور وہ آرام و اطمینان کے ساتھ اندر داخل ہو گئیں۔ تین دن وہ خانۂ کعبہ کے اندر رہیں اور وہیں مولائے کائناتؑ کی ولادت باسعادت ہوئی اور ہمیں یقین کامل ہے کہ حور و غلمان نے بحکم خداوند تعالیٰ ان کی مدد فرمائی ورنہ ایک اکیلی خاتون بچے کی ولادت کے مراحل آسانی سے

طے نہیں کر سکتی۔ پھر تین دن تک نہ کھایا نہ پیا اور نہ ہی کوئی جسمانی حاجت پیش آئی۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ تمام مراحل مشیت ایزدی سے کارفرما اور طے ہوئے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت بی بی مریمؑ کو اندر جانے سے روک دیا گیا تھا اور جناب فاطمہؑ بنت اسد کو اندر بلوایا گیا تھا۔ اور اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے کہ جو عظمت مادر گرامی مولا علیؑ اس کائنات کے ہر انسان کو بتانا چاہتا تھا۔ یہ معجزہ مادر گرامی کے لیے وجود میں آیا اور ان کے لیے ہی دیوار کعبہ کو "شگافتہ" کیا گیا۔ مولائے کائناتؑ تو معجزہ ہونے کے بعد اندر خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اور اس کے بعد خانہ کعبہ کو مظہر خلاق عالم بنا دیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام کو خانہ کعبہ سے کئی نسبتیں حاصل ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے انہیں مثیل کعبہ فرمایا۔ انہی کے آباء واجداد نے اسے تعمیر کیا اور وہی ہمیشہ اس کے پاسبان و نگہبان رہے اور اسے طاغوتی طاقتوں کی دست برد سے بچاتے رہے۔ چنانچہ حسان ابن عبد کلال نے اسے مسمار کرنا چاہا تو "فہر ابن مالک" نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ ابرہہ ابن اشرم نے ہاتھیوں سے حملہ کیا تو حضرت عبدالمطلبؑ در کعبہ پر جم کر کھڑے ہو گئے۔ اگر بت پرستوں نے اسے صنم کدہ بنا ڈالا تو اس میں پیدا ہونے والے "حیدر کرارؑ" کے ہاتھوں سے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر ذلیل و رسوا کر کے باہر پھنکوا دیا اور ان کو "بت شکن" کا خطاب بھی عطا کیا۔ ہندوستان کی ایک شاعرہ نے کیا خوب کہا ہے:

عقیدہ مذہب انسانیت میں کب ضروری ہے
میں ہندو ہوں مگر اک "بت شکن" سے پیار کرتی ہوں (آنسہ روپ کنوار دیوی

اور اس طرح آپؑ کی ولادت کعبے کی طہارت بن گئی۔ اگر آپؑ کی ولادت کو مکانی لحاظ سے یہ شرف حاصل ہے کہ بنائے خلیلؑ مطاف خلق اور مامن عالم میں پیدا ہوئے تو زمانی لحاظ سے بھی یہ شرف ہے کہ آپؑ ماہ رجب میں پیدا ہوئے جو حرمت والے مہینوں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو رسول پاکؐ مبعوث بنبوت ہوئے اور دعوت اسلام کا آغاز ہوا۔ یہ ولادت و بعثت کا زمانی اتحاد علیؑ اور اسلام کے اتحاد باہمی کا آئینہ ہے۔ دونوں ایک ساتھ پیغمبرؐ کے سائے میں پروان چڑھے اور دونوں ایک دوسرے کی عظمت و رفعت کے پاسبان رہے۔

نام : کنیت اور لقب

پیدائش کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو طالبؑ نے آپ کا نام اپنے جد قصیٰ ابن کلاب کے نام پر "زید" رکھا اور فاطمہؑ بنت اسد نے اپنے والد ماجد حضرت "اسد" ابن حضرت ہاشم عمرو کے نام پر "اسد" رکھا اور سرور کائناتؐ جناب رسول خدا نے اللہ کے نام پر "علیؑ" رکھا۔ نام رکھنے کے بعد ابو طالبؑ اور فاطمہؑ بنت اسد نے کہا، حضور ہم نے ہاتف غیبی سے یہ ہی نام سنا تھا۔(۱)

---

(۱) (روضۃ الشہداء اور کفایت الطالب)

آپؑ کا ایک مشہور نام "حیدر" بھی ہے جو آپ کی والدۂ ماجدہ کا رکھا ہوا ہے اور اس کی تصدیق فتح خیبر کے وقت ہوئی جب مرحب مقابلہ کے لیے رجز پڑھتا ہوا آیا اور اس کے جواب میں مولاؑ نے رجز پڑھتے ہوئے کہا: "انا الذی سمتنی امی حیدرہ" میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے "حیدر" رکھا۔ اس نام کے پیچھے کئی روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ ایک دن آپ کی والدۂ گرامی کسی کام سے باہر گئیں اور آپؑ کو جھولے میں لٹا گئیں، کیونکہ آپؑ اس وقت بہت ہی چھوٹے یعنی چند ماہ کے ہی تھے۔ اسی دوران ایک اژدھا بچے کی خوشبو سونگھ کر جھولے پر چڑھ آیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا آپؑ نے اس کا منہ پکڑ لیا اور دونوں جبڑے پکڑ کر برابر چیر کر دو ٹکڑے کر دیا۔ جب والدہ آئیں اور دیکھا کہ خون ہی خون پڑا ہے اور اژدھا مرا ہوا پڑا ہے اور آپؑ جھولے میں لیٹے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ اس پر آپ کی والدۂ ماجدہ نے چلا کر کہا "میرا یہ بچہ حیدر ہے" (حیدر پھاڑنے چیرنے والے کو کہتے ہیں) دوسری روایت یہ ہے کہ سرداران قریش، جس کا سرخیل ابوجہل تھا، انہوں نے ایک اژدھا پالا ہوا تھا جو پیدا ہونے والے بچے کے حلالی یا حرامی ہونے کی تصدیق کرتا تھا کہ جو حرامی ہوگا اسے وہ ڈس کر ہلاک کر دے گا اور حلالی کو چھوڑ دے گا۔ اسی طرح مولاؑ کے لیے بھی یہ غلط قسم کا تجربہ کیا گیا، لیکن وہ تجربہ ناکام ہو گیا کہ آپؑ نے اس اژدھے کو دو ٹکڑوں میں چیر کر مار دیا، جس پر سرداران قریش سیخ پا ہو گئے اور ابوجہل نے جھولے کے اوپر مولا کے منہ کے سامنے اپنے چہرے کو لا کر کہا کہ بیٹا! تو نے تو اژدھے کو ہی مار ڈالا۔ اس پر مولاؑ نے ایسا زوردار تھپڑ رسید کیا کہ اس کے نشان کئی دنوں تک اس کے گال پر جمے رہے۔ کافی بحث و مباحثہ ہوا اور آخر میں رسول پاکؐ نے ایک ایسا اصول بتا دیا کہ اب قیامت تک کے لیے فیصلہ ہو گیا کہ جو بھی "علیؑ" سے بغض رکھے گا وہ جہنمی ہے اور جو "علیؑ" سے محبت کرے گا وہ اپنی والدہ کی طہارت کا مظہر ہوگا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ رسول پاکؐ نے منشاء الٰہی کے مطابق "علیؑ" کا نام رکھا اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوطالبؑ نے آپکا نام "علیؑ" رکھا اور اس کی سند میں مندرجہ ذیل اشعار بھی کہے۔

سَمَّیْتُہُ بِعَلِیٍّ کَیْ یَدُوْمَ لَہُ
عَزُّ الْعُلُوِّ وَفَخْرِ الْعِزِّ دُوْمَہُ

"میں نے ان کا نام "علیؑ" رکھا، تاکہ رفعت و سربلندی کی عزت ہمیشہ ان کے نام کی زینت رہے اور عزت ہی وہ سرمایۂ افتخار ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے"۔ یہ نام جو اپنے اندر علو و بلندی کے معنی رکھتا ہے، اسم با مسمٰی ثابت ہوا اور ہمیشہ کائنات میں بلند و بالا، پستی سے ناآشنا، رزم و بزم میں ورد زباں اور زمین کی فضاؤں سے لے کر آسمان کی بلندیوں تک گونجتا رہا۔ ہم نے پہلے کے ابواب میں تحریر کیا ہے کہ اموی حکمرانوں نے حضرتؑ اور ان کے اولاد کے نام اور کنیت پر پہرا بٹھا دیا تھا اور ان ناموں پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور اسی لیے دو اماموں یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کا نام علیؑ اور محمدؐ پر نہیں تھا اور طویل عرصے کے بعد یہ نام رکھنے شروع ہوئے اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں میں محمدؐ کے بعد علیؑ کے نام پر سب سے زیادہ نام رکھے

جاتے ہیں اور صدیوں تک متروک کے اور سب وشتم کا ہدف قرار دیے جانے کے باوجود آخر یہ نام اسلام کے ساتھ ساتھ ہر گوشۂ عالم میں پہنچ رہا ہے۔ آپؑ کے القاب آپؑ کے متنوع اور گوناگوں اوصاف کے لحاظ سے متعدد ہیں، جن میں اسد اللہ، ید اللہ، نفس اللہ، مرتضیٰ، وصی، نفس رسولؐ، حیدر کرار، ساقی کوثر اور امیر المومنین زبان زد خلائق ہیں۔ اور مشہور و معروف کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے۔ پہلی کنیت بڑے بیٹے حضرت امام حسنؑ کے نام پر ہے اور دوسری کنیت پیغمبر اکرمؐ نے تجویز فرمائی تھی، چنانچہ "سیرت ابن ہشام" میں ہے کہ غزوۂ عشیرہ کے موقع پر حضرت علیؑ اور عمار ابن یاسرؓ بنی مدلج کے ایک چشمے کی طرف نکل گئے اور درختوں کے سائے میں ایک نرم و ہموار زمین پر لیٹ گئے۔ ابھی لیٹے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ رسول پاکؐ وہاں آ گئے اور حضرت علیؑ کا بدن خاک میں اٹا دیکھ کر فرمایا: "مالک یا اباتراب" اے ابوتراب یہ کیا حالت ہے اور اس دن سے آپؑ کی کنیت "ابوتراب" قرار پائی اور یہ کنیت آپ کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ علامہ حلبی نے تحریر کیا ہے: "و کنی صلی الله علیه وسلم فیها علیاً یا بی تُراب حسین وجده نائما هو وعمار ابن یا سرو علق به التر ب" (۱) غزوۂ عشیرہ میں رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی کنیت "ابوتراب" رکھی جبکہ رسول خداؐ نے انہیں اور عمار ابن یاسر کو سوتے ہوئے پایا اور علیؑ کو خاک میں اٹے ہوئے پایا"۔ اس لیے سب سے پہلے یہ کنیت آپ ہی کے لیے تجویز ہوئی اور آپؑ سے قبل کسی کی یہ کنیت نہ تھی۔

چنانچہ شیخ علاؤالدین نے تحریر کیا: "اول من کنی بابی تراب علی ابن ابی طالبؑ" (۲)

"سب سے پہلے علی ابن ابی طالبؑ ہی ابوتراب کی کنیت سے پکارے گئے" چنانچہ سہل ابن سعد کہتے ہیں۔ "ما کان لعلیؑ اسم احب الیه من ابی تراب" (۳)

آپؑ کا حلیہ و سراپا:

اعضاء شناسی علم نفسیات کی ایک شاخ ہے جو مسلسل تجربات و مشاہدات سے اخذ نتائج پر مبنی ہے۔ اسی سے آنکھ، ناک، پیشانی اور دوسرے اعضائے جسمانی سے انسان کی عادات و اطوار اور اس کے کردار کے جاننے میں مدد لی جاتی ہے۔ اسی لیے ماہرین فن اعضاء کی ساخت، ڈیل ڈول، ناک نقشہ اور رفتار و گفتار سے انسان کی شخصیت کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر لیتے ہیں، ان اعضاء شناسوں کے نزدیک ماتھے کا کھلا اور پیشانی کا ابھرا ہونا فہم و ادراک کی، بازوؤں کا طویل و پر گوشت ہونا بزرگی و ریاست کی، بالوں کی سختی شجاعت کی اور آنکھوں کا بڑا ہونا تیزی طبع کی علامت ہے۔ اسی طرح گردن کا کوتاہ ہونا مکر و تشدد پسندی کی

---

(۱) (سیرت حلبیہ، ج۲، ص۱۴۲)

(۱) (محاضرۃ الاوائل، ص۱۳۳)

(۲) (صحیح بخاری، ج۸، ص۶۳)

آنکھوں کا چھوٹا ہونا اور اندر کو دھنسا ہونا خبث وفریب کی، شانوں کا نازک و باریک ہونا کمزوری عقل کی اور دانتوں میں دراڑوں کا ہونا کمزوری وضعف کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ظنی وتخمینی علامات ہیں، جنہیں قطعی ویقینی نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم ظاہر' باطن کا ایک حد تک عکاس وآئینہ دار ضرور ہوتا ہے۔

سیمائے آدم آئینہ حالِ باطن است

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا کتب وتاریخ سیر کے رو سے حلیہ مبارک کچھ اس طرح تھا:

جسم بھاری بھرکم' رنگ کھلتا ہوا گندمی' آنکھیں بڑی' سینے پر بال' قد درمیانہ' ڈاڑھی بڑی اور دونوں شانیں' کہنیاں اور پنڈلیاں پرگوشت تھیں' آپؑ کے پاؤں کے پٹھے زبردست تھے۔ شیر کے کندھوں کی مانند' آپؑ کے کندھوں کی ہڈیاں چوڑی تھیں' آپؑ کی گردن صراحی دار اور آپؑ کی شکل نہایت پرصفت اور حسین تھی۔ آپؑ مسکراتے رہتے تھے۔ آپؑ خضاب سے پرہیز کرتے تھے۔

ابوالحجاج مدرک کہتے ہیں "کان من احسن الناس وجھا" سب لوگوں سے زیادہ وجیہ اور حسین تر تھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں " مارائیت احسن من شرصتہ علی" میں نے علیؑ کی کنپٹیوں سے حسین تر کسی کی کنپٹیاں نہیں دیکھیں"۔ پیشانی پر سجدوں کے نشان اور گڑھا پڑا ہوا' ستواں ناک' دانت سلک منظم کی طرح ضیابار ضرار ابن ضمرہ کہتے ہیں: " ان تبسم فعن مثل اللولو المنظوم " اگر مسکراتے تو دانت موتی کی لڑیوں کی طرح چمکتے تھے۔ خود کے کثرت استعمال سے سر کے اگلے حصہ پر سے بال اڑے ہوئے۔ حضرتؑ خود فرماتے ہیں: "خلقنی معتد لا اضرب القصیر فاقدہ و اضراب الطویل فاقطعہ" اللہ تعالیٰ نے مجھے قد وقامت میں اعتدال بخشا ہے۔ اگر میرا حریف پست قامت ہوتا ہے تو اس کے سر پر ضرب لگا کر اس کو دو ٹکڑے کر دیتا ہوں اور اگر دراز قامت ہوتا ہے تو بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں۔ آپؑ کی رفتار پیغمبر اکرمؐ سے مشابہہ پروقار اور کچھ آگے کو جھکی ہوئی ہوتی تھی۔ جب میدان جنگ میں دشمن کی طرف بڑھتے تو تیزی کے ساتھ چلتے اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔

اخلاق وعادات:

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ خندہ جبیں' شگفتہ مزاج' بے غرضی واخلاص کا پیکر' غریبوں کے مددگار' یتیموں کے غم خوار اور اخلاق نبویؐ کا مکمل نمونہ تھے۔ اعلیٰ وادنیٰ سے یکساں خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ غلاموں سے عزیزوں جیسا سلوک کرتے۔ مزدوروں کو بوجھ اٹھانے میں مدد کرتے۔ خود بینی وخود نمائی سے نفرت کرتے۔ انتہائی سادہ زندگی اور سادہ خوراک استعمال کرتے۔ عام اور معمولی لباس زیب تن کرتے' اکثر کام اپنے ہاتھ سے خود کرتے۔ اپنی جوتیاں خود گانٹھتے۔ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے اور بازار سے سودا سلف خود خرید کر لاتے' کھیتوں میں ایک مزدور کی طرح خود کام کرتے' پودوں کو پانی لگاتے' اپنے ہاتھ سے چشمے کھودتے' درخت لگاتے اور ان کی آبیاری کرتے' مال سمیٹ کر رکھنے کی بجائے غریبوں اور ناداروں میں

بانٹ دیتے' رنگ ونسل کا امتیاز اوران کی طبقاتی تفریق گوارا نہ کرتے' حاجت مندوں کے کام آتے' مہمانوں کو بڑے احترام سے ٹھہراتے' کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ بھیجتے' بغض وکینہ اور انتقامی جذبات کو پاس نہ پھٹکنے دیتے' حیرت انگیز حد تک عفوودرگزر سے کام لیتے' دینی معاملات میں سختی سے کام لیتے اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے۔حق وصداقت کے جادے پر قائم رہتے۔اورکسی کی رورعایت نہ کرتے' دشمنوں کے مقابلے میں مکروفریب اور داؤ پیچ سے کام نہ لیتے' رات کا بیشتر حصہ نوافل' مناجات اور حمد خداوند تعالیٰ میں گزارتے۔صبح کی تعقیبات کے بعد قرآن وفقہ کی تعلیم دیتے' خوف خدا سے لرزاں وترساں رہتے اور دعاو مناجات میں اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہوجاتی اور دعائے کمیل اس کی ایک عظیم مثال ہے۔حضرت امیرالمومنین علیؑ ہیبت وصولت اور رحم ورافت کے امتزاج کا ایک دلکش پیکر اور پہاڑ کی طرح سخت اور اڑتے ہوئے بادل کی مانند نرم تھے۔حضرت کے ایک صحابی صعصعہ ابن صوحان عبدی کہتے ہیں: " **کان فینا کا حد نالھن جانب و شدۃ تواضع و شھولۃ قیاد وکنا نھا بہ مھا بۃ الاسیر المربوط للسیاف الواقف علیٰ رامہ**" (۱) "حضرت ہم میں ایک عام آدمی کی طرح رہتے تھے۔خوش خلقی' انتہائی انکساراورنرم روی کے باوجود ہم ان کے سامنے اس طرح خائف وترساں رہتے، جس طرح جکڑا ہوا قیدی جس کے سر پر جلاد تلوار لیے کھڑا ہوا ہو"

حضرتؑ کے اسی دبدبہ وہیبت اور جذبہ محبت وعطوفت کو دیکھتے ہوئے ملا علی آزر بائیجانی نے کیا خوب کہا ہے:

اَسَدُ اللّٰہِ اِذْ اَصَالَ وَصَاحَ
اَبُوْالْاَیْتَامِ اِذَا جَادَ وَ بَرّ

"دشمن کو للکارتے اور اس پر حملہ آور ہوتے تو اللہ کے شیر اور بخشش واحسان کرتے تو یتیموں کے باپ نظر آتے"

پوشش ولباس:

حضرت امیرالمومنین علیؑ علیہ السلام ہمیشہ غریبوں کی طرح کا عام اور کم قیمت لباس پہنتے تھے۔لباس سے صرف تن پوشی مطلوب تھی۔اورلباس میں کوئی امتیاز نہ برتتے تھے۔گرمیوں کا سردیوں میں اور سردیوں کا گرمیوں میں لباس پہن لیتے تھے۔ضرورت کے وقت کبھی لیف خرمہ کا یا کبھی چمڑے کا پیوند لگا لیتے تھے۔ایک مرتبہ ایسا لباس پہنے ہوئے تھے، جس میں جابجا پیوند لگے تھے لوگوں نے نکتہ چینی کی تو فرمایا "ایسا لباس پہننے سے دل میں عزوفروتنی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اہل ایمان مجھے اس لباس میں دیکھیں گے تو لباس کی سادگی میں میری پیروی کریں گے۔

(۱) (مقدمہ شرح ابن ابی الحدید)

مسعودی نے لکھا ہے کہ آپؑ نے اپنے ظاہری زمانہ خلافت میں بھی کبھی نیا لباس نہیں پہنا۔ عام تہ بند کرتہ اور چادر تھی اور سر پر عمامہ زیادہ پسند کرتے تھے اور فرماتے تھے "العمائم تیجان العرب" عمامہ عربوں کا تاج ہے۔ آپؑ اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ محمد بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: "ان علیا کان یتختم بالیمین" حضرت علیؑ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور رسول اکرمؐ بھی داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

طعام اور آداب طعام:

حضرت کا کھانا بھی روکھا پھیکا اور انتہائی سادہ ہوتا تھا۔ عموماً جَو کے ان چھنے آٹے کی روٹی اور ستو پر قناعت کرتے۔ روٹی کے ساتھ کھانے کے طور پر کبھی نمک ہوتا اور کبھی سرکہ، کبھی ساگ پات اور کبھی کبھار دودھ، گوشت کا استعمال بہت کم کرتے تھے۔ ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ: "کان یائتدم اذا ائتدم بخل او ملح فان ترقی من ذالک فبعض نبات الارض فان ارتفع عن ذلک فبقلیل من البان الابل و لا یاکل اللحم الاقلیا و یقول لا تجعلوا بطونکم قبور الحیوان" اگر روٹی کے ساتھ کوئی چیز استعمال کرتے تو وہ سرکہ ہوتا یا نمک۔ اس سے آگے بڑھتے تو کبھی اونٹنی کا دودھ یا کبھی سبزی، گوشت بہت کم استعمال کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کا قبرستان نہ بناؤ"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: امیرالمومنینؑ مہمانوں کو گوشت اور روٹی کھانے کو دیتے اور خود جَو کی روٹی سرکہ یا روغن زیتون کے ساتھ کھاتے تھے۔ حضرت روٹی کے سوکھے ٹکڑے اور ستو ایک تھیلی میں بند رکھتے تھے اور اس پر مہر لگا دیتے تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ عراق جیسے سرسبز ملک میں رہتے ہوئے ایسا کرتے ہیں، جبکہ یہاں غلے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا: کہ میں کمی کی بنا پر ایسا نہیں کرتا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ: "لا احب ان یدخل بطنی الاما اعلم" (۱) مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اس چیز سے پیٹ بھروں جسے میں جانتا نہیں ہوں۔

عمرو ابن حریث کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ مہر شدہ تھیلی آپؑ کے سامنے رکھی ہے آپؑ نے اس سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نکالے اور انہیں پانی میں بھگو کر ان پر نمک چھڑک کر کھانے لگے۔ میں نے ٹکڑوں کو دیکھ کر غفلہ سے کہا کہ آٹے کو چھان لیا کرو اور بھوسی الگ کر دیا کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک مرتبہ ایسا کیا تھا، لیکن حضرتؑ نے منع کر دیا۔ عدی ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرتؑ کے آگے جَو کی سوکھی روٹی کے ٹکڑے رکھے ہیں اور نمک رکھا ہے اور ایک چھاگل پانی سے بھری رکھی ہے، میں نے عرض کی کہ آپؑ دن میں جہاد میں مصروف رہتے ہیں اور رات میں

---

(۱) (تاریخ کامل)

عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور اوپر سے ایسا روکھا پھیکا کھانا کھاتے ہیں، تو حضرتؑ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: "نفس کو ریاضت کا خوگر بنانا چاہیے، تاکہ وہ طغیانی پر اور سرکشی پر اتر نہ آئے اور پھر یہ شعر پڑھا:

مناقب شہر آشوب:

علل النفس بالقنوع والا
طلبت منک فوق ما یکفیھا

سوید ابن غفلہ کہتے ہیں: کہ میں ایک مرتبہ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپؑ کے آگے کھٹے دہی کا پیالہ اور جو کی سوکھی روٹی رکھی ہے اور آپؑ اس کو اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ رہے تھے۔ اور ایک مرتبہ عید کے موقع پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرتؑ کے آگے دسترخوان بچھا ہے اور اس پر روٹی اور "خطیفہ" رکھا ہے (عرب کا ایک کھانا جو آٹے کو دودھ میں جوش دے کر بنایا جاتا ہے) میں نے عرض کی مولا آپؑ عید کے دن بھی ایسا کھانا کھاتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا "عید اس کی ہے جسے اللہ نے بخش دیا ہو" امیر المومنینؑ جہاں زندگی کے اور شعبوں میں اسوۂ رسول پاکؐ کے پیرو تھے، وہاں کھانے پینے میں بھی آداب نبویؐ کا خیال رکھتے تھے اور پابندی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دسترخوان پر نشست کی وضع، لقمہ اٹھانے کا طریقہ اور کھانے کا انداز بھی رسول خداؐ سے ملتا جلتا تھا۔ امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں: "کان امیر المؤمنینؑ اشبه الناس طعمة برسول الله صلے علیٰ علیه وسلم" "امیر المومنینؑ کھانے کے معاملے میں سب سے زیادہ رسول پاکؐ سے مشابہ تھے" دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے، کلی کرتے اور ہاتھوں کی چکناہٹ دور کرتے اور فرماتے کہ ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کی چکناہٹ دور ہوتی ہے اور آنکھوں میں جلا پیدا ہوتی ہے۔

عہد طفولیت:

انسان کی زندگی کے تین ادوار ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ ہر سن کے تقاضے جدا اور ہر دور کے مشغلے مختلف ہوتے ہیں۔ بچپنا کھیل کود کا زمانہ ہے، جس میں کچھ اور سوچنے کا وقت نہیں ہوتا۔ اس دور میں نہ فہم کامل ہوتا ہے اور نہ ہی شعور پختہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بچے بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔

لیکن فرزند ابو طالب علیہ السلام کی روش عام بچوں سے مختلف تھی۔ وہ نہ کبھی کھیل کود میں نظر آئے اور نہ ہی کسی لہو ولعب یا کسی اور مشغلے میں مصروف دکھائی دیے۔ انہیں نہ اس سے غرض تھی کہ لہو کیا ہے اور لعب کے کیا معنی ہیں۔ ان کے تیوروں سے ہمت و جرأت کے ولولے عیاں اور حرکات وسکنات سے عظمت و وقار کے آثار نمایاں تھے ان کے جسمانی نشوونما کی رفتار دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ تیز تر تھی، جو بچے ایک ماہ میں جتنا بڑھتے تھے آپؑ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے۔ اس قوت نمو کی فراوانی کا اثر تھا کہ جسم مضبوط تھا اور فہم و

ادراک قوی اور ظاہری و باطنی حاسے تیز تھے۔ جب بڑے ہوئے تو اور چلنے پھرنے لگے تو وزنی پتھروں کو آسانی سے اٹھا لیتے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سے اٹھا کر لے آتے اور بتوں کی توڑ پھوڑ میں لگ جاتے۔ عرب کے دستور کے مطابق جناب ابو طالبؑ نے اپنے بچوں کو تیر اندازی، شہ سواری اور کشتی لڑنے کا فن سکھایا اور اپنے بیٹوں، بھتیجوں کو اور دوسرے رشتے داروں کے بچوں کو اکٹھا کر کے آپس میں بھڑاتے اور داؤ پیچ کی تعلیم دیتے۔ حضرت علیؑ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، مگر کسی کا داؤ زور نہ چلنے دیتے اور اپنے سے بڑوں کو چاروں شانے چت کر دیتے اور اچھے اچھے شہ زوروں سے اپنی قوت کا لوہا منوا لیتے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے: "**لو يصارع قط احدا الا صرعة**" جس سے کشتی لڑے اس کو پچھاڑ کر چھوڑا۔

پرورش و پرداخت:

آپؑ کی پرورش رسول پاکؐ کی گود سے شروع ہوئی۔ سب سے پہلے آپؐ ہی کا لعاب دہن شیر مادر سے پہلے آپؑ کے شکم میں پہنچا اور آپؑ اسی سے سیراب ہو کر سو گئے اور "**لحمک لحمی**" کے حقدار بنے (۱) اور جب تک خداوند تعالیٰ نے چاہا اسی طرح ہوتا رہا اور آپؑ کی پرورش خدائے عظیم کے عظیم پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ افضل الانبیاء اور افضل البشر کی پاک گود میں ہونے لگی۔ اور آپؑ کو ایسا تعلیم و تربیت کا گہوارہ پروردگار عالم کی طرف سے عطا ہوا جو رہتی دنیا تک کسی کو نصیب نہ ہوگا۔ اسی پاکؐ گود میں آنکھ کھولی اور اسی پاکیزہ آغوش میں پرورش پائی اور بچپنے سے لے کر جوانی تک کا پورا زمانہ آپؑ رسول خداؐ کے ساتھ ہی گزارا اور انہی کے سرچشمۂ علم و ہدایت سے فیضیاب ہوئے اور انہی کی زبان چوس کر پھولے پھلے اور پروان چڑھے۔ چنانچہ جناب فاطمہؑ بنت اسد فرماتی ہیں: "**لما ولدة سماه صلے و عليه و سلم عليا و بصق فى فيه ثم انه القمه لسانه فما ذال يمصه حتى نام قالت فما كان من الغد طلبنا له مرضة فلم يقبل ثدى احد فدعونا له محمداً فالقمه لسانه فكان كذالک ما شا الله تعالىٰ**" "جب علیؑ پیدا ہوئے تو پیغمبرؐ نے ان کا نام علیؑ رکھا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ٹپکایا اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے دی جسے چوستے چوستے سو گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو ہم نے دایہ کی تلاش کی مگر علیؑ نے کسی کی چھاتی سے دودھ نہ پیا اور نہ ہی منہ بڑھایا۔ ہم نے محمد مصطفیٰؐ کو یاد کیا۔ آپؐ نے اپنی زبان علیؑ کے منہ میں دی اور وہ میٹھی نیند سو گئے اور جب تک خداوند تعالیٰ نے چاہا اسی طرح ہوتا رہا"

اگرچہ زمانہ رضاعت میں آپؑ ماں ہی کی گود میں پرورش پاتے تھے، مگر اس نومولود کی دیکھ بھال زیادہ تر رسول پاکؐ خود ہی کرتے تھے، اپنے ہاتھ سے نہلاتے دھلاتے، پہروں گود میں لیے رہتے، سوتے تو جھولا جھلاتے اور لوری سناتے اور ماں باپ سے بڑھ کر نگرانی و تربیت میں حصہ لیا کرتے۔

---

(۱) (سیرت حلبیہ، جلد ا، ص ۲۶۸)

بلکہ جب چھ برس کے ہوئے تو مستقل طور پر پیغمبرؐ کی تربیت و کفالت میں آ گئے۔ اور ماں باپ دونوں ان کی طرف سے کلیات بے خبر ہو گئے۔ اور اسی لیے مولاؑ خود فرماتے ہیں: "کنت اتبعه اتباع الفیل اثر امه یرفع لی فی کل یوم من اخلاقه علما و یا مرنی بالا قتداً به" "میں رسول خداؐ کے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے رہتا ہے۔ آپؐ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے اور مجھے ان کی پیروی کرنے کا حکم دیتے۔" اس تعلیم و تربیت نے آپؑ کی شخصیت کی تعمیر و سیرت کی تخلیق میں ایسا موثر کردار ادا کیا کہ آپؑ سیرت میں اخلاق میں اور علم و عمل میں رسول پاکؐ کا مکمل ترین نمونہ اور ان کے کمالات کے مظہر اتم قرار پائے۔ آپؑ کی سیرت 'سیرت نبویؐ' کی جھلک اور آپؑ کے اخلاق میں اخلاق نبویؐ کا پرتو نظر آتا تھا اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، کیونکہ آپ کی لوح دل پر کسی سیرت کا نقش ابھرا تو وہ سیرت رسول پاکؐ تھی اور صفحہ قلب پر کسی کے حسن عمل کا عکس نظر آیا تو وہ پیغمبرؐ کا عمل و کردار تھا۔ غرض قدرت کے فیضان اور ایک قدسی ماحول کے اثرات و عوامل نے آپؑ کو غیر معمولی صفات و کمالات سے آراستہ کر دیا۔ جب تربیت رسولؐ سے نباض فطرت و معلم عالم انسانیت کی ہو اور اثر پزیر طبیعت علیؑ جیسے نابغہ و فطین کی ہو تو علم و حکمت کا کون سا نقش دل و دماغ پر ابھرا نہ ہوگا اور حقیقت و عرفان کا کون سا گوشہ نگاہوں سے مخفی رہا ہوگا:

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نہ شود

حضرت امیرالمومنینؑ خود فرماتے ہیں: کہ علمی تربیت کا عمل کس طرح وجود میں آیا۔ "ھذا ما زقنی رسول اللہ زقاً زقاً" میرے سینے میں وہ علم ہے جو رسول اللہؐ نے مجھے اس طرح بھرایا تھا، جس طرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھرتا ہے۔ حضرت علیؑ کی یہ بیان کردہ تشبیہ اپنے اندر معنویت اور لطافت لیے ہوئے ہے کہ، جس طرح پرندہ اپنے پوٹے میں جمع کی ہوئی غذا جوں کی توں اپنے بچے کے منہ میں منتقل کرتا ہے' اسی طرح رسول پاکؐ نے تمام علوم خواہ وہ شریعت کے ہوں یا حکمت کے قرآن کے ہوں یا سنت کے' اخلاق کے ہوں یا سیاست کے، ظاہر کے ہوں یا باطن کے' حاضر کے ہوں یا غائب کے جوں کے توں میرے سینے میں منتقل کر دیے اور ان میں کوئی تغیر و تبدیلی اور رد و بدل نہیں ہوا۔ اسی تربیت علمی کی تکمیل کے بعد "اعلم امتی" کی سند دی اور "انا مدینة العلم و علی وبابها" "میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں" یہ تمغہ جبین امامت پر آویزاں کیا اور اس طرح اپنے علم تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا، یعنی جس طرح شہر میں داخل ہونے کا راستہ دروازے سے ہوتا ہے، اسی طرح میرے علم تک پہنچنے کا ذریعہ علیؑ ہیں۔ بعد میں لوگوں نے مولاؑ علیؑ کے حسد میں اس شہر کی دیواریں اور چھت بھی بنا دی (قارئین مطلب سمجھ گئے ہوں گے) حالانکہ شہر کی دیواریں اور چھت نہیں ہوتی۔ لوگ نہیں جانتے کہ "علیؑ" وہ عظیم شجرۂ علم ہیں جس کا علم نبوتؐ سے بلا واسطہ ملتا ہے اور علم

نبوت کا شجرۂ علم خدا سے براہ راست ملتا ہے۔ لہٰذا جو اس در سے بے خبر ہوگا یا دور ہوگا وہ خدا اور رسولؐ کی تعلیمات سے بے خبر ہوگا۔ فردوسی نے کیا خوب کہا ہے:

چہ گفت آں خداوند تنزیل و وحی
کہ من شہر علمم و علیم دراست
خداوند امر و خداوند نہی
درست ایں سخن قول پیغمبرؐ است

مسلم اوّل:

مسلمانوں میں اکثر یہ بحث چھڑ جاتی ہے کہ پہلے کون اسلام لایا۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسانی فطرت اور مزاج کائنات سے ہم رنگ و ہم آہنگ ہے اور زندگی کے کسی موڑ پر فطری تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ جو فطرت کے تقاضے ہیں وہی اسلام کے تقاضے ہیں۔ دونوں کا نصب العین ایک ہے اور دونوں کی راہ اور منزل ایک ہے۔ اسی لیے قرآن میں دین کو اسلام بھی کہا گیا ہے:۔ "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامِ" دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اور فطرت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

"فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" (۱) "ہر چیز سے منہ موڑ کر دین کی طرف رخ کرلو۔ یہ خدا تعالیٰ کی وہ فطرت ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "کل مولود یولد علیٰ الفطرۃ" ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ (۲)

امام جعفرؑ صادقؑ سے پوچھا گیا کہ فطرت کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا "ھــی الاســلام" فطرت اسلام ہی تو ہے۔ جب اسلام عین فطرت اور فطرت عین اسلام ہے تو فطرت پر پیدا ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر بچہ خواہ وہ مسلمان کے ہاں پیدا ہو یا کافر کے ہاں، پرستار توحید کے ہاں جنم لے یا کسی مشرک کے ہاں، سرزمین اسلام میں پیدا ہو یا سرزمین کفر میں اصل خلقت و فطرت کے لحاظ سے مسلم ہوگا۔ اور جب تک اس پر غیر مسلم ماں باپ کے عقائد و نظریات کا سایہ نہیں پڑتا، وہ مسلم ہی رہتا ہے اور جب کافر ماں باپ اور غیر مسلم معاشرے کے افکار و آراء اور غیر اسلامی نظریات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں تو وہ ان سے متاثر ہو کر وہی راستے اختیار کرتا ہے، جو اس معاشرہ و ماحول سے سازگار ہوتا ہے اور شاہراہ فطرت سے بے راہ ہو کر ماں باپ کی راہ پر چل پڑتا ہے اور انہی کا دین و مذہب اختیار کر لیتا ہے اور اگر کسی بچے کی فطرت سے سازگار ماحول مل جائے تو فطرت اسلام پر پیدا ہونے کے بعد اسی دین فطرت پر باقی سمجھا جائے گا اور باطناً و ظاہراً محکوم بالاسلام ہوگا۔

---

(۱) (سورۂ روم، آیت ۳۰)

(۲) (وافی)

مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ دین فطرت پر پیدا ہوئے اور ایسے ماحول میں پرورش اور تربیت پائی جو فطرت سے ہم آہنگ تھا۔

حضرتؑ خود فرماتے ہیں: "ولدت علی الفطرۃ و سبقت الی الایمان والھجرۃ" "میں دین فطرت پر پیدا ہوا اور ایمان و ہجرت میں سبقت لے گیا" اور اسی کی وضاحت شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس طرح کی ہے:

مسلم اوّل شہ مرداں علیؑ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

آپؑ اوائل عمر سے پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ رہے، انہی کی آغوش میں پرورش پائی اور انہی کے عقائد و نظریات پر اپنے عقائد و نظریات کی بنیاد رکھی اور کبھی کفر و شرک سے واسطہ ہی نہیں رہا۔ چنانچہ احمد بن زہن و حلان نے لکھا ہے: "لم یتقدم من علی رضی اللہ عنہ شرک ابدا لانہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی کفالتہ کا حد اولادہ واتبعہ فی جمیع امور" (۱) "حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی شرک سے سابقہ نہیں پڑا۔ کیونکہ وہ رسولؐ خدا کی تربیت و کفالت میں مثل ان کی اولاد کے رہے اور تمام امور میں انہی کی پیروی کرتے تھے۔"

لہٰذا جس کی ولادت اسلام پر اور تربیت بانی اسلامؐ کے زیر سایہ ہو اور تمام افعال و اعمال میں نبیؐ کے تابع رہا ہو، اس کو قانون فطرت و حکم تربیت کی رو سے ایک لحظہ کے لیے بھی کافر و مشرک تصور نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کے بارے میں اس سوال کی کوئی گنجائش ہے کہ وہ کب اسلام لائے اور کس عمر میں مسلمان ہوئے۔ ایک مرتبہ سعید ابن مسیّب نے امام زین العابدین سے پوچھا کہ حضرتؑ کس عمر میں اسلام لائے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: "او کان کافرا قط انما کان لعلی حیث بعث اللہ تعالیٰ رسولہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وشر سنین و لم یکن یومئذ کافرا" (۲) "کیا وہ کبھی کافر بھی رہے ہیں (جو یہ پوچھتے ہو) البتہ جب اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کو مبعوث فرمایا تو ان کی عمر دس برس کی تھی اور وہ اس وقت کافر نہ تھے"

یہ سوال تو ان لوگوں کے بارے میں ہو سکتا ہے جو کافر و مشرک رہے ہوں اور پھر کفر اور شرک کے دائرے سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے ہوں۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہ وغیرہ جن کی ساری عمر کفر و شرک میں گزری ہو اور پھر اسلام قبول کیا اور مسلمان ہوئے یا وہ

---

(۱) (سیرت نبویہ، ص ۱۷۷)

(۱) (وافی)

مسلمان جو مسلمان تو رہے ہوں اور دین ابراہیمؑ پر چلتے بھی رہے لیکن اسلام ظاہر نہ کر سکے، جیسے حضرت حمزہؑ حضرت جعفر طیار اور ابوالایمان حضرت ابو طالبؑ وغیرہ ہیں۔ انہوں نے مصلحتاً اپنے ایمان کو ظاہر نہ کیا بالکل ایسے جیسے حضرت بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی تربیت کی اور ان کے خدا پر ایمان لے آئیں لیکن ظاہر اس وقت کیا کہ جب حضرت موسیٰؑ جوان ہو گئے اور فرعون مصر کے مقابلے میں آ گئے۔ اور اپنی قوم ''بنی اسرائیل'' کو فرعون کی غلامی، ظلم و ستم سے نجات دلا کر آزادی کی راہ پر ڈال دیا اور اسی لیے جناب بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا کا درجہ ان چار عظیم اور عصمت و طہارت کی علمبردار خواتین میں ہوتا ہے، جن کو تمام عالمین کی خواتین پر فضیلت و برتری حاصل ہے اور وہ ہیں جناب بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا' جناب بی بی خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا، تیسری بی بی آسیہ سلام اللہ علیہا اور چوتھی جناب بی بی مریم سلام اللہ علیہا اور ان چاروں میں بھی جو سیّدۃ النساء العالمین ہیں، وہ ہیں حضرت جناب بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، جن کو یہ اعزاز و شرف حاصل ہے کہ وہ رسول پاکؐ کی اکلوتی دختر نیک اختر' زوجہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام' مادر حسنینؑ علیہما السلام (حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ) ہیں اور ان ہی کو خاتون جنت، مرضیہ، راضیہ، ذکیہ ام ابیہا، محدثہ جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب رہ گئے حضرت علی علیہ السلام یہ جوف کعبہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوئے ''کل مولود یولد علیٰ فطرۃ الاسلام'' رسول پاکؐ کی گود میں آنکھ کھولی' لعاب دہن رسولؐ سے پرورش پائی' آغوش رسالت میں پلے بڑھے' دس سال کی عمر میں بوجہ ضرورت اعلان ایمان کیا' رسول پاکؐ کے داماد قرار پائے۔ میدان جنگ میں ہمیشہ فتح' کامرانیاں اور کامیابیاں حاصل کر کے ''کل ایمان'' بنے اور پھر ''امیر المومنین'' کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

فاضل معاصر تاریخ آئمہ لکھتے ہیں کہ علمائے محققین نے بتصریح لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام تو کبھی کافر رہے ہی نہیں، کیونکہ آپؑ شروع ہی سے حضرت رسول پاکؐ کی کفالت میں رہے، اسی طرح جیسے ان کی اولاد رہتی تھی اور کل امور میں حضرتؐ کی پیروی کرتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپؑ کو اسلام کی طرف بلایا جاتا اور جس کے بعد کہا جاتا کہ آپؑ مسلمان ہو جائیں۔ (۱)

مسعودی کہتا ہے کہ آپؑ بچپن ہی سے رسول پاکؐ کے تابع تھے۔ خداوند تعالیٰ نے آپؑ کو معصوم بنایا اور سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ آپؑ کے لیے اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۲) حضرت علیؑ فرماتے ہیں: کہ میں نے اس امت میں سب سے پہلے خدا کی عبادت کی اور سب سے پہلے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ (۳)

---

(۱) (سیرت حلبیہ، جلد ۱، ص ۲۶۹)

(۲) (مروج الذہب، جلد ۵، ص ۶۸)

(۳) (استیعاب، جلد ۲، ص ۴۷۲)

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: کہ حضرت علیؑ نے چشم زدن کے لیے بھی کفر اختیار نہیں کیا۔(۱) آنحضرتؐ نے مبعوث برسالت ہونے کے بعد دعوت تبلیغ کا آغاز گھر کے افراد سے ہی کیا تھا اور گھر والوں سے زیادہ کسی کی اخلاقی پاکیزگی و راست بیانی کو دوسرا نہیں جان سکتا۔ چنانچہ ابھی اسلام کی آواز گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلی تھی کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام جو اس ساعت ہمایوں خال کے منتظر تھے فوراً اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ انہیں نہ پیغمبر اکرمؐ کی صداقت میں شبہ ہوا اور نہ ہی اس دعویٰ پر حیرت واستعجاب۔ یہی دو عظیم اور منفرد ہستیاں تھیں، جو سب سے زیادہ رسول اکرمؐ سے قریب اور اسلام میں سابق تھیں۔ امیر المومنینؑ خود فرماتے ہیں: "لو یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، و خدیجۃ الکبریٰ و انا ثالثھما" (۲) "اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المومنین جناب خدیجۃ الکبریٰؑ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا۔ البتہ تیسرا میں ان میں تھا" اور اسی لیے حضرت علی علیہ السلام کو سابق الاسلام اور مسلم اوّل کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ اور صحابہ کبار کی چند شہادتیں بھی درج کی جاتی ہیں تاکہ حضرت علیؑ کا سابق الاسلام ہونا روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہوجائے اور اس میں کسی شک وشبہے اور چون چرا کی گنجائش نہ رہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے "اوکم اسلاما علی ابن ابی طالب" "تم لوگوں میں اوّل مسلم علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔" (۳) امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "انا اول من اسلام مع النبیؐ" (۴) "سب سے پہلے میں نے نبی اکرمؐ کی آواز پر اسلام قبول کیا۔"

عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ "اوّل من اسلام علی ابن ابی طالب" "سب سے پہلے علی ابن ابی طالبؑ اسلام لائے۔"

سلمان فارسیؓ کہتے ہیں: "اوّل ھذا الامتہ ورود اعلیٰ بینھا الحوض اسلاما علی ابن ابی طالب" (۵) "اس امت میں سب سے پہلے پیغمبرؐ کے پاس حوض کوثر پر وارد ہونے والے اور سب سے پہلے اسلام لانے والے علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔"

---

(۱) (سیرت حلبیہ، جلد ۱، ص ۲۷۰)

(۲) (نہج البلاغہ)

(۳) (استیعاب، جلد ۲، ص ۴۵۷)

(۴) (تاریخ خطیب بغدادی، جلد ۴، ص ۲۳۳)

(۵) (استیعاب، جلد ۲، ص ۲۵۷)

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں: "سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم یقول لعلی انت من آمن بی و صدق" (۱) "میں نے رسول خداؐ کو علیؑ سے یہ کہتے ہوئے سنا تم نے سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔"

زیدؓ بن ارقم کہتے ہیں: "اوّل من اسلام علی ابن ابی طالب" (۲) "رسول پاکؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔"

اس اسلامی سبقت کے ساتھ نماز میں تقدم کا شرف بھی انہی کے لیے مخصوص ہے اور تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اوائل زمانہ بعثت میں جناب خدیجۃ الکبریٰؑ اور حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی اور بھی پیغمبرؐ کے ساتھ شریک نماز ہوا ہو۔ اگر اس دور میں کوئی اور اسلام لاتا تو کبھی نہ کبھی تو نماز میں بھی شریک ہوتا، بلکہ سات برس تک ان دو کے علاوہ اور کوئی صف نماز میں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کا قول ہے: "صلیت مع رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم قبل الناس بسبع سنین" (۳) "میں نے دوسرے لوگوں سے سات برس پیش تر رسول اللہؐ کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔"

انس بن مالک کہتے ہیں: "بعث رسول الله یوم الاثنین و صلی علیؑ یوم الثلاثه" (۴) "پیر کے دن پیغمبر اکرمؐ مبعوث ہوئے اور منگل کو علیؑ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں: "بعث النبیؐ یوم الاثنین و صلی علیؑ یوم الثلاثة" "دوشنبہ کے دن رسولؐ مبعوث برسالت ہوئے اور سہ شنبہ کے دن علیؑ نے نماز پڑھی۔"

ان شواہد کے بعد حضرت علیؑ کی سبقت واوّلیت میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں ہونا چاہیے تھی، مگر کچھ لوگوں نے سن وسال کے اختلافات اور دوسرے اعتبارات سے سبقت کو تقسیم کر کے دوسروں کے لیے بھی سبقت کے لیے گنجائش پیدا کرنے اور ایک مسلمہ حقیقت کو اختلافی مسئلہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ، بچوں میں حضرت علیؑ اور غلاموں میں زید بن حارث سب سے پہلے اسلام لائے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ میں سابق ہے۔ اس تفصیل سے سابقیت کے خدوخال نکھرنے کی بجائے اور دھندلا کر رہ گئے ہیں اور اس نظریے سے یہ مسئلہ صاف نہ ہو سکا کہ واقعاً کون سابق الاسلام تھا۔ اس تقسیم کا مقصد تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام

---

(۱) (ریاض النضرہ، جلد۲، ص ۲۰۸)

(۲) (مسند احمد، جلد۴، ص ۳۶۸)

(۳) (تاریخ کامل، جلد۲، ص ۳۷)

(۴) (ترمذی، جلد۲، ص ۲۱۴)

کی سابقیت اور اوّلیت کو مشکوک بنا کر کسی اور کے سر پر سابق الاسلام کا تاج رکھ دیا جائے یا کم از کم سبقت میں شریک ثابت کیا جائے۔ مگر یہ نظریہ خود دعویٰ کی کمزوری کا آئینہ دار اور دلیل سے تہی دامن ہونے کا غماز ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی اور کی اوّلیت و سابقیت مسلم ہوتی تو اس پر دعویٰ اجماع کیا جاتا، دلائل پیش کیے جاتے اور بہ لحاظ سن و سال سبقت کو تقسیم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جاتی اور پھر یہ صرف ایک مفروضہ ہی تو ہے جس کا نہ کوئی ماخذ اور نہ اس کی تائید اس دور کے کسی شخص کے کسی قول سے ہوتی ہے، بلکہ جن جن لوگوں نے حضرتؑ کی سبقت اسلامی کا تذکرہ کیا ہے، بلا قید اور بلا استثنیٰ کیا ہے۔ اور علی الاطلاق انہیں مسلم اوّل مانا ہے اور یوں بھی علیؑ کو بچوں میں سابق الاسلام قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں ہوتے، جبکہ اس دور میں اس کی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ وہ بچے کون تھے اور کن لوگوں کے تھے جو اسلام لائے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب بڑے اسلام نہیں لائے تھے تو بچوں کو کہاں اسلام لانا تھا۔ لہٰذا جب کوئی بچہ اسلام لایا ہی نہ تھا تو وہ بچے آئیں گے کہاں سے، جن پر علیؑ کو سابق قرار دیا جا رہا ہے اور بغیر مسبوق کے کسی کو سابق کہنا بے معنیٰ سی بات ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکر بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ سے بھی پہلے اسلام لا چکے تھے۔ مگر تاریخ اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ ابوبکر مردوں میں سابق تھے بلکہ ایک کثیر جماعت ان سے بھی پہلے اسلام لا چکی تھی۔ چنانچہ محمد ابن سعد نے اپنے والد سعد بن ابی وقاص جو ایک برگزیدہ صحابی رسول پاکؐ ہیں، سے دریافت کیا۔ "**كان ابوبكر اولكم اسلاما فقال لا ولقد اسلم قبله اكثر من خمسين**" (۱) "کیا لوگوں میں اسلام کے لحاظ سے سابق ابوبکر تھے؟ کہا نہیں، بلکہ پچاس سے زیادہ آدمی ان سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کبار صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے حضرت ابوبکرؓ کے سابق الاسلام ہونے کا سوال اس وجہ سے بھی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ بعثت رسول پاکؐ کے موقع پر کے میں موجود ہی نہ تھے، بلکہ یمن میں تھے اور وہاں سے وارد مکہ ہونے کے بعد انہیں بعثت رسولؐ کی خبر ملی۔ جبکہ پیغمبرؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر عام طور پر پھیل چکی تھی۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے: "**قال ابا بكر فقدمت مكته و قد بعث النبیؐ فجاء فی عقبته ابن ابی محیط و شیبه و ربیعه و ابو جهل و ابو البختری و صنا دید قریش فقلت لهم هل نا بتكم نا ئبته او ظهر فیكم امر قالو ایا ابا بكر اعظم الخطب یتیم ابی طالبؑ یزعم الله مرسل**" (۲) "ابوبکر کہتے ہیں کہ جب میں کے میں واپس آیا اس وقت نبی اکرمؐ مبعوث بہ رسالت ہو چکے تھے۔ عقبہ ابن ابی محیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل اور ابوالبختری اور سرداران قریش

---

(۱) (تاریخ طبری، جلد ۲، ص ۶۰)

(۲) (اسد الغابہ، جلد ۳، ص ۲۰۸)

میرے پاس آئے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم پر کیا کوئی افتاد پڑی یا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ اے ابوبکر سب سے بڑی اندوہناک خبر یہ ہے کہ یتیم ابوطالبؑ یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ وہ اللہ کے فرستادہ نبیؐ ہیں۔' لہٰذا جب ابوبکر کے میں تھے ہی نہیں تو حضرت علیؑ سے پہلے کیسے سابق الاسلام ہو گئے پھر اقوال صحابہ سے بات ثابت ہے اور کسی مورخ کو انکار نہیں کہ بعثت کے دوسرے دن ہی حضرت علیؑ نے رسول پاکؐ کے ساتھ نماز پڑھی''

جب بدطینت مورخین' محدثین اور علماء کو حضرت علیؑ کے ''سابق الاسلام'' ہونے سے انکار کی گنجائش نظر نہ آئی تو انہوں نے تنگ نظری' تعصب اور فکری شعور نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہہ کر سبقت کا پلہ سبک کرنا چاہا کہ ''علیؑ صغیر السن اور نابالغ'' تھے۔ انہوں نے اپنی مربی ''رسول پاک'' کے زیر اثر اسلام قبول کیا۔ مگر وہ یہ بھول گئے کہ بلوغ کا لحاظ ہوتا ہے احکام شرعیہ میں اور ایمان کا تعلق امور عقلیہ سے ہے، جس میں عقل وشعور کا اعتبار ہوتا ہے اور عقل وشعور بلوغ ہی سے وابستہ نہیں ہے اور نہ عدم بلوغ کمال شعور کے منافی ہے۔ چنانچہ کبھی نابالغ' بالغ مردوں سے زیادہ فہیم و باشعور ثابت ہوتا ہے۔ اسی کمال فہم وشعور کی بنا پر خداوند تعالیٰ قرآن میں حضرت یحییٰؑ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:''و آتیناہ الحکم صبیاً'' ''ابھی وہ بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں حکم وفہم سلیم عطا کیا اور پھر دوبارہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں '' قال انی عبداللہ آتانی الکتاب و جعلنی نبیاً'' ''میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبیؐ بنایا ہے'' دیکھیے یہاں شعور اپنے عروج پر نظر آتا ہے جبکہ بلوغ کی منزل بہت دور نظر آتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علیؑ اگرچہ سن کے لحاظ سے نابالغ تھے مگر عقل وشعور کا جوہر اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صغیر سنی میں اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا معبود بنایا اور نہ کسی بت کے آگے سرنگوں ہوئے۔ علامہ سیوطی نے تحریر کیا ہے :''لم یعبد الاوثان قط لصغرہ'' (۱) ''علیؑ نے بچپن میں بھی کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی''

بعثت رسول پاکؐ کے وقت حضرت علیؑ کی عمر دس بارہ برس کی تھی اور یہ پورے طور پر رشد وتمیز کا زمانہ ہے لہٰذا جب ظاہر شریعت کے معیار پر بھی ان کا اسلام پورا اترتا ہے تو اسے کمزور کر کے دکھانے کی کوشش صحیح جذبات کی عکاسی نہیں کرتی اور یہ ایک تعصب سے پر مذموم حرکت نظر آتی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

رسول اللہؐ کی مسلسل نصیحتوں اور واضح ہدایتوں کے باوجود مسلمانوں کو ان کی رحلت کے بعد مغالطے میں ڈال دیا گیا۔ غلط تاویلات وتشریحات کر کے فرمان رسالت مآبؐ کی اس کی اصل روح کے

---

(۱) (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۷)

مطابق تعمیل میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ حد تو یہ ہے کہ خطبات و احادیث رسولؐ کا ان کی رحلت کے بعد بیان کرنا یا جمع کرنا' ناپسندیدہ امر قرار دیا گیا اور جبراً لوگوں کو اس سے باز رکھا گیا۔ یہ جبر کم و بیش پچیس (۲۵) سال تک رہا اور اس عرصے میں بہت سے برگزیدہ اصحاب رسول پاکؐ زندگی کی قید سے آزاد ہو گئے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا، عینی شاہدین اور حضور پاکؐ کی مرضی اور ان کی چشم و ابرو کے اشاروں سے واقف حضرات موت سے ہمکنار ہوتے رہے اور بعض کمزور عقیدے کے حامل افراد مصلحت پسندی کا شکار ہوتے رہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر جب اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کوفہ کے مجمع عام میں ایک حدیث رسول پاکؐ (حدیث غدیر) کی بابت سوال کیا گیا تو حضرت انس بن مالک جیسے نامور صحابی حقیقت حال کی وضاحت سے پہلو تہی کر گئے اور کہنے لگے "اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے یاد نہیں۔" اس حدیث کی وضاحت سے پہلو تہی کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں برص کی بیماری میں مبتلا کر دیا، جس پر وہ تاحیات روتے رہے اور پچھتاتے رہے کہ میں نے شہادت کو ناحق چھپایا۔

یہ ایک مشہور واقعہ ہے اور اسے ابن قتیبہ نے "کتاب المعارف" میں صفحہ ۲۵۱ پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند، جلد ۱، ص ۱۱۹ میں بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور جب بنی امیہ کے دور میں "ملوکیت" کا غلبہ مکمل ہو گیا تو پھر اخلاق و آداب کو بالائے طاق رکھ کر اور خوف خدا اور رسولؐ سے بے نیاز ہو کر علی الاعلان لوگوں کو طمع کا لالچ دے کر اس امر کی ترغیب دی گئی کہ وہ حضرات اہل بیت اطہار علیہم السلام بالخصوص مولائے کائنات حضرت علیؑ کی تنقیص (نعوذ باللہ) اور دوسرے اصحاب کے فضائل میں حدیثیں بڑھ چڑھ کر لکھیں اور نشر کریں۔ اس امر کے عوض لوگوں کو انعامات اور جاگیریں بخشی گئیں۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے "شرح ابن الحدید، جلد ۳ کے صفحات ۱۴، ۱۶" پر "جعلی حدیث سازی" پر خاصی روشنی ڈالی ہے۔ دمشق سے جاری شدہ ایک حکومتی فرمان کی عبارت نقل کرتے ہوئے اپنی "شرح" جلد ۳، ص ۱۶) پر انہوں نے لکھا ہے:

"دیکھو مسلمانوں میں سے جو شخص بھی بوترابؑ کے بارے میں کوئی حدیث بیان کرے تو اسے توڑنے کے لیے صحابہ کے لیے بھی ویسی ہی حدیثیں گھڑ کر بیان کرو، کیوں کہ یہ چیز مجھے بہت پسند اور میرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے اور یہ چیز ابوترابؑ اور ان کے شیعوں کی محبت کو کمزور کرنے والی ہے۔"

فصل ششم

رشتۂ ازدواج
بحکم
خداوند تعالیٰ

رشتہ ازدواج

باغوں میں خلد نہروں میں کوثر ہے انتخاب
قبلوں میں کعبہ مصحفوں میں آخری کتاب
تاروں میں آفتاب میں پھولوں میں گلاب
سب عورتوں میں فاطمہؑ مردوں میں بوترابؑ
شاہ زنان وقت مسیحا کی ماں ہوئیں
زہراؑ ہر ایک عصر میں شاہ زناں ہوئیں

ہم نے گزشتہ باب کے شروع میں "معجزۂ ولادت" مولائے کائنات حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے بارے میں اپنی حیثیت کے مطابق تحریر کیا ہے اور اب ہم سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کے بارے میں مختصراً لکھیں گے اور پھر کائنات کی ان دو عظیم شخصیات یعنی حضرت علی علیہ السلام اور جناب سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کی شادی خانہ آبادی حوالے سے چند کلمات تحریر کرنے کی جسارت کریں گے۔ مندرجہ بالا قطعے میں شاعر نے اس کائنات کی تخلیق اور ان عظیم ہستیوں کی تعریف میں ایک بہترین کوشش کی ہے۔ درج ذیل میں ہم ایک منفرد حدیث قدسی درج کرتے ہیں۔ اس حدیث قدسی میں رسول پاکؐ نے فرمایا فاطمہؑ "سیدۃ النساء العالمین" ہیں یعنی اٹھارہ ہزار "عالمین" جو اس کائنات میں ہیں، ان میں تمام عورتوں کی سردار ہیں اور ہر زمانے میں سردار تھیں اور قیامت تک رہیں گی۔ اس کے بعد حضرت رسول پاکؐ نے فرمایا کہ جب شب معراج مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا اور تمام آسمانوں کی سیر کرانے کے بعد جنت الفردوس میں لے جایا گیا اور وہاں مجھے ایک "خاص کھجور" لا کر دی گئیں وہ "رطب خاص" میں نے کھائیں۔ ان سے جوہر حیات فاطمہؑ میرے صلب میں قرار پایا اور جب میں زمین پر واپس آیا تو میں نے "حضرت خدیجۃ الکبریٰ" سے نزدیکی کی اور اس سے "فاطمہ حورالانسیہ" کا حمل قرار پایا۔ پس جب میں جنت کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں تو فاطمہؑ کی خوشبو سونگھ لیتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضور "حورالانسیہ" کا کیا مطلب ہے تو آپؐ نے جواب دیا کہ "خداوند عالم نے فاطمہؑ کو خلقت آدمؑ سے پہلے اپنے نور خاص سے خلق فرمایا اور جب آدمؑ کو خلق کیا تو یہ نور ان کو دکھایا گیا۔

لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ اس وقت نور فاطمہؑ کہاں تھا، آپؐ نے فرمایا "ساق عرش کے نیچے ایک قبہ منورہ میں" لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت ان کی غذا کیا تھی تو جواب دیا تسبیح و تقدیس، تہلیل و تمجید ان کی غذا تھی۔ آپؐ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو خلق کیا تو میرے نور کو ان کے صلب میں قرار دیا اور میری پیدائش ہوئی پھر، جب چاہا کہ فاطمہؑ کو میرے صلب سے پیدا کرے تو ان کو جنت میں ایک سیب کی شکل عنایت کی اور جبرائیلؑ امین اس سیب کو لے کر میرے پاس آئے، انہوں نے خداوند کی طرف سے مجھے سلام کہا اور میں

نے جواب دیا کہ سلام اس کی جانب سے ہے اور اس کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔ پھر حضرت جبرائیل نے عرض کی، اے رسول خداؐ یہ دانہ سیب جنت سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے کہ آپؐ یہ نوش فرما لیجیے۔ حضرت رسول پاکؐ فرماتے ہیں: کہ میں نے وہ سیب شگافتہ کیا تو اس میں سے ایک نور پیدا ہوا، جس کو دیکھ کر میں جھجکا۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ جھجک نہ جائیے، کیوں کہ یہ نور اس خاتون کا ہے، جس کا آسمان پر نام ''منصورہ'' اور زمین پر ''فاطمہ'' ہے۔ میں نے کہا کہ دونوں نام کس بنا پر رکھے گئے تو جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ زمین پر فاطمہؑ نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ معظمہ اپنے شیعوں کو آتش دوزخ سے اور اپنے دشمنوں کو اپنی محبت سے جدا کریں گی اور آسمان پر نام ''منصورہ'' اس لیے ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ: ''وَیَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ، بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَشَاءُ''(١) یعنی آج ''قیامت کے دن'' مومنین اللہ کی مدد سے مسرور و خرم ہوں گے، اللہ جس کی چاہے گا مدد فرمائے گا یعنی فاطمہؑ اپنے محبوں کی نصرت فرمائیں گی۔ انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی صورت ایسی تھی جیسے ماہ شب چہاردہ۔ فاطمہؑ، جس وقت حجرے سے برآمد ہوتی تھیں تو معلوم ہوتا تھا جیسے چاند بدلی سے باہر نکل آیا ہو۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ رسول پاکؐ نے فرمایا کہ خدا فاطمہؑ کے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور ان کی رضا سے راضی ہوتا ہے اور پھر فرمایا: ''یَا فَاطِمَةُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاکِ عَلٰی نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ'' ''اے فاطمہؑ'' آپ کو اللہ نے منتخب کر لیا ہے عالم کی عورتوں پر''

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت بعثت نبویؐ سے پانچ (۵) سال پہلے مکہ معظمہ میں ہوئی اور ایک روایت کے مطابق بعثت نبویؐ والے سال ہی آپؑ کی ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آپؑ اپنے بابا رسول پاکؐ کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور آپؐ جہاں بھی جاتے تھے، آپؑ کو ساتھ لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے اعلان نبوت کیا تو آپؑ کو کندھے پر بٹھا کر پہاڑ پر لے گئے، جہاں تمام قریش اور بنی ہاشم جمع ہوتے تھے اور آپؐ اعلان نبوت کرنے والے تھے اور ایک روایت کے مطابق کہ جب آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو کفاران مکہ اور ان کے سردار ابوجہل نے اونٹ کی اوجڑی منگوا کر آپ کے اوپر ڈال دی اور یہ ننھی بی بی فاطمہؑ تھیں، جنہوں نے آ کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے وہ وزنی اوجڑی اپنے بابا کے اوپر سے اتار کر دور پھینک دی۔ آپؑ ہر جگہ اپنے بابا کے ساتھ ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ ہر غزوہ اور جنگوں میں آپؐ کے ساتھ رہیں اور کھانا بنا کر آپؐ کے لیے لاتیں۔ زخمیوں کو پانی پلاتیں اور مرہم پٹی کرتی تھیں۔

---

(١) (سورۂ روم، آیت ۴، ۵)

عرش معلی پر کائنات کے عظیم اور بہترین جوڑے کی شادی خانہ آبادی

ہم نے اپنی اس فکری کاوش میں یہ بتانے کی سعی اور کوشش کی ہے کہ بقول شاعر:

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصود کائنات
خیر النساءؑ حسینؑ و حسنؑ مصطفیٰؐ علیؑ

ان ہی پانچ عظیم ترین ہستیوں کے باعث یہ کائنات اب تک قائم و دائم ہے اور انہی کی وجہ سے اس میں معجزات رونما ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور انہی کے بارہویں جانشین (امام زمانہؑ) بحکم خداوند تعالیٰ پردہ غیب میں ہیں اور ان کے آنے کے بعد جب بھی پروردگار چاہے گا اس دنیا میں عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا اور جب یہ سب ہو جائے گا تو پھر پروردگار عالم اس کائنات کی بساط لپیٹ دے گا۔

لوگ محاورتاً کہتے ہیں کہ جوڑے آسمانوں پر بنائے جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں اسی طرح بنائی گئیں اور گھڑی گئی ہیں۔ جب مولا علی علیہ السلام کی ذات اقدس کے بارے میں احادیث نبویؐ نظروں کے سامنے آئیں اور پھر حکم جاری ہوا کہ ایسی ہی احادیث دوسرے صحابہ کے بارے میں لکھی جائیں۔ آسمان پر صرف اور صرف ایک ہی جوڑا بنایا گیا اور وہ ہے جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا جن کا عقد بحکم خداوند تعالیٰ رسول پاکؐ نے پڑھایا۔ ہجرت کے وقت رسول پاکؐ مولا علی علیہ السلام کو حکم دے آئے تھے کہ ان کے جانے کے بعد خاندان کی خواتین کے ہمراہ اور لوگوں کی امانتیں دینے کے بعد وہ بھی مدینہ آ جائیں۔ آپ خاندان کی خواتین کے ہمراہ جن میں چار فواطم (فاطمائیں) یعنی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؑ، حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ، حضرت فاطمہؑ بنت زبیر بن عبدالمطلب اور حضرت فاطمہ بنت حمزہ ان سب کے ساتھ مدینہ پہنچے اور رسول پاکؐ کے پاس قباء پہنچے، جہاں وہ آپ کا انتظار سترہ (۱۷) دن سے کر رہے تھے۔ دو کلومیٹر مدینے سے دور قباء وہ جگہ ہے، جہاں سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی اور جہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا اجر ایک عمرے کے برابر ہے۔ مدینہ میں ورود کے بعد جب جناب سیدہ فاطمہؑ سن بلوغ کو پہنچیں تو قریش کے سرکردہ افراد کی طرف سے خواستگاری کے پیغام آنے لگے۔ ان سرکردہ لوگوں نے اپنی اوقات کو بھی نہ دیکھا کہ کس کے لیے خواستگاری کر رہے ہیں۔ ایک صاحب کو اپنی دولت پر بہت غرور تھا اس نے گراں بہا مہر کی پیشکش کر کے خواستگاری کی، مگر آنحضرتؐ نے ان صاحب سے اور دوسرے لوگوں کے پیغام پر منہ پھیر لیا اور صاف جواب دے دیا اور کچھ لوگوں کے جواب میں فرمایا: "اَنَّ اَمرھَا اِلی رَبّھَا اَن شَاءَ یُزَوِّجُھَا زَوَّجَھَا" "فاطمہؑ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جہاں چاہے گا نسبت ٹھہرا دے گا"۔ جب رسول پاکؐ کی طرف سے مایوس کن جواب ملا تو بعض صحابہ نے حضرت علی علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپؑ پیغمبرؐ کے ابن عم ہیں اور قریب ترین عزیز ہیں، ان سے آپؑ کا خون کا رشتہ ہے اور خاندان بھی ایک ہے۔ آپؑ بھی پیغام بھیجیے اور خواستگاری کیجیے۔ کوئی وجہ نہیں کہ رسول پاکؐ انکار کریں۔ آپؑ نے فرمایا، مجھے آنحضرتؐ سے

عرض کرتے ہوئے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جب اصرار کیا تو کہا، اچھا کسی مناسب وقت پر آنحضرتؐ سے عرض کروں گا۔ چنانچہ ایک دن ضروری کاموں سے فارغ ہو کر رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک گوشہ میں سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ رسول پاکؐ نے آپؑ کو خاموش دیکھا تو سمجھ گئے کہ علیؑ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ علیؑ کچھ کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا کہ ہاں فرمایا۔ پھر کہو علیؑ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی، نگاہوں کو نیچا کر کے دبی زبان میں کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ نے مجھے بچپن سے پالا پوسا ہے، مجھ پر آپؐ کے احسانات ہیں۔ اب میں مزید احسان کا امیدوار ہو کر حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر آنحضرتؐ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور فرمایا کہ کچھ دیر توقف کرو میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور فاطمہ زہراؑ سے کہا کہ بیٹی علیؑ رشتے کی درخواست لے کر آئے ہیں تمہاری کیا مرضی ہے۔ فاطمہؑ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہیں اور کوئی جواب نہ دیا۔ رسول پاکؐ نے فرمایا: "سُکُوتُهَا اِقْرَارُهَا" خاموشی اظہار رضا مندی ہے۔ اور باہر آ کر حضرت علیؑ سے بشاش چہرے کے ساتھ فرمایا "ہاں ایسا ہی ہوگا" اب تم زر مہر کا سروسامان کرو۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ میرے پاس ایک زرہ، تلوار اور ایک گھوڑا یا اونٹ ہے۔ فرمایا کہ گھوڑا یا اونٹ رہنے دو لیکن زرہ زائد ہے، اسے فروخت کر ڈالو۔ آپؑ نے وہ زرہ حضرت عثمان کے ہاتھ چار سو اسی درہم (۴۸۰) میں فروخت کر دی اور اس رقم کو بطور مہر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان درہموں میں سے کچھ درہم حضرت ابوبکر کو دیے اور حضرت عمار یاسرؓ اور چند صحابہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تا کہ وہ گھر گرہستی کا سامان خرید لائیں اور کچھ درہم حضرت بلالؓ کو دیے اور کہا کہ خوشبو کا سامان عطر و غالیہ خرید لائیں۔

غور طلب:

یہ رشتہ عام رشتوں کی طرح نہیں تھا بلکہ درحقیقت اس میں ایک قدرتی راز مضمر ہے اور اس کا انکشاف حضور اکرمؐ کے ارشاد سے ہوا کہ "علیؑ" کے علاوہ فاطمہؑ کا ساری دنیا میں رہتی دنیا تک کفو نہیں ہو سکتا (۱) پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں "فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کروں" اور پھر ارشاد فرماتے ہیں: کہ ہر نبیؐ کی نسل اس کے صلب میں ہوتی ہے لیکن میری نسل صلب علیؑ میں قرار دی (۲)

ان تمام اقوال کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علیؑ اور فاطمہؑ کا رشتہ نسل نبوت کی بقا و دوام کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جن کی بنیاد نجاست کفر پر استوار ہوئی اور جن کی انتہا گندگی نفاق پر ہوئی، رشتے کا پیغام دے کر بھی کامیاب نہ ہوئے۔

---

(۱) (نور الانوار)

(۲) (صواعق محرقہ، ص ۴۷)

عقدِ نکاح:

ماہ ذیعقدہ سن ۲ ہجری کو مسجدِ نبویؐ میں محفل عقد آراستہ ہوئی۔ صحابہ کرام نے شرکت فرمائی، آنحضرتؐ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ فصاحت کی کلیاں چٹکیں، بلاغت کے پھول کھلے اور طرفین سے ایجاب وقبول ہوا اور یہ مبارک تقریب انتہائی سادگی کے ساتھ آنحضرتؐ کی دعائے خیر و برکت پر ختم ہوئی۔ ماہ ذی الحجہ سن ۲ ہجری میں رخصتی عمل میں آئی۔ پیغمبر اکرمؐ نے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام گوشت اور روٹیوں سے کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روغن اور کھجوروں کا بندوبست کیا۔ دعوتِ ولیمہ کا اعلان عام تھا، سب مہاجر و انصار شریک ہوئے، زن و مرد نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ اللہ نے اس کھانے میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔ ایک کھانے کا طبق علیؑ و فاطمہؑ کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور ایک ایک خوان ازواجِ پیغمبرؐ کے گھروں میں تقسیم کے لیے بھیجا گیا۔

سرورِ دو عالمؐ کی دختر اور سرزمین حجاز کی متمول ترین خاتون جناب خدیجۃ الکبریٰؑ کی بیٹی کو جو جہیز دیا گیا وہ کچھ اس طرح تھا: ایک پیراہن، ایک اوڑھنی، ایک خیبری سیاہ سرپیچ، ایک کھجور کی رسیوں سے بنی ہوئی چارپائی، دو توشکیں، ایک میں اون بھری ہوئی اور دوسری میں کھجور کی چھال، طائف کے چمڑے کے بنے ہوئے چار تکیے جن میں گیاہ اذخر کے ریشے بھرے ہوتے تھے، ایک چٹائی، ایک موف کا پردہ، ایک چکی، ایک تانبے کا لگن، ایک چھوٹا مشکیزہ، ایک بڑی مشک، ایک گھڑا، ایک بڑا پیالہ، ایک لوٹا اور مٹی کے چند پیالے۔ ان تمام چیزوں کی مجموعی قیمت کل اسی درہم تھی۔ رسول پاکؐ نے اپنی عزیز بیٹی کا جہیز دیکھا اور ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر کے آسمان کی طرف دیکھ کر پروردگارِ عالم سے دعا کی: "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِقَوْمٍ جَلُّ اٰنِیَتِھِمُ الظُّرُوْفِ" "خدایا ان لوگوں کو برکت عطا فرما، جن کے برتن زیادہ تر مٹی کے ہوتے ہیں"

ملکۂ کونینؑ کی رخصتی:

جب دن نے اپنا دامن سمیٹا، رات نے اپنے سیاہ پردے آویزاں کیے، عقد پروین نے جبینِ فلک پر افشاں چنی اور مشاطۂ فطرت نے عروسی سپہر کو ستاروں سے آراستہ کیا تو افضل الانبیاء، افضل البشر، حضرت پیغمبر اکرمؐ نے دو جہان کی ملکہ، خاتونِ جنت، سیدۃ النساء العالمین جناب بی بی پاک سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کو ایک روایت کے مطابق اپنے خچر شہبا پر اور ایک روایت کے مطابق اپنے سجے ہوئے ناقے پر سوار کیا، جس کی مہار حضرت سلمان فارسیؓ کے ہاتھ میں تھی، تکبیر کی آوازوں سے مدینہ کی فضا گونج اٹھی، ہر طرف سے خیر و برکت کی صدائیں بلند ہوئیں۔ تحمید و تقدیس کے نغمے در و دیوار سے ٹکرائے۔ خود آنحضرتؐ بنفس نفیس تلوار ہاتھ میں لیے، حضرت حمزہ، حضرت عقیل اور دوسرے بنی ہاشم کے ہمراہ دو رویہ برہنہ تلواروں کو بلند کرتے ہوئے شان و شوکت کے اظہار کے ساتھ ہمراہ تھے۔ بنو ہاشم، انصار اور مہاجر مرد اور عورتیں جلوس کی شکل میں ساتھ تھے۔

حضرت ام سلمہؓ اور حضرت بی بی عائشہؓ، بی بی حفصہؓ و دیگر خواتین کے ساتھ نظمیں اور اشعار

گنگناتی ہوئی چل رہی تھیں۔ مہاجر و انصار نے سلامی کے ہدیے کے طور پر کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

اس شان و شکوہ سے یہ جلوس روانہ ہوا اور مسجد نبوی کا طواف کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہنچا۔ آنحضرتؐ نے اپنی پیاری اور اکلوتی بیٹی ملکہ کونین کا ہاتھ حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: "بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِی اِبْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، اے علیؑ تمہیں دختر رسولؐ مبارک ہو، پھر پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اس میں سے ایک گھونٹ منہ میں لے کر اس میں انڈیل دیا اور علیؑ و فاطمہؑ کے سر و سینے پر چھڑکا اور فرمایا: "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھِمَا وَ بَارِکْ عَلَیْھِمَا فِیْ نَسْلِھِمَا" (۱) "بارالٰہا ان دونوں کو برکت دے، ان دونوں پر برکت نازل کر اور ان کی نسل و اولاد میں بھی برکت دے۔" اس تقریب پر تبریک کے بعد جب علیؑ و فاطمہؑ کے ہاں آئے تو پھر ان کے حق میں خیر و برکت کی دعا کی اور یادگار خدیجہؑ کو اپنے گھر میں بستے آباد دیکھ کر خوش خوش واپس ہوئے۔

صدقات:

حضرت علی علیہ السلام کا کہنا ہے کہ "جس دن جناب سیدہؑ سلام اللہ علیہا سے میری شادی ہوئی، اس دن میرے پاس ذاتی اخراجات کے لیے کچھ نہ تھا، لیکن فقط اس دن میں نے جو صدقات دیے وہ اس قدر تھے کہ اگر تمام بنی ہاشم پر تقسیم کیے جاتے تو کافی کچھ بچ رہتا۔

پروردگار عالم کی طرف سے عطا کردہ مہر:

چونکہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خواستگاری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس لیے آپؑ کا مہر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا، یہ مہر تین حصوں میں ہے:

(الف) چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشی سے جناب سیدہ فاطمہؑ کو بعنوان مہر عطا کیں۔

(۱) کائنات کا ایک چوتھائی حصہ "بعنوان ملکیت"

(۲) جنت اور جنت کی تمام نہریں "بعنوان ملکیت"

(۳) ایک چیز جناب سیدہ فاطمہؑ نے فرمائش کر کے اللہ تعالیٰ سے مہر کے طور پر طلب کی اور وہ بارگاہ ایزدی سے جنت کے ریشم پر بنوا کر عطا کی گئی اور وہ تھی "اپنے بابا حضرت رسول خداؐ کی امت کے گنہگاروں کی بخشش کا پروانہ" جب یہ پروانہ جنت کے ریشم پر بنوا کر عطا کیا گیا تو آپؑ اس کو بہت عزیز رکھتی تھیں اور وصیت کی کہ ان کی شہادت کے بعد ان کے ساتھ دفن کر دیا جائے، تاکہ روز قیامت وہ اسے لے کر بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں۔

شادی خانہ آبادی کے بعد رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: کہ اب الگ گھر لے کر فاطمہؑ کے

---

(۱) (اصابہ، ج۴، ص۳۶۶)

ساتھ رہو۔ حضرت علیؑ نے ایک گھر قریب ہی لے لیا، لیکن وہ بھی رسول پاکؐ کو دور لگتا تھا۔ ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ مدینے کی بستی محدود تھی۔ جتنی آج مسجد نبوی کا رقبہ ہے، اور اسی میں تمام لوگ آباد تھے۔ مدینے کا قبرستان جو بستی سے الگ تھا "جنت البقیع" وہ اب مسجد نبویؐ سے متصل ہے تو آپ اندازہ لگالیں کہ مدینے کا کل رقبہ کتنا ہوگا۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے گھر لے لیا تو رسول پاکؐ نے فرمایا: کہ تم اور نزدیک لے لیتے تو حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ حارث بن نعمان کے چند گھر آپؐ کے گھر کے ساتھ ہی ہیں، اگر وہ ہم سے تبدیل کرلیں تو ہم اور نزدیک آجائیں گے لیکن رسول پاکؐ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ وہ اپنی کسی خواہش کے لیے حارث بن نعمان کے سامنے اظہار کریں، لیکن حارث بن نعمان کو معلوم ہوگیا اور رسول پاکؐ کے پاس آکر گھر تبدیل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو رسول پاکؐ خوش ہوگئے اور یوں حضرت علیؑ اور جناب سیدہ فاطمہؑ رسول پاکؐ کے ساتھ والے گھر میں رہنے لگے اور اس گھر کا دروازہ بھی آپؐ نے مسجد نبویؐ کے اندر کھلوادیا اور آپؐ ہر صبح فجر کی نماز کے وقت مسجد نبویؐ جاتے ہوئے سلام کرتے اور کہتے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ" نماز کا وقت ہوگیا اور اس طرح آپؐ کے سامنے بی بی پاکؑ کا گھر ہوگیا۔

ابنائے رسولؐ و دیگر اولاد حضرت علی علیہ السلام

ارشاد رسول مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم ہے کہ :"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِيْ صُلْبِهِ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ ذُرِّيَّتِيْ فِيْ صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ" "خداوند عالم نے ہر نبی کی ذرّیت کو اس کے صلب میں قرار دیا اور میری ذرّیت کو علی ابن ابی طالبؑ کے صلب میں قرار دیا" (۱)

۱۵ رمضان سن ۳ ہجری کو حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور ۳ شعبان سن ۴ ہجری کو حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے اور تیسرے بیٹے حضرت محسنؑ جو اک حادثے میں سقط ہوگئے۔ (اس کے بارے میں وقت ملا اور زندگی نے موقع دیا تو تفصیلاً تحریر کریں گے) حضرات حسنین علیہم السلام دونوں رسول پاکؐ کے بیٹے کہلائے اور اس کی سب سے بڑی مثال "آیۂ مباہلہ" ہے جب بیٹوں کی جگہ رسول پاکؐ ان دو بیٹوں یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو لے کر آئے اور نصرانی خوف زدہ ہوگئے اور مباہلے سے پیچھے ہٹ گئے ورنہ عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرائے جاتے۔ (راقم عمرے کے بعد مدینے میں مباہلے کی جگہ کی زیارت کرکے آیا) جب کفار نے رسول پاکؐ کو ابتر (بے اولاد) ہونے کا طعنہ دیا، کیونکہ آنحضرتؐ کی اولاد نرینہ بچپن ہی میں انتقال کر گئی تھی اور حسنین علیہم السلام کے پیدا ہونے کے بعد یہ دونوں فرزندان رسولؐ کہلائے اور آیۂ مباہلہ اور سورۃ الکوثر اور مندرجہ بالا حدیث قدسی کے مطابق ان ہی سے نسل رسولؐ پھلی پھولی اور آپؐ

---

(۱) (صواعق محرقہ، ص ۱۵۴)

کی نسبت سے ذرّیت رسولؐ کہلائی اور دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور وہ ہی کفار ابتر ہو گئے، جن کی اولاد کا آج نام و نشان باقی نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کی دو بیٹیاں پیدا ہوئیں ایک زینب الکبریٰؑ جو عقیلۂ بنی ہاشم کے لقب سے موسوم ہوئیں اور دوسری بیٹی زینب صغریٰ جو ام کلثومؑ کے لقب سے موسوم ہوئیں، یہ سب چاروں اولادیں حضرت بی بی سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے جناب فاطمہ زہراؑ کی عظمت و منزلت کے پیش نظر ان کی زندگی میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا، البتہ ان کی شہادت عظمیٰ کے بعد مختلف اوقات میں مختلف قبائل میں عقد کیے ان ازواج سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ ذیل ان کی تفصیل ہے۔

۱) جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا: ان کے بطن مبارک سے مذکورہ بالا چار اولادیں ہوئیں، جن کا ذکر ہو چکا۔

۲) حضرت امامہ بنت ابوالعاص: حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کی وصیت کے مطابق ان سے عقد کیا۔ ان کے بطن سے محمد الاوسط متولد ہوئے جو ''کربلا'' میں شہید ہوئے۔

۳) حضرت فاطمہؑ ام البنین بنت خزام کلابیہ: حضرت علیؑ نے اپنے بھائی حضرت عقیل جو انساب عرب سے خوب واقف تھے، سے کہا: کہ میرے لیے ایسی پاک و پاکیزہ خاتون کا انتخاب کریں، جو عرب کے شجاع اور بہادر خاندان سے تعلق رکھتی ہو تا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ بھی بہادر اور شجاع ہو۔ حضرت عقیل نے معلوم کرنے کے بعد مولا علیؑ کو مشورہ دیا کہ آپؑ فاطمہؑ ام البنین سے عقد کریں۔ ان کے آباء و اجداد عرب کے مانے ہوئے دلیر و شجاع گزرے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے ان سے عقد کیا اور سب سے پہلے حضرت عباس علمدار علیہ السلام، ۴ شعبان سن ۲۶ ہجری میں پیدا ہوئے اور پھر عبداللہ، عثمان اور جعفر پیدا ہوئے اور یہ چاروں فرزند بھی ''کربلا'' میں شہادت کے عظیم درجے پر فائز ہوئے۔

۴) لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ: ابن اثیر نے ''کامل'' میں اور ابن سعد نے ''طبقات'' میں لکھا ہے کہ ان کے بطن سے دو صاحبزادے ابوبکر اور عبید اللہ ہوئے اور بعض نے ان دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔

۵) حضرت اسماء بنت عمیس خثعمیہ: ابن اثیر نے ''کامل'' میں تحریر کیا ہے کہ محمد الاصغر انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ابن سعد نے ''طبقات'' میں لکھا ہے کہ ان سے یحییٰ اور عون پیدا ہوئے۔ یحییٰ حضرت علیؑ کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے اور عون کربلا میں شہید ہوئے۔

۶) حضرت ام حبیبہ صہبا بنت ربیعہ تغلبیہ: ان کے بطن سے ایک صاحبزادے عمر الاطرف اور ایک صاحبزادی رقیہ کبریٰ جڑواں پیدا ہوئے۔ رقیہ کبریٰ حضرت مسلم بن عقیل سے بیاہی گئیں۔

۷) خولہ بنت جعفر حنفیہ: ان کے بطن سے محمد پیدا ہوئے، جو بعد میں ابن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے ان کی کنیت ابوالقاسم تھی، سن ۸۱ ہجری میں طائف میں انتقال کیا۔

۸) حضرت ام سعید بنت عروہ ثقفیہ : ابن شہر آشوب نے تحریر کیا ہے کہ ان کے بطن سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ نفیسہ، زینب صغریٰ اور رقیہ صغریٰ۔ سید محسن امین نے لکھا ہے کہ ان سے ام الحسن اور ام کلثوم صغریٰ پیدا ہوئیں۔

۹) حضرت ام شعیب مخزومیہ: ابن شہر آشوب نے لکھا ہے ان سے ام الحسن اور رملہ دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

۱۰) مخباۃ بنت امر القیس: ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں، جو بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔ ان ازواج کے علاوہ کچھ کنیزیں تھیں، جن سے بھی اولاد پیدا ہوئی۔ مولا علیؑ کی نسل حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت عباسؑ، حضرت محمد ابن حنفیہ، اور حضرت عمر الاطرف سے چلی۔ اولاد ذکور و اناث کی کل تعداد بعض نے ۲۸، بعض نے ۳۳ اور بعض نے ۳۶ لکھی ہے۔

سرداری اور سیادت:

رسول پاک سرور کائناتؐ سے نوری اشتراک اور اتحاد ذاتی کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کی سیادت و سرداری مسلم اور مبنی بر حقیقت ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی کے مطابق "انا و علی من نورٍ واحد" میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں تو اسی وجہ سے آپ کو بھی رسول پاکؐ سے ملتے جلتے مدارج حاصل ہیں، جس طرح شاعر نے رسول پاکؐ کے لیے کہا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تو اسی طرح مولائے کائناتؑ کے لیے بھی یہ عرض کر دینا کافی ہے:

بعد از نبیؐ بزرگ توئی قصہ مختصر

حافظ ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ "غدیر" کے موقع پر خطبے سے فراغت کے بعد جب امیر المومنین حضور اکرمؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا "مرحبا بہ سید المسلمین و امام المتقین" "اے مسلمانوں کے سردار اور اے پرہیزگاروں کے امام تمہیں جانشینی مبارک ہو۔ اس ارشاد رسولؐ پر اظہار خیال کرتے ہوئے علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے (مطالب السؤل) میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی سیادت مسلمین اور امامت متقین جس طرح صفت ذاتی ہے، خدا اور رسولؐ نے اپنا نفس قرار دے کر علیؑ کے شرف سیادت کو بام عروج پر پہنچا دیا، کیونکہ جس طرح اصلیہ نبویہ میں نفس نبوت مشارک ہے، اسی طرح اصلیہ سیادت میں بھی نفس شریک ہے اور اسی لیے حضور اکرمؐ حضرت علی علیہ السلام کو سید العرب، سید المومنین، سید المرسلین فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

اور حضرت فاطمہؑ کو سیدۃ النساء العالمین اور ان کے فرزندوں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو

---

(۱) (مطالب السؤل، ص ۵۶، ۵۷)

"سید اشباب اہل الجنتہ" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ دنیا کے لوگوں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت علیؑ اور حضرت بی بی پاک فاطمہؑ کی باہمی مناکحت ومزاوجت نے صفت سیادت کو قیامت تک کے لیے دائمی فروغ دے دیا۔ یعنی بنی فاطمہؑ کا درجہ اور ہے اور جو دیگر ازواج سے مولا علیؑ کی اولاد ہے جو بطن فاطمہؑ سے متولد نہیں ہوئے، ان کی حیثیت اور ہے۔ کیوں کہ نسل بنی فاطمہؑ ہی سلسلۂ نبوت اور سلسلۂ امامت کی قیامت تک کے لیے ضمانت ہے اور اسی لیے انہی کی نسل سے ان کا بارہواں جانشین جو "پردۂ غیبت کبریٰ" میں ہے اور جو امام زمانہؑ "امام المنتظر" ہیں، ان کے ظہور کے ہم سب منتظر ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے جنگی کارنامے:

اقوام عالم کے تمام مفکرین، مورخین، محدثین، محققین، علماء، فقہاء، ائمہ شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ علم اور شجاعت بیک وقت ایک ہستی میں جمع ہونا قدرے دشوار ہے اور اگر کوئی ہستی اب تک اس کائنات میں پیدا ہوئی ہے کہ جس میں یہ دونوں چیزیں بیک وقت جمع ہوئیں تو وہ ذات اقدس جناب امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ہے اور ان کی ذات اقدس نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ میدان علم یا میدان جنگ دونوں پر قابو پایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ انسان میں وہی صلاحیتیں ہوں، جو قدرت کی طرف سے حضرت علیؑ میں ودیعت کی گئی تھیں۔ عہد طفولیت سے جھولے میں کلۂ اژدر کو چیر پھاڑنے سے لے کر شہادت تک ساری زندگی تمام اسلامی جنگیں صرف آپ کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے جیتی گئیں۔ سن ۲ھ ہجری سے لے کر عہد وفات رسول پاکؐ تک تاریخ عالم آپؑ کے کارناموں سے بھری پڑی ہے، وہ چاہے جنگ بدر ہو یا جنگ احد، جنگ خندق ہو یا جنگ خیبر، جنگ حنین ہو یا کوئی اور معرکہ، ہر منزل پر آپؑ کی شجاعت اور بہادری نے ہی مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار کیا اور اسی لیے جب جنگ احد میں آپؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "ذوالفقار" عطا کی گئی اور آسمان (فلک) سے جبرائیل امین کی آواز آئی:

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار
لافتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

اور یہ "ذوالفقار" ہر جگہ چمکتی ہوئی نظر آئی۔ کبھی عمر بن عبدوود کے جسم کے دو ٹکڑے کیے تو آواز رسول پاکؐ آئی: "ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ" "علی کی ایک ضربت خندق کے روز تمام ثقلین کی عبادتوں سے افضل ہے" آپؑ خود بھی فرماتے ہیں بقول شاعر:

اف رے طاقت کہ احد میں ملی اللہ سے تیغ
اف رے قامت کہ پیغمبرؐ کی دعا بھی میں ہوں
میں اسی تیغ سے باطل کو فنا کرتا ہوں
خیر کو شر سے بہ یک ضرب جدا کرتا ہوں

آپؑ کی اسی ''ذوالفقار'' نے حارث خیبری، مرحب و عنتر جیسے بہادروں کو بھی چشم زدن میں فنا کی گھاٹ اتار کر دوزخ میں پہنچا دیا۔ تمام عالم کے لوگوں کو یہ باور کرنا چاہیے کہ جس طرح کوئی انسان آپؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اسی طرح آپؑ سے نبرد آزمائی جنوں کے بھی بس کی بات نہ تھی۔

جنگ بئر العلم (جنّات سے جنگ):

تاریخ اسلام میں ''جنگ بئر العلم'' جو ''وادی کثیف ارزق'' میں جنوں کے ساتھ ہوئی اور یہ معرکتہ الآراجنگ بھی حسب عادت مولا علیؑ نے جیتی، اس جنگ کی بہت اہمیت ہے۔ (۱) کنز الواعظین ملا صالح برغانی میں بحوالہ امام المتقین الحاج محمد تقی القرد ہنی بتوسل امام حسن عسکریؑ وابوسعید خدری وحذیفہ یمانی مرقوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم (جنگ سکارسک) سے واپسی پر ایک اجاڑ اور ویران وادی سے گزرے۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے، عمر بن امیہ ضمری نے کہا کہ حضورؐ اسے ''وادی کثیف ارزق'' کہتے ہیں، اس جگہ وہ کنواں ہے جس میں وہ جن رہتے ہیں جو حضرت سلیمانؑ کے قابو میں بھی نہ آسکے اور ادھر سے تبع یمانی گزرا تھا، اس کے دس ہزار سپاہی بھی انہی جنوں نے مار ڈالے تھے۔ رسول پاکؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو پھر یہیں ٹھہر جاؤ۔ جب قافلہ ٹھہر گیا تو آپؐ نے فرمایا: کہ دس آدمی جاؤ اور کنویں سے پانی لاؤ۔ جب یہ لوگ کنویں کے قریب آئے تو ایک زبردست عفریت برآمد ہوا اور اس نے ایک زبردست چیخ ماری جس سے سارا جنگل آگ بن گیا۔ دھرتی کانپنے لگی، سب صحابی بھاگ گئے لیکن ابوالعاص صحابی پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر میں جل کر راکھ ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور سرور کائناتؐ سے عرض کی کسی اور کو بھیجنے کی بجائے آپ حضرت علی علیہ السلام کو ''علم'' دے کر بھیجیے اللہ تعالیٰ ان کو فتحیاب کرے گا۔ علیؑ روانہ ہوئے اور رسول پاکؐ نے دست دعا بلند کیا جب حضرت علیؑ نزدیک پہنچے تو ایک عفریت برآمد ہوا اور غصہ میں رجز پڑھنے لگا۔ آپؑ نے جواب میں فرمایا کہ میں ''علیؑ ابن ابی طالبؑ'' ہوں اور میرا شیوہ اور میرا عمل سرکشوں کی سرکوبی ہے۔ یہ سن کر اس نے آپؑ پر ایک زبردست حملہ کیا آپؑ نے وار خالی دے کر اسے ذوالفقار سے دو ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے بعد آگ کے شعلے اور دھوئیں کے طوفان کنویں سے برآمد ہوئے اور زبردست شور مچا اور بے شمار ڈراؤنی شکلیں سامنے آگئیں۔ حضرت علیؑ نے ''بَرْدًا وَّسَلَامًا'' کہا اور چند آیتیں پڑھیں، آگ بجھنے لگی دھواں ہوا ہونے لگا۔

حضرت علیؑ کنوئیں کی جگت پر چڑھ گئے اور ڈول ڈال دیا۔ کنویں سے ڈول باہر پھینک دیا گیا اس طرح تین مرتبہ ہوا تو آپؑ نے رجز پڑھا اور کہا کہ باہر آؤ یہ سن کر ایک عفریت برآمد ہوا آپؑ نے اسے قتل کیا پھر آپؑ اپنی کمر میں رسی باندھ کر اصحاب سے کہا کہ اسی کو تھامے رہو میں کنویں میں اترتا ہوں۔ مولا علیؑ کنویں

---

(۱) (مناقب ابن آشوب، جلد ۲، ص ۹۰)

میں اترے اور تھوڑی دیر کے بعد رسی کٹ گئی اصحاب پریشان ہوگئے اور گریہ کرنے لگے کہ خدا جانے مولا علی کے ساتھ کیا ہوا۔ اتنے میں کنویں میں سے چیخ و پکار اور امان الحفیظ کی صدائیں آنے لگیں اور پھر صدا آئے " اَعْطِنَا الْاَمَانَ " اے علیؑ ہمیں پناہ دو۔ آپؑ نے فرمایا: کہ قطع وبرید اور ضرب شدید کلمے پر موقوف ہے۔ کلمہ پڑھو امان لو۔ جنات نے کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد رسی ڈالی گئی اور حضرت مولائے کائناتؑ ۲۰ ہزار جنات کو قتل اور ۲۴ ہزار قبائل کو مسلمان کر کے کنویں سے برآمد ہوئے۔ تمام اصحاب نے مسرت کا اظہار کیا اور سب کے سب آنحضرتؐ کے پاس آئے، حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو سینے سے لگایا اور مبارکباد سے ہمت افزائی فرمائی اور پھر مدینے روانہ ہوگئے۔ اور اس طرح مولا علیؑ نے نہ صرف انسانوں، بلکہ جنات سے بھی جنگ جیتنے کا منفرد اعزاز حاصل کیا، جو تاریخ انسانی میں ایک درخشاں باب ہے، جس کی چمک دمک سے یہ کائنات جگمگا رہی ہے(۱)

"صلح حدیبیہ" اور "فتح مکہ" کے بعد کے حالات:

ذیقعد سن ۶ ہجری بمطابق سن ۶۲۸ء آنحضرتؐ حج کے ارادے سے مکہ کی طرف چلے۔ قریش کو خبر ہوئی تو جانے سے روکا اور ابوسفیان نے اپنے ایک ایلچی "عروہ" کو بھیجا کہ اس سال حج نہیں کرنے دیں گے۔ آپؐ اگلے سال حج کرنے آئیں۔ آنحضرتؐ ایک کنویں کے قریب، جس کا نام "حدیبیہ" تھا رک گئے اور وہاں صحابہ سے جان نثاری سے بیعت لی، جسے "بیعت الرضوان" کے نام سے جانا جاتا ہے اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب "سمرہ" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غرض مسلمان واپس آگئے اور حج نہیں کیا۔

غور طلب سوال؟

ہم نے یہ واقعہ صرف اور صرف اس لیے لکھا ہے کہ ایک "سوال" یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے ایک سال کا عرصہ کیوں لیا؟ ہم نے تمام مسلمان مورخین، شارحین، مفسرین اور تمام مکاتب فکر کے علماء و محدثین، محققین کو پڑھنے کا سلسلہ یہ جاننے کے لیے شروع کیا کہ اس سوال کو نظر انداز کیوں کیا گیا؟ کیونکہ اس سوال کا جواب ہمیں کہیں اسلامی تاریخوں میں نہیں ملا۔ تو بالآخر ہم نے اقوام عالم کے مفکرین، مورخین کو پڑھا اور ہمیں یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ اس سوال کا جواب ان تاریخوں میں موجود ہے، بلکہ یہ ہی نہیں اور بھی کچھ سوالوں کے جواب جو اپنی مسلمان تاریخوں میں توڑ مروڑ کر اور حقیقت حال سے پردہ پوشی کے لیے لکھے گئے، وہ بھی موجود ہیں اور یہ تاریخ دان اور فرانس کے مایہ ناز مورخ Wil Durant نے یہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف کی ہوئی تاریخ Age of Faith جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، میں لکھا ہے کہ "ابوسفیان نے ایک سال کی

---

(۱) (دمعہ ساکبہ، ص ۱۷۶، طبع ایران، شواہد النبوت علامہ جامی رکن، جلد ۲، ص ۱۶۵ طبع لکھنو سن ۱۹۲۰ء)

مہلت اس لیے لی کہ سونے چاندی اور دیگر قیمتی دھاتوں سے بنی ہوئے ڈبے اور دوسرے بتوں کی شبیہوں سے ۱۲ کنویں، جن کی گہرائی ۳۰۰ گز تھی، بھرے ہوئے تھے اور ایک سال یا ایک مہینے میں نہیں بھرے گئے تھے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر اس وقت تک کے عرصے میں جو دو ہزار تین سو (۲۳۰۰) سال میں جمع ہوئی جو صرف بنی امیہ جانتے تھے اور اس سال کے دوران میں ابوسفیان یہ سارے کنویں خالی کر کے ساری دولت دمشق لے گیا اور مصر سے منگوایا ہوا Balck Graynite کالا پتھر سے پورا دمشق شہر نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔ دوسرا سوال کا جواب یہ ملا کہ رسول پاکؐ کی صرف تین اولادیں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے پیدا ہوئیں اور وہ ہیں حضرت بی بی فاطمہؑ سلام اللہ علیہا، دو بیٹے حضرت قاسم جو طیب کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں اور دوسرے حضرت ابراہیم اور روایت میں ایک اور بیٹے کا نام بھی ہے اور وہ ہے عبداللہ جو طاہر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اور یہ دونوں بیٹے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

حضرت علی ابن ابی طالب علیہا السلام بحیثیت محسن اسلام

اقوام عالم کے تمام ادیان میں "اسلام" پروردگار عالم کا ایک پسندیدہ دین ہے، جس کا اظہار پروردگار عالم نے بذریعہ وحی سن ۱۰ ہجری کو حجۃ الوداع کے موقع پر کیا اور اسی دین حنیف پر اپنی رضاعت اور پسندیدگی کی مہر لگا دی۔ دین اسلام کو بہت ہی مشکل اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا اور شروع سے لے کر رسول پاکؐ کے وصال تک "چمن اسلام" کی آبیاری اپنے خون سے اگر کسی نے کی ہے تو وہ ہے "خاندان مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام"، جن کے اسلام پر بے شمار احسانات ہیں اور رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے۔ ہم یہاں پر حضرت علیؑ کے تمام احسانات جن کی فہرست بہت طولانی ہے، درج نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے ایک عمر اور وقت درکار ہے لیکن پھر بھی ہم "مشتے از خروارے" لکھے دیتے ہیں۔

۱) دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر دس بارہ سال کی عمر میں جب رسول پاکؐ کو تقریر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا تو آپؑ نے کھڑے ہو کر تین بار نصرت پیغمبر اسلام کا اعلان نہایت ہمت و جرأت اور غیظ و غضب کے عالم میں کہا کہ سب لوگ حیران و پریشان ہو گئے۔

۲) شب ہجرت بستر رسول پاکؐ پر اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر سو کر بانی اسلام کی جان کی حفاظت کی اور پھر تین دن تک جان جوکھم میں ڈال کر غار میں آپؐ کے لیے کھانا پہنچاتے رہے۔

۳) جنگ بدر میں جب کہ مسلمان صرف ۳۱۳ (تین سو تیرہ) تھے آپؑ نے جنگ کا آغاز نہایت دلیری اور شجاعت سے کیا اور اپنے مد مقابل ولید کو تہہ تیغ کرنے کے بعد شیبہ جو حضرت حمزہؓ سے لڑ رہا تھا، اسے بھی قتل کر ڈالا اور عتبہ کو بھی جو ابوعبیدہؓ بن جراح کو گھائل کر چکا تھا اسے بھی فی النار کیا اور اس طرح اسلام کی پہلی جنگ شروع ہوئی جو مسلمانوں کی فتحیابی پر ختم ہوئی۔

۴) جنگ احد میں جب مسلمان نے رسول پاکؐ کے حکم کے خلاف گھاٹی سے اتر کر مال غنیمت لوٹنے

والوں میں شامل ہو گئے اور دشمن نے خالد بن ولید کی سربراہی میں پلٹ کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں میں بھگڈر مچ گئی اور رسول پاکؐ تنہا رہ گئے تو آپؑ نے دوسرے نوجوانان بنی ہاشم کے ساتھ مل کر رسول پاکؐ کی حفاظت فرمائی اور ہاری ہوئی لڑائی کو دوبارہ جیت لیا۔

۵) کفار جو اپنے تازہ تازہ زخموں کو چاٹ رہے تھے اور غصے میں بلبلا رہے تھے، پھر بڑا لشکر لے کر آ گئے اور ''خندق'' کے میدان میں معرکہ پڑا۔ اس جنگ میں کفار اپنے ساتھ عمر بن عبدود کو لے کر آئے، جو روایت کے مطابق طاقت وتوانائی کے اعتبار سے ایک ہزار انسانوں کے برابر تھا اور وہ خندق پار کر کے لشکر اسلام کی طرف آ گیا اور للکارنے لگا اور جب کوئی نہ نکلا تو رسول پاکؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا، وہ جنگ کے لیے جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا: ''برز الایمان کلہُ الیٰ کفر کلہُ'' آج کل ایمان کل کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے اور حضرت علیؑ نے ایک ضربت سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے، جس پر رسول پاکؐ نے فرمایا:
''ضَرْبَتُ عَلِیٍّ مِنَ الْیَوْمِ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ'' علیؑ کی ایک ضربت خندق کے روز ثقلین کی عبادتوں سے افضل ہے۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضرب ید اللّٰہیؑ اک سجدۂ شبیریؑ

۶) جنگ خیبر میں جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور قلعۂ خیبر فتح نہ ہوا، یہاں تک کہ تقریباً ۳۹ (انتالیس) روز گزر گئے اور لشکر اسلام میں خوراک ورسد کا سامان کم پڑنے لگا تو رسول پاکؐ نے پروردگار عالم سے دعا کی اب کیا کیا جائے۔

وضاحت:

ہم اپنے قارئین سے یہ عرض کرتے چلیں کہ جنگ خیبر کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حضرت علیؑ اس جنگ میں شروع سے ساتھ تھے اور دوسری یہ کہ آپؑ کو قصداً مدینے میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ عقلی طور پر اگر یہ روایت مان بھی لی جائے کہ حضرت علیؑ شروع سے ساتھ تھے تو پھر رسول پاکؐ نے اتنا انتظار کیوں کیا۔ وہ تو جانتے تھے کہ سوائے علیؑ کے کوئی بھی جنگ چاہے وہ کیسی بھی ہو فتح نہیں ہو سکتی تو پھر پہلے ہی چند دنوں میں کیوں نہ بھیج دیا کیوں اتنا انتظار کیا، یہاں تک کہ خوراک ورسد کا قحط پڑنے لگا اور صحابہ اور دوسرے مسلمان بددل ہونے لگے۔ دوسری روایت جو عقل کے زیادہ نزدیک ہے وہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو آپؐ مدینے میں چھوڑ آئے تھے اور جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور ۳۹ روز گزر گئے تو پروردگار عالم سے دعا کی: اے رب ذوالجلال ہماری مدد کر۔ اس پر وحی نازل ہوئی کہ جس کو فتح کرنا تھا اسے تو مدینہ چھوڑ آئے' پوچھا کہ مدینہ تو بہت دور ہے اب کیا کیا جائے، تو آواز قدرت آئی کہ اسے پکارو اور اسی لیے آپؐ نے فرمایا: کہ ''کل علم اس شخص کو دوں گا جو مرد اور کرار ہوگا غیر فرار ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا

ہے اور اللہ اور رسولؐ بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح وکامرانی عطا کرے گا۔ اور اسی لیے اللہ کے حکم کے مطابق آپؐ نے "نـاد علياً مظهر العجائب" کا نعرہ لگایا تو آپؑ (علیؑ) معجزے سے مدینے سے خیبر پہنچے اور ساتھ ہی قنبرؓ جو مولا کا غلام تھا وہ بھی پہنچ گیا تو لوگوں نے پوچھا کہ قنبرؓ مولاؑ تو معجزے سے آگئے تم کیسے آئے تو قنبرؓ نے جواب دیا کہ میں مولا علیؑ کے قدموں سے لپٹ گیا اور یہاں پہنچ گیا ۔اور پھر آپؑ کو علم دیا گیا اور آپؑ خیبر کے قلعے کی طرف گئے تو حارث خیبری نکلا، آپؑ نے ایک ہی وار میں اسے جہنم رسید کیا اور مرحب وعنتر کو اسی طرح فی النار کیا اور سب سے بڑا معجزہ یہ ہوا کہ آپؑ نے اپنی دو انگلیوں سے درِ خیبر جو تقریباً آٹھ سو من سے دو ہزار من وزن کا تھا اور جس کو چالیس جوان کھولتے اور بند کرتے تھے ،ایک جھٹکے میں اکھاڑ ڈالا اور اس خندق جو قلعے کے چاروں طرف کھودی گئی تھی اس پر پل بنا دیا اور مسلمانوں کی یلغار قلعے کے اندر داخل ہوگئی اور اس طرح قلعۂ خیبر فتح ہوا اور آپؑ کا یہ بھی اسلام پر احسان عظیم تھا۔ (راقم الحروف' وہ جگہ مدینہ میں دیکھ کر آیا ہے، جہاں سے آپؑ کے گھوڑے نے خیبر کی طرف پرواز کی) (خیبر) قلعۂ قموص مدینے میں تقریباً پچاسی (۸۵) سے نوے میل دور ہے۔

۷) ہماری نظر میں سب سے بڑا احسان مولا علی علیہ السلام نے اسلام پر جو کیا وہ قابل تعظیم اور قابل غور ہے۔ جب رسول پاکؐ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو ایک دن پہلے حضرت علیؑ کو قریب بلا کر فرمایا اے علیؑ اب میرے اپنے معبود کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے، میرے انتقال کے بعد تم ہی مجھے غسل دینا' کفن پہنانا اور لحد میں اتارنا اور میں نے جن لوگوں سے وعدے کیے ہوئے ہیں وہ پورے کرنا اور لشکر اُسامہ کی تیاری کے سلسلے میں فلاں یہودی کا مجھ پر قرض ہے، اسے ادا کر دینا۔ پھر دست مبارک سے انگوٹھی اتار کر دی اور فرمایا: اسے پہن لو۔ ان تمام باتوں کے بعد آپؐ کی حالت غیر ہوگئی اور مولا علیؑ انہیں سنبھالنے لگے، جب ذرا طبیعت سنبھلی تو مولا علیؑ کسی ضروری کام سے کہیں چلے گئے، کہ کاشانۂ نبوت پر موت کے بادل منڈلانے لگے نزع کی سی حالت طاری ہوگئی کہ آپؐ نے فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ حضرت بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول پاکؐ نے کہا:" قـال رسـول الـلـه لـمـا حضرة الوفاة ادعوالي حبيبي فدعواله ابا بكر منظر اليه ثم وضـع راسـه ثـم قال ادعو الى حبيبي فدعواله عمر فلما نظر اليه وضع راسه ثم قال حبيبي فدعواله عليها راه ادخله معه في الثوب الذي كان عليه فلم يزل يحتضنه حتىٰ قبض ويده عـلـيـه'' (۱) "جب پیغمبر اکرمؐ کا وقت وصال قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ کوئی حضرت ابوبکر کو بلا لایا آپؐ نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا اور سر نیچے رکھ دیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ اب کوئی حضرت عمر کو بلا لایا آپؐ نے انہیں دیکھا تو سر نیچے رکھ دیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ اب علیؑ کو بلایا گیا آپؐ نے انہیں

(۱) (ریاض النضرہ ،ج ۲،ص ۲۳۷)

دیکھا تو اپنی چادر میں جسے اوڑھے ہوتے تھے لے لیا اور پہلو میں لیے رہے یہاں تک آپؐ انتقال فرما گئے اور آپ کا ہاتھ حضرت علیؑ کے اوپر رکھا تھا'' اس سے پہلے رسول پاکؐ حضرت علیؑ کو سمجھا گئے تھے کہ میرے بعد خلافت کا فتنہ کھڑا ہوگا اور لوگ تمہاری طرف سے غافل ہو جائیں گے تو ان مصیبتوں پر تم صبر کرنا اور ایسا ہی ہوا۔ رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد لوگ سقیفہ بن ساعدہ چلے گئے اور رسول پاکؐ کے جنازے کو چھوڑ گئے اور وہاں مہاجر و انصار میں خلافت کا جھگڑا طے کر کے حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کے نامزد کرنے پر خلیفہ بنا دیا گیا تو اس میں تین دن گزر گئے اور جب یہ سب واپس آئے تو حضرت علیؑ اور باقی بنو ہاشم نے رسول پاکؐ کی تجہیز و تکفین کر دی تھی، جس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم نے تو نماز میت بھی نہیں پڑھی اب ہم قبر سے میت نکال کر نماز پڑھیں گے۔ اس پر مولا علیؑ کو شدید غصہ آ گیا اور غیظ و غضب کی سی حالت ہو گئی کہ منہ سے کف جاری ہو گیا اور آپؑ رسول پاکؐ کی قبر مطہر پر بیٹھ گئے اور ہاتھ میں لکڑی لے لی۔ جب لوگوں نے علیؑ کی یہ حالت دیکھی تو رسول پاکؐ کی وہ حدیث یاد آ گئی کہ اس وقت اسے بچنا کہ جب علیؑ مٹی کے گھوڑے پر سوار ہوں، ہاتھ میں لکڑی کی تلوار ہو اور منہ سے غصے میں کف جاری ہو، تو اس وقت اس کو نہ چھیڑنا ورنہ وہ دنیا کو تہہ و بالا کر دے گا۔ اور اس کے بعد لوگ واپس چلے گئے۔ بعد میں ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا کہ خلافت تو تمہارا حق تھا آؤ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں مدینے کی گلیاں تلواروں سے بھر دوں گا اور اس ابوقحافہ کے بیٹے سے خلافت چھین لیں گے۔ اس پر مولا علیؑ نے کہا: خبردار! میں جانتا ہوں کہ تم اسلام کے کتنے ہمدرد ہو۔ اگر اس وقت ایسا ہو جاتا اور ابوسفیان کے بچھائے ہوئے جال میں مسلمان پھنس جاتے تو اسلام منزل اوّل پر ہی ختم ہو جاتا، لیکن حضرت علیؑ کے تدبر اور حکمت عملی سے ایسا نہ ہو سکا اور یہ ایک عظیم احسان ہے اسلام پر مولا علی علیہ السلام کا۔ اور یہ احسان آپؑ کی ذات تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ آخر وقت تک آپؑ کے خاندان کے افراد قربانیاں دیتے رہے اور چراغ اسلام اپنے لہو سے جلاتے رہے، جس کی سب سے بڑی مثال ''سانحۂ کربلا'' ہے جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام عزیز و اقرباء و دوست احباب کے ساتھ اس قربانی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیلؑ کی کرنا تھی اور جو بحکم اللہ تعالیٰ ایک عظیم قربانی میں تبدیل کر دی گئی ''وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ'' اے ابراہیمؑ ہم نے تیری اس قربانی کو ایک عظیم قربانی میں بدل دیا کی مثال کو سچ کر کے دکھایا اور قیامت تک کے لیے اسلام کی عظمت، شان و شوکت بلند و بالا کر دی۔

یہ شہادت ہے اس انسان کی کہ اب حشر تک — جب تک خدا رہے گا رہے گی حسینیت
آسمانوں سے صدا آئے گی انساں انساں — کتنی دراز عمر ہے زہراءؑ کے لعل کی

کفالت خاندان اور ذریعہ معاش

یہ وہ زمانہ تھا جب روزگار کے مواقع بہت ہی کم تھے۔ زیادہ تر لوگ تجارت اور لین دین کا کام کرتے تھے۔ زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ مولا علیؑ خود بھی کسب حلال پر ان کی بہترین صفت تھی عمل پیرا ہوتے تھے۔ آپؑ روزی کمانے کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور مزدوری کرنے کو نہایت اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپؑ خود یہودی کے باغ کو سیراب کرتے تھے اور جو وہاں سے مزدوری ملتی اس سے اپنی اور اپنے خاندان کی کفالت کرتے تھے۔ زیادہ تر گھر میں فاقہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آپؑ نے کنویں سے پانی کھینچنے کی مزدوری کی اور ایک خرمہ فی ڈول مزدوری طے ہوئی اور آپؑ نے سولہ (۱۶) ڈول پانی نکالا اور (۱۶) خرمے لے کر رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے مل کر تناول فرمایا۔ ایک دن رسول پاکؐ آپؑ کے گھر آئے تو دیکھا کہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے چہرے زرد پڑے ہوئے ہیں آپؐ نے وجہ دریافت کی بی بی فاطمۃ الزہراؑ نے جواب دیا کہ چند دن سے بخار میں مبتلا ہیں، اس پر رسول پاکؐ نے کہا کہ تم سب خدا کے حضور نذر مان لو کہ یہ ٹھیک ہو جائیں تو وہ نذر پوری کرو گے۔ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہؑ نے تین دن روزہ رکھنے کی منت مان لی۔ حسنین علیہم سلام ٹھیک ہو گئے تو حضرت علیؑ نے باغ میں پانی سینچنے کی مزدوری جو کی ایک مقدار طے کی، شام تک پانی دیا اور جو لے کر گھر آئے بی بی فاطمہؑ نے چکی میں پیس کر پانچ روٹیاں بنائیں اور ایک ایک روٹی پانچوں نے لے لیں یعنی حضرت علیؑ، بی بی فاطمہؑ، اماں فضہ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ جب روزہ افطار کرنے کا وقت آیا تو باہر دروازے کے پاس سے آواز آئی کہ میں یتیم ہوں ، اے اہل بیت اطہارؑ میں بھوکا ہوں کچھ کھانے کو دو تو ان پانچوں افراد نے اپنے اپنے حصے کی روٹیاں اس سائل کو دے دیں اور خود نمک سے افطار کر کے سو گئے، دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا جب روزہ افطار کا وقت آیا تو پھر ایک سائل نے آواز دی اے اہل بیت نبیؐ میں مسکین ہوں اور بھوکا ہوں' پھر ان پانچوں افراد نے اپنی اپنی روٹیاں سائل کو دے دیں اور تیسرے دن بھی اسی طرح ہوا اور تیسرے دن ایک اسیر نے آ کر آواز دی اور پھر ان تمام حضرات نے روٹیاں دے دیں اور نمک سے افطار کر کے سو گئے۔ جب رسول پاکؐ آئے اور سب کے چہروں پر نقاہت دیکھی اور پوچھا تو بی بی فاطمہؑ و حضرت علیؑ نے ساری بات بتا دی کہ کیا ہوا۔ اس پر رسول پاکؐ نے خدائے ذوالجلال سے دعا کی کہ اے پروردگار اس طرح تو میرے اہل بیت بھوکے رہیں گے، جس پر انعام کے طور حضرت جبرائیلؑ سورۂ ہل اتیٰ (سورۂ دہر) لے کر حاضر ہوئے اور یہ آیت خاص طور پر پڑھی:

"وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا" (۱) یہ (حضرات آل محمدؐ) ایسے ہیں کہ

---

(۱) (سورۂ دھر، آیت ــ)

خدا کی محبت میں محتاج، یتیم اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں" سورۂ دہر تمام کی تمام مدح آل محمدؐ میں نازل ہوئی اور خصوصی طور پر آیت ۱۱ تا ۲۲ تک آل محمدؐ کے تذکرے سے رطب اللسان ہے۔ اس واقعے کو محدث دہلوی نے بھی "ریاض النضرۃ، جلد ۲، ص ۲۲۷" پر درج کیا ہے۔

دنیا اور طلب مالِ دنیا حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں

حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ معتبر میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، بلکہ وہ اسے ایک حقیر ذرے سے بھی کم سمجھتے تھے اور اسی لیے فرماتے تھے "عزی وغیری" اے دنیا جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے، میں تو تجھے طلاق بائن دے چکا جس میں رجوع کی گنجائش نہیں رہتی۔ ایک دن آپؑ نے دیکھا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں تو پوچھا کہ اے جابر، کیا تمہاری یہ ٹھنڈی اور لمبی سانسیں دنیا کے لیے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مولاؑ ہے تو ایسا ہی۔ اس جواب پر مولا علیؑ نے فرمایا کہ اے جابر آ تجھے دنیا کی حقیقت بتاؤں۔ انسان کی زندگی کا دارومدار سات چیزوں پر ہے اور یہ ہی سات چیزیں وہ ہیں، جن پر لذتوں کا خاتمہ ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱) کھانے والی چیزیں: کھانے میں بہترین چیز "شہد" ہے یہ مکھی کا "لعاب دہن" ہے۔

۲) پینے والی چیزیں: پینے میں بہترین چیز "پانی" ہے اور یہ زمین پر مارا مارا پھرتا ہے۔

۳) پہننے والی چیزیں: بہترین پہننے کی چیز دیباج "ریشم" ہے اور یہ بھی کیڑے کا "لعاب" ہے۔

۴) سواری والی چیزیں: بہترین سواری "گھوڑا" ہے جو قتل وقتال کا مرکز ہے۔

۵) لذت نکاح والی چیزیں: بہترین منکوحات عورت ہے، جس کی حد یہ ہے کہ "پیشاب کا مقام" پیشاب کے مقام میں ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کی جس چیز کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں وہ ہی اس کے جسم میں سب سے گندی ہے۔

۶) بہترین سونگھنے والی چیزیں: بہترین سونگھنے والی چیز "مشک" ہے جو ایک جانور کے ناف کا سوکھا ہوا خون ہے۔

۷) بہترین سننے والی چیزیں: بہترین سننے والی چیزیں "غنا" یعنی "گانا" ہے جس کو سننے سے بڑا گناہ

ہوتا ہے۔ اے جابر عقلمند انسان ایسی بے کار چیزوں کے لیے کیوں ٹھنڈی سانس لے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد مولاؑ کے بعد میں نے کبھی دنیا کی طلب نہیں کی۔ (۱)

حضرت علی علیہ السلام کے اخلاق حسنہ

حضرت علی علیہ السلام اس عظیم خاندان کے چشم و چراغ ہیں، جو تمام کائنات میں افضل و اعلیٰ ہے، خواہ چاہے وہ حلم ہو یا خلق، مہمان نوازی یا بندہ نوازی، عبادت ہو یا شجاعت، ابتدا سے لے کر اس خاندان کا نام ہمیشہ بہترین اخلاق، آداب، علم میں اعلیٰ ترین نہج پر تھا اور اس کے ڈنکے چہار دانگ بجتے تھے اور ان سب میں حضور اکرمؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا نام سب سے درخشاں ستارے کی مانند ہے۔ آپؑ خندہ جبیں، شگفتہ مزاج، بے غرضی و اخلاص کا پیکر، غریبوں کے ہمدرد، یتیموں کے غمخوار اور اخلاق نبویؐ کا مکمل نمونہ تھے۔ اعلیٰ و ادنیٰ سے یکساں خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ غلاموں سے عزیزوں کا سا سلوک کرتے مزدوروں کو بوجھ اٹھانے میں مدد دیتے، خود بینی و خود نمائی سے نفرت کرتے، انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے، عام لوگوں کی طرح سادہ اور معمولی خوراک کھاتے اور انہی کی طرح کپڑے اور عام لباس پہنتے تھے۔ اکثر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے۔ اپنی جوتیاں خود گانٹھتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے اور بازار سے سودا سلف خود خرید کر لاتے، کھیتوں میں ایک مزدور کی طرح کام کرتے، اپنے ہاتھ سے چشمے کھودتے درخت لگاتے اور ان کی آبیاری کرتے، مال سمیٹ کر رکھنے کے بجائے غریبوں اور ناداروں میں بانٹ دیتے، رنگ و نسل کا امتیاز اور طبقاتی تفریق گوارا نہ کرتے، حاجت مندوں کے کام آتے، کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، بغض و کینہ اور انتقامی جذبات کو پاس نہ پھٹکنے دیتے، حیرت انگیز حد تک عفو و درگزر سے کام لیتے، دینی معاملات میں سختی برتتے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے، حق و صداقت کے جادے پر گامزن رہتے اور کسی کی رو رعایت نہ کرتے، دشمن کے مقابلے میں مکر و فریب اور داؤ پیچ سے کام نہ لیتے، رات کو تقریباً ہزار رکعت نفل ادا کرتے، صبح کی تعقیبات کے بعد قرآن و فقہ کی تعلیم دیتے، خوف خدا سے لرزاں و ترساں رہتے اور دعاؤں اور مناجات میں اتنا روتے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی، دعائے کمیل ایک بہترین نمونہ ہے آپ کی دعا و مناجات کا۔ جناب صغیر بلگرامی نے اپنے درج ذیل قطعے میں سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی خوبصورت کوشش کی ہے:

---

(۱) (مطالب السئول، ص ۱۹۱)

ادراک و فہم و ذہن و زکا و تمیز و ہوش
وہم و قیاس و حافظ و عقل اور حق نیوش
طینت ، مزاج ، خلق و مروت وفا کا جوش
کامل تھا آپؑ میں بخدا وند عیب پوش
اسلام کے کمال سب انکے حوالے تھے
کیوں کر نہ ہو نبیؐ کے وصی ہونے والے تھے
(صغیر بلگرامی)

حضرت شاہ شمس تبریزؒ فرماتے ہیں:

در صورت پیوند جہاں بود علیؑ بود
تانقش زمیں بود زماں بود علیؑ بود
ہم اوّل و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن
ہم عابد و ہم معبد و معبود علیؑ بود
ہم آدمؑ و ہم شیثؑ و ہم ادریسؑ و ہم ایوبؑ
ہم یونسؑ و ہم یوسفؑ و ہم ہودؑ علیؑ بود
ہارونؑ ولایت کہ پس از موسیٰؑ و عمران
واللہ کہ علیؑ بود علیؑ بود علیؑ بود
آں شاہ سرافراز کہ اندر شب معراج
با احمدؐ مختار یکے بود علیؑ بود
عیسیٰؑ بوجود آمد و فی الحال سخن گفت
آں نطق و فصاحت کہ علیؑ بود علیؑ بود

افضل الانبیاء افضل البشر حضرت محمد رسول اللہؐ سے

افضل الایمان، مسلم اوّل، امام اوّل حضرت علی علیہ السلام کی نیابت

کائنات کی پہلی تخلیق "عقل" ہے اور انسان کو عقل سلیم عطا کر کے خلق کیا گیا تاکہ وہ ان تمام چیزوں کو سمجھے اور ان کا تجزیہ کرے کہ آخر پروردگار عالم نے یہ کائنات کیوں خلق کی (لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ) ہم اس کی تفصیل گزرے ہوئے ابواب میں کر چکے ہیں، لیکن یہاں اس کی ضرورت پڑی وہ اس لیے کہ انسان اور انسانیت کی بقا اور رہبری کے لیے خداوند تعالیٰ نے جن کو قیادت کے لیے منتخب کیا وہ تمام عیب و شک و شبہے سے بالاتر تھے اور معصوم تھے۔ جس کا اظہار قرآن پاک میں کئی مرتبہ آیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ خلق کیے گئے اور انہوں نے اپنی بہترین تخلیقی صفات سے انسانیت کی خدمت اور رہبری کی۔ ان تمام انبیائے کرام میں سے بھی کچھ برگزیدہ نبی و رسول و پیغمبر گزرے اور ان سب میں بھی افضل الانبیاء افضل البشر حضرت محمدؐ ختمی مرتبت رسول اکرمؐ ہیں اور یہ پروردگار کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہوئے لوگوں تک خداوند تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہے اور اس کے خوف سے ڈراتے رہے اور نیک اور صالح اعمال کرنے کی تبلیغ کرتے رہے۔ اب جب رسول پاکؐ کو اپنا نائب بنانے کے لیے شب معراج پروردگار نے ہدایات جاری کر دیں تو پھر اب یہ عقل سلیم پر منحصر ہے کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ منیب و مناب میں توافق ہونا چاہیے۔ مطلب یہ کہ وہ صفات اور خصلتیں جو نائب بنانے والے میں ہیں، وہ ہی نائب بننے والے میں بھی ہوں۔ اگر نائب بنانے والا کہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" تو نائب بننے والے کے لیے بھی کہے "اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ" یعنی میرا نور اللہ نے سب سے پہلے خلق کیا اور پھر وصی کے لیے بھی کہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ اگر وہ معصوم ہے تو پھر نائب بننے والا بھی معصوم ہونا چاہیے، اگر بنانے والا "مدینۃ العلم" ہے تو بننے والے کو "باب مدینۃ العلم" ہونا چاہیے، اگر بنانے والا "دار الحکمۃ" ہے تو بننے والے کو "باب دار الحکمۃ" ہونا چاہیے، اگر بنانے والا "معراج" پر تشریف لے گیا ہو تو اس کی میزبانی کے لیے بھی اسی کی نسبت سے ہی پروردگار نے منتخب کیا ہو اور پھر وصی بنانے کے لیے ہدایات دینے والا کم از کم "خالق کائنات" ضرور ہو تو پھر علیؑ جیسے وصی بنتے ہیں اور اب یہ بات واضح ہو گئی کہ جن صفات کے حامل رسول اکرمؐ تھے، انہی صفات سے حضرت علیؑ بھی بہرہ ور تھے۔

خالق کائنات کی
حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام پر نظرِ کرم

مولائے کائناتؑ مولائے متقیان، مسلم اوّل، امام اوّل، یعسوب الدین نبی اکرمؐ کے بعد افضل البشر حضرت علی علیہ السلام پر ان کے عقیدت مندوں، پیروکاروں، شیعیان، محبان جو صرف مسلمانوں ہی میں نہیں، بلکہ اقوام عالم میں پھیلے ہوئے تمام مذاہب کے شارحین، مفسرین، محدثین، محققین، مورخین کی نظریں ان سے اکتساب علم، کسب فیض، حصول امداد اور خصوصی طور پر ان کی جائے پیدائش (خانہ کعبہ) کے گرد لاکھوں کی تعداد میں طواف کرنے والوں کی نظریں پڑتی ہیں اور وہ سب ان سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی ایک معروف شاعرہ آنسہ روپ کنوار دیوی اپنی کتاب ''بس علیؑ کے بن جاؤ'' میں کچھ اس طرح سے ان کی ذات اقدس کے کمالات کے سمندر کو سمونے کی بہترین کوشش کی ہے، جو کسی اور طبقے کے لوگوں نے نہیں کی اور میں ذاتی طور پر نہ صرف ان کا مداح ہوں، بلکہ ان کے درج ذیل قطعے سے بے حد متاثر ہوں۔ وہ کہتی ہیں:

اللہ سے اک حرف جلی مانگ رہی ہوں
یزداں کی ولایت کا ولیؑ مانگ رہی ہوں
لو کر دیا کونین کو دیوالیہ میں نے
میں اس کے خزانے سے علیؑ مانگ رہی ہوں

آنسہ روپ کنوار دیوی پھر اپنے عقیدے کا اظہار کچھ یوں کرتی ہیں:

عقیدۂ مذہب انسانیت میں کب ضروری ہے
میں ہندو ہوں مگر اک بت شکن سے پیار کرتی ہوں

یہ تو انسانوں کی نظریں تھیں مولائے کائناتؑ کی ان گنت عظمتوں پر، اب یہ دیکھتے ہیں کہ خلاق عالم کی نظر کرم اس عظیم ہستی پر کس طرح پڑتی ہے، جس نے صرف اور صرف خداوند تعالیٰ اور رسول پاکؐ کے احکامات، فرمودات کے مطابق اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہو اور اپنی نسل کو امامت کا ''امین'' قرار دے کر قیامت تک کے لیے بقائے انسانی اور انسانیت کی بہبود کا محافظ بنا دیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ خلاق عالم کی نگاہ عزیز کیسے پڑتی ہے۔

۱) خالق کائنات نے تخلیق کائنات سے بہت پہلے نور علیؑ کو نور نبیؐ کے ساتھ پیدا کیا۔
۲) پھر مسجود ملائکہ قرار دیا۔
۳) استاد جبرائیل علیہ السلام بنا دیا۔

۴) مجاز کی صورت میں تخلیق کائنات اور تمام انبیاءؑ کا اپنی طرف سے مددگار بنا کر بھیجا۔ (۱)

۵) اپنے مخصوص گھر (خانۂ کعبہ) میں معجزے سے ان کو پیدا کیا۔

۶) عصمت و طہارت سے بہرہ ور فرمایا۔

۷) دنیا والوں پر جن میں تمام انسان شامل ہیں، آپؑ کی محبت کو واجب قرار دیا۔

۸) اپنے حکم سے میدانِ غدیر میں رسول پاکؐ کا جانشین بنایا۔

۹) شب معراج اپنے حبیب (رسول اکرمؐ) سے ان کے لہجے میں گفتگو فرمائی۔

۱۰) ہر جنگ میں آپؑ کی مدد فرمائی۔

۱۱) آسمان سے آپؑ کے لیے "ذوالفقار" نازل فرمائی۔

۱۲) حضرت علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا۔

۱۳) علم لدنی سے ممتاز کیا۔

۱۴) سیدۃ النساء العالمین حضرت بی بی فاطمہؑ سے آپؑ کے عقد کا حکم دیا۔

۱۵) مبلغ سورۂ برأت بنایا۔

۱۶) مدح علیؑ میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں۔

(الف) آیۂ تطہیر (ب) آیۂ صالح المومنین (ث) آیۂ ولایت (د) آیۂ مباہلہ (ج) آیۂ نجویٰ (چ) آیۂ اذن واعیۃ (خ) آیۂ طعام (ر) آیۂ بلّغ

(اسکی تفسیر و تشریح اگلے باب میں ملاحظہ ہو) اور یہ ہی ہماری اس فکری کاوش کی روح ہے۔

---

(۱) (حدیث قدسی، مدینۃ المعاجز، ص ۱۹)

فخر موجودات خاتم النبیین
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ اقدس میں
حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہا السلام کی قدر و منزلت

ہم نے مقدور بھر سعی کی کہ واضح کیا جائے، مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلاق عالم کی نگاہ خاص میں کیا منزلت و درجات ہیں۔ اب ہم رسول پاکؐ کی نگاہ اقدس میں مولائے کائناتؑ کے درجات و قدر و منزلت کیا ہے؟ اس پر اپنی بساط کے مطابق کچھ تحریر کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اس حیثیت اور قدر و منزلت کے بارے میں لب کشائی کرے، جو رسول پاکؐ کی نگاہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ہے۔ وہ یا تو رسول پاکؐ خود جانتے ہیں یا پروردگار عالم۔ ہم تو اپنی آخرت کی منزل آسان کرنے کے لیے کچھ تاریخی واقعات کو اپنے اسلوب اور جدید تقاضوں کے مطابق تحریر کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور جب ہم مسجد نبویؐ میں تھے تو اس قطعے سے ہم نے دعا کا آغاز کیا جو اللہ تعالیٰ نے پوری کی اور یہ فکری کاوش اپنے عروج کی طرف گامزن ہے۔

میں پرشکستہ سہی اس کے شہر میں ہوں جہاں
زمیں پہ بھی وہ مجھے آسمان دیتا ہے
میں حرف و صوت کی خیرات اس سے مانگتا ہوں
جو پتھروں کو بھی رزق زبان دیتا ہے

علیؑ نگاہ رسولؐ میں کیا ہیں؟ آیئے اس روشنی کا آغاز کرتے ہیں:

۱) جوف کعبہ میں پیدا ہونے کے بعد جب تیسرے دن حضرت بی بی فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا اپنے نومولود بیٹے ''علیؑ'' کو لے کر خانہ کعبہ کی ''شق'' ہوئی دیوار سے باہر آئیں تو رسول پاکؐ نے نومولود کو گود میں لے کر ان کے دہن مبارک میں اپنی زبان مبارک سے لعاب دہن چپایا اور وہ سو گئے۔

۲) آپؑ کی پرورش و پرداخت خود کی۔

۳) دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت علیؑ جو اس وقت دس بارہ برس کے تھے، اپنا خلیفہ، وصی اور جانشین بنایا۔

۴) اپنے داماد ہونے کا شرف بخشا۔

۵) جب خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے لگے تو حضرت علیؑ کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور آپؑ نے تمام بت توڑ ڈالے اور خانہ کعبہ کو ہمیشہ کے لیے اس نجاست سے پاک کرایا۔

۶) جنگ خندق میں عمر بن عبدود کے مقابلے میں مولا علیؑ کو جاتے ہوئے فرمایا: ''برز الایمان کله

الیٰ الکفر کلہ" یعنی کل ایمان کا تاج سر پر سجایا۔

۷) علم وحکمت سے بہرہ ور فرمایا۔

۸) "امیرالمومنین" کا خطاب دیا۔

۹) آپؑ کی محبت ایمان اور بغض کفر قرار دیا۔

۱۰) علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا۔

۱۱) "شب ہجرت" اپنے بستر پر سلایا اور آپؑ بالکل نبی پاکؐ کی طرح سو گئے کہ کفار کو شبہ تک نہ ہو اکہ کون سو رہا ہے۔

۱۲) ہجرت کرتے ہوئے تمام امانتیں آپؑ کے سپرد کر دیں کہ جن جن لوگوں کی ہیں انہیں لوٹا کر مدینہ آجائیں اور ایسا ہی ہوا۔

۱۳) حضرت علیؑ کو مخصوص فرمایا کہ وہ "غار ثور" میں ہجرت کے وقت کھانا پہنچائیں۔

۱۴) سن ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر "غدیر خم" کے مقام پر ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کے سامنے بحکم خداوند تعالیٰ آپ کی ولایت اور خلافت کا اعلان کیا۔

۱۵) رحلت کے وقت آپؑ کی جانشینی کی دستاویز لکھنے کی سعی کی، "واقعۂ قرطاس وقلم"

۱۶) آپؑ کی شان میں بہت سی احادیث ارشاد فرمائیں۔

۱۷) آپؑ کو حکم دیا کہ میرے بعد فوری جنگ نہ کرنا۔

۱۸) آپؑ کو حکم دیا کہ جب موقع ہاتھ آئے تو منافقوں سے جنگ کرنا تا کہ حکم خدا: "جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِينَ" کی تکمیل ہو سکے جو کہ میرے لیے ہے۔

رسول پاکؐ کی حضرت علیؑ کی شان میں مشہور احادیث:

۱) حدیث مدینہ ۲) حدیث سفینہ ۳) حدیث نور ۴) حدیث منزلت ۵) حدیث خیبر
۶) حدیث خندق ۷) حدیث طیر ۸) حدیث ثقلین ۹) حدیث غدیر خم

نقش خاتم رسول پاکؐ اور "علی ولی اللہ" کا اضافہ

ہم نے اپنی اس عقیدت کا اظہار اپنی اس فکری کاوش میں بارہا کیا کہ تخلیق کائنات سے لے کر موجودہ زمانے تک اور پھر آخری وقت تک اگر پروردگار عالم کے بعد کچھ ہستیاں جن کے وجود سے معجزات رونما ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے تو وہ ہیں انوار پنجتن پاکؐ کی عظیم ہستیاں اور جن کا ایک آخری "جانشین" امام زمانہؑ پردۂ غیبت کبریٰ میں ہیں اور اسی لیے اب تک یہ دنیا قائم ودائم ہے۔ "نقش خاتم رسول پاکؐ اور علی ولی اللہ" کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے اور امام المحدثین علامہ محمد باقر مجلسی، علامہ محمد باقر نجفی اور علامہ شیخ عباس قمی تحریر

فرماتے ہیں ایک دن رسول پاکؐ نے ایک بہترین نگینہ حضرت علیؑ کو دیا اور فرمایا کہ ''مہرکن'' کے پاس لے جاؤ اور اس پر ''محمد بن عبداللہ'' کندہ کرالاؤ۔ حضرت علیؑ نے وہ نگینہ مہرکن کو دیا اور ارشاد رسول پاکؐ کے مطابق ہدایات دے دیں۔ جب شام کو آپؑ وہ نگینہ لینے آئے تو اس پر ''محمد بن عبداللہ'' کی بجائے ''محمد رسول اللہؐ '' کندہ تھا۔ آپؑ (علیؑ) نے پوچھا کہ جو عبارت میں نے لکھنے کی ہدایات کی تھی، وہ کیوں نہیں کندہ کی؟ تو اس نے جواب دیا کہ مولا آپؑ اسے حضورؐ کے پاس لے جایئے، پھر وہ جیسا ارشاد فرمائیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔ حضورؐ نے اسے قبول فرمالیا۔ رات گزری صبح فجر کے وقت وضو کرتے ہوئے آپؐ (رسول پاکؐ) نے دیکھا کہ اس نگینہ پر ''محمد رسول اللہؐ '' کے نیچے ''علیؑ ولی اللہ'' کندہ ہے۔ رسول پاکؐ ابھی اس پر غور فرما ہی رہے تھے کہ حضرت جبرائیل امین آئے اور عرض کی، حضورؐ فرمایا گیا ہے۔ '' کتبت ما اردت و کتبنا ما اردنا'' اے نبیؐ جو تم نے چاہا تم نے لکھوالیا جو میں نے چاہا وہ میں نے لکھوادیا، تم کو اس میں تردد کیا ہے۔ (۱)

ہر کوئی زمانے کا ولی ہو نہیں سکتا
اور مظہر اوصاف علیؑ ہو نہیں سکتا
مت تول اسے عقل کی میزان میں شوکت

---

(۱) (بحار الانوار، دمعہ ساکبہ سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۳۶۷، طبع نجف)

فضائل حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ
اپنوں اور غیروں کی نگاہ میں

حضرت خاتم النبیین، افضل الانبیاء، افضل البشر کا ارشاد پاک ہے۔ "حضرت علیؑ کے فضائل کا قلم بند کرنا طاقت بشریہ سے بالاتر ہے۔ ان کی ذات اقدس کو یا میں جانتا ہوں یا پروردگار عالم جس نے یہ کائنات خلق کی۔"

کشتی معرفت کا کنارا علیؑ
سب سہاروں سے بہتر سہارا علیؑ
آؤ اہلِ جہاں یوں کریں فیصلہ
ساری دُنیا تمہاری ہمارا علیؑ

اور پھر رسول پاکؐ فرماتے ہیں: "اگر تمام دنیا کے دریا سیاہی بن جائیں اور درخت قلم بن جائیں اور جن و انس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں تب بھی علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل کا احاطہ نہیں کر سکتے۔" (۱) علمائے اسلام کی اکثریت نے بھی فضائل کا اعتراف کیا ہے اور اکثر نے احاطہ فضائل سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ علامہ عبدالبر کتاب میں (۲) تحریر فرماتے ہیں "فضائل لا محیط بھا کتاب" آپؑ کے فضائل کسی ایک کتاب میں جمع نہیں ہو سکتے۔ علامہ ابن حجر مکی "صواعق محرقہ میں میں لکھتے ہیں کہ "مناقب علیؑ و فضائل اکثر من ان تحصٰی" حضرت علیؑ کے مناقب و فضائل حد احصاء سے باہر ہیں اور ص ۷۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ " **فضائل علي وهي كثيرة عظيمته مشائعته حتي قال احمد وماجاء الاحد من الفضائل ماجاء لعلي**" بے شمار بیش بہا اور مشہور ہیں۔ احمد ابن حنبل کا کہنا ہے کہ علیؑ کے لیے جتنے فضائل و مناقب موجود ہیں کسی کے لیے نہیں۔ قاضی اسماعیل، امام نسائی اور ابو علی نیشاپوری کا کہنا ہے کہ کسی صحابی کی شان میں عمدہ سندوں کے ساتھ وہ فضائل وارد نہیں ہوئے جو حضرت علیؑ کی شان میں وارد ہوئے ہیں۔ علامہ محمد ابن طلحہ شافعی تحریر فرماتے ہیں کہ علیؑ کے جو فضائل ہیں وہ کسی اور کو نہیں نصیب ہوئے۔ رسولؐ نے آپؑ کو "آیۃ الھدیٰ"، "منار الایمان" اور امام الاولیاء فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ "علیؑ کا دوست میرا دوست اور علیؑ کا دشمن میرا دشمن ہے۔ (۳)

---

(۱) (کشف الغمہ، ص ۵۳، ارجح المطالب)

(۲) (استیعاب جلد ۲، ص ۴۷۸)

(۳) (مطالب السئول، ص ۵۷)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں "یا ایھا الذین امنوا" آیا ہے وہاں ایمانداروں سے مراد لیے جانے والوں میں علیؑ کا درجہ سب سے بلند و بالا اور پہلا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اصحاب کی مذمت آئی ہے لیکن حضرت علی علیہ السلام کے لیے جب بھی ذکر آیا خیر کے ساتھ آیا اور ان کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں (۱) یہی وجہ ہے کہ امام الانس والجن حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "دنیا کے کسی بھی مذہب، قوم، قبیلے اور خصوصاً مسلمانوں میں کسی ایک کا بھی قیاس اور مقابلہ "ہم اہل بیت نبوتؐ" سے نہیں کیا جا سکتا اور خاص طور پر جن اقوام کو اور امت محمدیؐ کے لوگوں کو جو نعمتیں دی گئیں، ان عظیم ہستیوں سے نہیں کیا جا سکتا جو نعمتیں دینے والے تھے اور دیتے رہے ہیں اور رہیں گے۔ حقیقت میں آل رسول پاکؐ دین حنیف کی بنیاد اور تیقن کے مینار ہیں۔ (۲) یہ بات شک و شبے سے بالاتر ہے کہ انسانوں اور جنات میں کوئی بھی آل محمدؐ سے افضل اور بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ رسول مقبولؐ نے نص فرما دی ہے کہ "میری آلؑ میرے علاوہ ساری کائنات سے بہتر اور افضل ہے اور حدیث کفو "فاطمہؑ" نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ آل رسول کا درجہ انبیاءؑ سے بالاتر ہے اور ان ہی حضرات کی محبت کا حکم خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے اور ان کی محبت کے متعلق سوال کیا جانا مسلم ہے۔ "ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" انہیں روکو ان سے اس دی ہوئی نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

جب رسول پاکؐ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ جب سب حساب کتاب قیامت کے روز ہو جائے گا تو پھر کسی نعمت کے بارے میں خداوند تعالیٰ سوال کرے گا تو رسول پاکؐ نے فرمایا: کہ "حب آل محمدؐ" کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ان کے لیے دنیا کی مساجد اپنے گھروں کی مانند ہیں۔ (۳) اہل بیت اطہارؑ میں اوّل درجہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا ہے اور یہ بات مانی ہوئی ہے کہ اس میں تمام آئمہ مشترک ہیں۔ حضرت علیؑ کو خدا نے قسیم النار والجنۃ بنایا ہے (۴) آپؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور ذکر کرنا عبادت ہے۔ آپؑ کے حکم کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا (۵) ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص بھی صراط پر سے گزر کر جنت میں نہ جا سکے گا

---

(۱) (صواعق محرقہ، ص ۷۶، طبع مصر)

(۲) (سبیل فصاحت، ترجمہ نہج البلاغہ، ص ۲۷)

(۳) (درمنثور و مطالب السئول، ص ۵۹)

(۴) (صواعق محرقہ، ص ۷۵)

(۵) (نور الابصار ینابیع، ص ۹۰، و صواعق محرقہ، ص ۷۳)

جب تک علیؑ کا دیا ہوا "پروانہ جنت" اس کے پاس نہ ہوگا۔ (۱) آپؑ کو حق کے ساتھ اور حق کو آپؑ کے ساتھ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت علیؑ کو رسول پاکؐ نے مواخات کے موقع پر اپنا بھائی قرار دیا۔ حضرت علیؑ کے لیے دوبار سورج پلٹا (۲) میں لکھا ہے کہ جنگ خیبر کے سلسلے میں بمقام صہبا جب وحی کا نزول ہونے لگا اور آپ کا سر اقدس حضرت علیؑ کے زانو پر تھا، اسی دوران آفتاب غروب ہوگیا اور نماز عصر قضا ہوگئی تو رسول پاکؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا کہ آفتاب پلٹا کر نماز عصر ادا کریں۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نے وضو کے لیے آستینیں ہی پلٹی تھیں کہ آفتاب پلٹ آیا اور آپؑ نے نماز ادا کی۔ اسی کتاب کے ص ۱۷۶، اور نیز کتاب سفینہ البحار، جلد ۱، ص ۵۷ اور مجمع البحرین، ص ۲۳۲ میں ہے کہ رسول پاکؐ کی رحلت کے بعد بابل جاتے ہوئے جب نہر فرات کے قریب پہنچے تو نماز عصر تمام اصحاب کی قضا ہوگئی آپؑ نے آفتاب کو حکم دیا کہ واپس پلٹ آ، چنانچہ وہ پلٹا اور آپؑ نے اصحاب کو کہا کہ نماز عصر ادا کریں۔ اس سلسلے میں اور کئی روایتیں بھی ہیں لیکن یہ بات مصدقہ ہے کہ سورج آپؑ کے حکم سے دوبار پلٹا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اے اہل بیت نبوۃ آپ پر اگر نماز کے دوران درود نہ بھیجا جائے تو نماز قبول نہیں ہوتی اور آگے فرماتے ہیں کہ اے لوگو سنو اگر علیؑ سے محبت کرنا رفض ہے تو میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔ امام شافعیؒ کی مشہور زمانہ نظم کا ایک شعر حاضر خدمت ہے جس کے بعد کسی شک و شبہے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔

وَمَاتَ شَافِعِی لَیسَ یَدرِی
عَلِیٌّ رَبُّهُ اَم رَبُّهُ اللّٰه

ترجمہ: شافعی مر گیا مگر اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ علیؑ اس کا رب ہے یا اللہ اس کا رب ہے۔

مولا علی علیہ السلام کی ذات اقدس کے بارے میں برصغیر پاک و ہند کے مشہور شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب کے فارسی کے چند اشعار آپ کی خدمت میں نذر ہیں

نفس نبیؐ خدائے نصیری، امام خلق
آں منت عظیم کہ حق برجہاں نہاد
یزداں کہ راز خویش نبیؐ را بلب سپرد
یزداں کہ سوز خویش علیؑ را بہ جاں نہاد
شمعے ز آتش شجر طور برفروخت
واں را بخلوت اسد اللہیاں نہاد

(۱) (صواعق محرقہ، ص ۷۵، طبع مصر)

(۲) (شواہد النبوت، ص ۸۷)

عالم اسلام کے مشہور ادباء، فقہاء، محققین، مفکرین اور ائمہ کی طویل فہرست ہے جنہوں نے حضرت علیؑ کے لاجواب فضائل بیان کیے ہیں۔ ہم نے چند ایک تاثرات قارئین کی نذر کیے ورنہ یہ کتاب ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لیتی۔ اب ہم ادیان عالم کے چند مشہور زمانہ مفکرین اور مستشرقین کے تاثرات قلمبند کرتے ہیں۔

بدھ ازم (گوتم بدھ کا خواب):

بدھ مت کے عظیم روحانی رہنما ''گوتم بدھ'' جو کہ بقول تاریخ ایک درویش اور فقیر تھے اور اپنا زیادہ وقت جنگلوں اور پہاڑوں میں حق اور سچائی کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے اور آج دنیا میں ''بدھ ازم'' کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان کا ایک سچا واقعہ ہم ان کے ایک مفکر بدھ ودیا کے گیانی شاستری ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں (مسٹر ایل۔ کے۔ بھٹنا گر ایم اے، آئی ای ایس اپنی ایک تصنیف ''بودھیا چمکار'' مطبوعہ انکار پستکالیہ کانپور سن ۱۹۲۷ء)

شری (حضرت) مہاتما بدھ جی مہاراج کی اہنسا اور جیون رکھشا (جانوروں کی حفاظت) سادھونت (فقیری درویشی) اور ویدانت (اتحاد مذہب) اور ان کی من پرکاشیا (روشن ضمیری) اور یوگ جوگ (عبادت وریاضت) اور دوسرے آتمیہ کا یا کلپی (روحانی انقلاب) کتھاؤں (کہانیوں) کی نیو (بنیاد) جوان کے ودیا (علم وعرفان) اور ان کے شاستروں (مذہبی کتابوں) سے ملتی ہے صرف یہ ہے کہ ایک دن شری پوجیہ پاؤ (قابل پرستش) مہاتما جی اپنے محل میں سوئے تھے کہ ایک دم چیخ مار کر اٹھ بیٹھے۔

ان کے نینوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں اور وہ کسی بڑے ہی دکھ یا کلیش (رنج والم) میں دکھائی دے رہے تھے ان کی چیخ سن کر ان کا ودیا منتری بھی چونک کر اٹھ بیٹھا جو ان کے پاس ہی نندیا (نیند) کر رہا تھا اس نے بڑے پریم سے تھانپا تھپکی دے کر پوچھا، راجکمار جی کیا ہوا، آپ کو کیا کوئی بھیانک سپنا آیا ہے؟ یا کسی چیز سے ڈر گئے؟ مہاتما جی نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا ''کچھ نہیں منتری جی'' دیکھا تو سپنا (خواب) ہے مگر یہ سپنا نہیں کچھ اور ہے، ہاں کچھ اور ہے۔ منتری جی نے ان کی سیوا (خدمت) میں بڑی منتی کی، تب مہاتما جی نے کہا۔ منتری جی تم جانتے ہو کہ میں دھارمک (مذہبی) پستکیں (کتابیں) بڑے غور سے پڑھتا ہوں اور دھرموں (مذہبوں) کے بکھیڑوں (مسئلوں) کی چھان بین کرتا رہتا ہوں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں ایشور بھگتی (خدا کی بندگی) کی بڑی اچھیا (تمنا) رکھتا ہوں اور بھگوان کا چمتکار (معجزہ) دیکھنے کے لیے جنگلوں اور ویرانوں میں چلا جاتا ہوں اور آج کی کچھ نہ پوچھ۔

''کسی پرم (عظیم) آتما (روح) نے مجھے آشیرباد (مبارکباد) دی ہے کہ تمہاری تپسیا پھل (عبادت قبول) ہوئی۔ جاؤ میرے نام کی مالا جپو (تسبیح پڑھو) جو چاہو گے مل جائے گا۔ میرا نام آلیا (علیؑ) ہے۔ مجھے ملنا ہو تو میرا مکان پوتر استھان (پاک گھر خانہ کعبہ) میں پھٹی (شق) ہوئی دیوار کے پاس ہے وہاں

میں تمہیں ایک بالک (بچہ) کے روپ میں ملوں گا مگر وہ سمے (وقت) ابھی بہت دور ہے''۔ یہاں پر بدھ جی کچھ سوچ بچار میں پڑ گئے اور پھر حیرت زدہ ہو کر خواب کا باقی حصہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔ '' منتری جی یہ کہہ کر اس نے ایک چمکتی ہوئی تلوار نکالی اور گرج دار آواز میں کہا۔ دیکھ میں سنگھ (شیر) ہوں مجھے پرمیشور (خداوند تعالیٰ) نے سنگھ (شیر) بنا کر بھیجا ہے۔ جا سنسار (دنیا) کو پاپوں (گناہوں) اور پرادھوں (جرموں، گناہوں) سے روک۔ من کے روگ ہٹا۔ ہردے دل کو ستھرا کر پرالبدھ (قسمت) ٹھیک ہو جائے گی۔ میرے مہاراج آنے والے ہیں۔ ان کا کہنا مان اور میرے مہاراج (سب سے بڑا درجہ) کے مہاراج کا بھی دیکھ میں تجھے اپنا گولا (غلام) اور چیلا (مرید) بنا کر اس ملک کی شودھنا (تصفیہ، تزکیہ نفس) کے لیے بھیجتا ہوں دھوکا نہ کھانا' جا' کبھی کشٹ کٹھن (مشکل/ مصیبت) آ جائے تو میرا نام جپنا میں پہنچ جاؤں گا۔''

غور طلب:

بدھ جی کا یہ خواب ہے یا حقیقت کہ انہوں نے اس عظیم ہستی یعنی مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کو اپنے سامنے دیکھا جو بار بار بدھ جی کو سمجھا رہے ہیں کہ تیری عبادت قبول ہوئی اب اپنے لوگوں کے دلوں میں پرمیشور یعنی (خداوند تعالیٰ) کی محبت ڈال کہ وہ اس کی پرستش کریں اور پھر اپنا نام اور مقام ظاہر کیا۔ ''آلیا'' عبرانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی علیؑ اور اسی زبان میں ایلیا یا ایلی بھی کہا جاتا ہے۔ پھر سب سے غور طلب بات یہ ہے کہ میرا اپنا پوتر استھان یعنی خانہ کعبہ کی دیوار ہے جو پھٹے گی وہاں بالک یعنی بچہ کی شکل میں ملوں گا عربی میں پھٹ جانے کو ''شق'' کہتے ہیں اور یہ ہی ہوا کہ حضرت علیؑ کی پیدائش خانہ کعبہ میں پھٹی ہوئی ''شق'' ہوئی دیوار کے ذریعہ والدۂ گرامی کے اندر جانے کے بعد ہوئی اور بالک یعنی بچے کی شکل میں ملنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپؑ کی ولادت باسعادت جو خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔ پھر آگے کہتے ہیں کہ میں سنگھ یعنی شیر ہوں ''شیر خدا'' ہوں۔ دنیا میں سوائے مولا علیؑ کے کوئی شیر خدا نہیں ملتا۔ اس کے بعد رسول پاکؐ کے آنے کا ذکر کیا اور پھر خبردار کیا کہ دیکھ کسی اور کو ایلیا مت سمجھ لینا یا کوئی اور تم کو دھوکا نہ دے۔ اس لیے میری بڑی پہچان یہ ہے کہ جب تم مجھے مدد کے لیے پکارو گے میں فوراً آ جاؤں گا۔

بدھ جی کی مشکل کشائی:

جب بدھ جی پر ان کے دشمنوں نے ظلم کرنے شروع کیے اور ان کا جینا حرام کر دیا اور حد درجہ پریشان کیا تو بدھ جی نے حضرت علیؑ سے استغاثہ کیا اور یہ دعا پڑھی: ''اے اپنے پیاروں کے پیارے اے ایلیا' اے سب پر غالب آنے والے آ اور اپنا جلوہ دکھا، میری دستگیری کر، اے پرماتما (خدا تعالیٰ) کے شیر دنیا کی لومڑیاں مجھے کھا جانا چاہتی ہیں، تجھے اس کی قسم جس کا تو دست، بازو ہے تجھے اس کی قسم جس کی شکتی (طاقت) تیرے اندر ہے میری مدد کر، تیرا وعدہ ہے کہ مصیبت پر پہنچوں گا اب امداد کا وقت ہے آ جلدی آ ورنہ میں برباد

ہو جاؤں گا۔ تیرا نام وہ نام ہے جو پرم آتما (خدا تعالیٰ) کا ہے آ کہ تجھے دیکھنا ہزاروں پرارتھناؤں (عبادتوں) کے برابر ہے تو بھگوان جی کا مکھڑا (خداوند تعالیٰ کا چہرہ وجہ اللہ) ہے۔ میری تکلیفوں کا تجھے علم ہے تو ہی ان کو دور کر سکتا ہے اوم آلیا' اوم آلیا' اوم آلیا۔ یہ بدھ کی جو" بدھ یوگیا" کے نام سے معروف ہے بدھ مذہب کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔ رسالہ "بدھ گیان" مصنف رام نرائن بنارسی مطبوعہ ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۵۵ پر اس دعا کے ساتھ ایک چینی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ "بدھ جی" نے اس دعا کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ بھی کہے تھے۔ اپنے "می تیریا" کے واسطے سے میری مدد کر، اپنی پاک سنتان کے واسطے سے میری مدد فرما اور اپنے پاک نام سے میری "لاج رکھ" "می تیریا" کا مطلب ہے رحمت کرنے والے "رحمت للعالمین" رسول خداؐ۔

ہندو ازم (ہندو مذہب) (حضرت علیؑ اور شری کرشن جی کی پیشنگوئی):

تاریخ عالم میں سرزمین ہندوستان میں ہزاروں سال پہلے ایک جنگ لڑی گئی جو "کوروں اور پانڈوں" کے نام سے مشہور ہوئی، جسے مہابھارت بھی کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حق کی طرف سے شری کرشن جی اور ان کی فوج جو تعداد میں کم تھی اور مخالفین جو مور ملخ (کیڑے مکوڑوں) کی طرح لاتعداد تھے، شری کرشن جی نے جب یہ دیکھا تو اپنے چاہنے والوں کو کچھ نصیحت کی اور بہت ضروری باتیں جنگ سے متعلق کیں۔ پھر ایک طرف تشریف لے گئے اور ایک خاص قطعۂ زمین کو باادب طور سے بوسہ دیا اور بھگوان یعنی خدا تعالیٰ سے دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے۔ دعا کے کلمات کچھ اس طرح تھے:

"اے پرمیشور (خداوندا) سنسار (کائنات) پرم آتما (عظیم روح) تجھے اپنی ذات کی قسم اور اس کی قسم جو آکاش (آسمان) اور دھرتی کا جنم کارن (مقصود کائنات) ہے اور اس کی قسم جو تیرے پیارے کا پیارا 'تیرے پریتم کا پریتم جو "آ ہلی" ہے جو سنسار کے سب سے بڑے مندر میں کالے پتھر کے پاس اپنا چمتکار دکھائے گا تو میری بنتی (التجا) سن جھوٹے راکشوں (کفار) کو نشٹ (برباد) کر اور بچوں کو فتح دے اے ایشور ایلا! ایلا! ایلا" ترجمہ: اے خدائے بزرگ و اعلیٰ روح ہستی جہاں میں تجھ کو ذوات مقدسہ کی قسم دیتا ہوں، جن کے صدقے اور طفیل میں یہ آسمان و زمین خلق ہوئی اور تیرے مخلص اور برگزیدہ بندے ہیں وہ لوگ تجھ کو بے حد محبوب ہیں میں تجھ کو انہیں حضرات کا واسطہ دیتا ہوں حقیقت میں وہ لوگ "اہل بیت علیہم السلام" ہیں۔ اس چیز کے اہل بھی ہیں۔ وہ ہستی کالے پتھر (حجر اسود) کے پاس وجود میں آئے گی جو گھر ساری دنیا کا "قبلہ و کعبہ ہے" اے مالک میرے حال زار پر رحم کر اور میری فریاد سن لے، میری تمناؤں کو پورا کر اور میرے دشمنوں کو جھوٹوں کو نیست و نابود فرما اور حق پرستوں کو کامیاب کر دے اے خدا اے ایلا ایلا ایلا۔ (۱)

---

(۱) رسالہ کرشن بنتی مولف پنڈت رام دھن، ص ۷۷، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۱ء)

غور طلب:

قارئین آپ نے غور فرمایا کہ کرشن جی کس طرح ''آہلی'' یعنی مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے دعا مانگ رہے ہیں اور ''آہلی'' جو پرانی سنسکرت کا لفظ ہے اور عربی زبان ''علیؑ یا عالی'' تلفظ ہوتا ہے۔ پھر کرشن جی کہتے ہیں کہ ''آہلی'' ہر قسم کی خطا اور سہو سے محفوظ ہے۔ یہ اسم حرف حضرت علیؑ پر صادق آتا ہے لہٰذا مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔

لفظ ''ایلا'':

بہت سے ہندو دانشوروں نے کئی بار اس بات کا اقرار کیا ہے کہ سنسکرت زبان کے بہت سے الفاظ ابھی تک استعمال نہیں ہوئے، کیونکہ یہ دنیا کی قدیم اور پرانی زبانوں میں سے ایک ہے اور لفظ ''ایلا'' بھی انھی الفاظ میں سے ایک لفظ ہے۔ اس لفظ ''ایلا'' کے معنی بلند و بالا مرتبہ والا' یا بہت نامور' آھل' یا آھلی' ہیں۔ اصل میں یہ لفظ بھی ایلا سے ماخوذ ہے، کیونکہ عربی زبان میں اعلیٰ' عالی' تعالیٰ استعمال ہوتا ہے اور اس قسم کے اور بہت سے الفاظ ہیں جن کو غلط پڑھا اور لکھا جاتا ہے اور یہ الفاظ بھی عربی زبان میں داخل کر لیے گئے۔ (۱)

کچھ اسمائے حضرت علیؑ جو کائنات کی مختلف جگہوں پر لیے جاتے ہیں۔

''صاحب کتاب الانوار نے تحریر کیا ہے کہ اللہ عزوجل کی کتاب میں حضرت علیؑ کے تین سو نام موجود ہیں۔ احادیث میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ یا رسول مقبولؐ ہی جانتے ہیں''

''حضرت علی علیہ السلام کو آسمان والے ''شمسائل'' زمین والے ''جمجائیل'' کہتے ہیں۔ لوح میں قنسوم ہیں قلم میں منصوم ہیں توریت میں ''ایلیا'' زبور میں ''اریا'' اور انجیل میں ''بریا'' لکھا ہے۔ (۲)

''ایلیا یہ کلام رسول مقبولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' آپؑ کو شیر انبیاءؑ بھی کہا جاتا ہے۔ مردوں کو زندہ کرنا اور شیروں پر سواری کرنا آپؑ کے معجزات میں شامل تھا۔ حضرت علیؑ آپؐ ہی کے آسمانی اوتار تھے اس لیے پیغمبر اسلام فرمایا کرتے تھے کہ علیؑ ''ایلیا'' ہیں۔

جناب امیرؑ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ''خیبر'' کے روز آنحضرتؐ نے مجھے پکارا اور میرے ہاتھ میں علم دیا اور فرمایا جاؤ جبرائیلؑ تمہارے ساتھ ہیں اور فتح تمہارے آگے آگے ہے اور تمہارا رعب قوم کے دلوں میں پر چھایا ہوا اور پھر فرمایا: ''اے علیؑ جان لو یہود اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ ان کو ہلاک کرنے والے اور خیبر کے قلعۂ قموس کو فتح کرنے والے کا نام ''ایلیا'' ہوگا۔ جب تم ان سے ملو تو کہو کہ میں ''علیؑ'' ہوں خدا تعالیٰ نے چاہا تو وہ شکست کھا جائیں گے۔ مولا پھر فرماتے ہیں: کہ جب میں قلعے کے قریب پہنچا تو علمائے

---

(۱) (کتاب ناگر ساگر مصنف پنڈت کرشن گوپال ص ۱۱۳، مطبوعہ دوم، ناشر زائن بک ڈپو، آگرہ، ۱۹۱۲ء)

(۲) (عمدۃ المطالب، جلد اول اردو، ص ۹۵۸)

یہودنے با آواز بلند میرا نام پوچھا تو میں نے کہا کہ میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں تو وہ علماء چیخ کر کہنے لگے کہ بے شک تم غالب رہو گے۔ اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر جھوٹ نازل نہیں کیا۔(۱)

ولادت وفضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں "براہتھ رشی کی پیشن گوئی"

زمانہ قدیم کی ایک بہت بڑی تاریخی حقیقت ہے اور یہ اتنی قدیم ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت سے بھی تقریباً پانچ ہزار سال پہلے کہ ایک "رشی" بھارت ورش کے جنگلوں اور پہاڑوں میں سیر وسیاحت کرتے تھے ان کا نام نامی "براہتھ" اور لقب "کلاشن" تھا۔ وہ ہندومت کی چاروں کتابیں یعنی "چار وید" اور چھ شاستروں یعنی "چھٹوں شاستروں" پر عبور حاصل رکھتے تھے اور عالم باعمل تھے۔ بیابانوں اور کوہساروں میں آسن جما کر یوگ اور گیان دھیان میں مصروف رہتے تھے اور کبھی کبھی آبادیوں میں جا کر دھرم (مذہب) کا بھی پرچار کرتے تھے۔

کوہ ہمالیہ کے دامن میں ان دنوں ایک بہت بڑا قصبہ "نرمیام" کے نام سے مشہور تھا۔ ایک روز براہتھ رشی اس گاؤں میں چلے گئے۔ وہاں انہیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ وہاں کے رہنے والے خدا شناسی اور نیکی وبدی میں تمیز سے دور ہیں اور انسانیت کا جوہر ان میں مفقود ہے۔ رشی مہاراج دو چار دن تو اپنی عبادت اور دعاؤں میں لگے رہے۔ لوگ ان کے عجیب وغریب اعمال دیکھ کر حیران ہوتے رہے۔ آخر ایک دن انہوں نے ان لوگوں کی دعوت کی جب سب لوگ جمع ہو گئے تو انہوں نے اعلیٰ قسم کے کھانوں اور پھلوں سے ان کی تواضع کی جوان لوگوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں گی۔ لوگ یہ سب دیکھ کر سمجھنے لگے کہ یہ کوئی پوجیہ پاد (عظیم) ہستی ہے۔ اس کے بعد رشی مہاراجہ کہنے لگے، دوستو! میں اور تم اور سب انسان ایک ہی خمیر سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایشور نے تمام آدمیوں کو ایک ہی طرح سے پیدا کیا ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ آدمی میں انسانیت کا ایک خاص جوہر پایا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس جوہر کو کام میں لاتا ہے تو بھگوان جی کا پیارا بن جاتا ہے۔ اس کے کرم سپھل ہو جاتے ہیں اور سنسار میں بھی عزت وآبرو پاتا ہے اور پرلوک (آخرت) میں بھی عزت وآبرو پاتا ہے اور اپنے نیکم دھرم (دین ایمان) میں طاقت ور ہو جاتا ہے۔ مگر اے میرے سجنو! یہ باتیں انسان میں تب ہی پیدا ہوتی ہیں کہ وہ اپنے خالق اپنے مالک اپنے پالنے والے کو مانے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور اس کی مرضی کے کام کرے۔ اس کی عبادت کرے۔ یہ سب بھگوان ایشور کی مہما ہے۔ اس کی قدرت ہے اس کی تجلیاں ہیں، وہ خود تو دکھائی نہیں دیتا پر اس کے جلوے ہر وہ انسان دیکھ سکتا ہے جو اس سے

(۱) (ارجح المطالب، ص 48، تالیف مولانا عبید اللہ امرتسری اہلسنت، ناشر، شیخ امان اللہ)

پریم کرتا ہے۔ جو انسان اس کی مرضی پر چلتے ہیں اور پاپوں اپرادھوں کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے وہ نہ صرف دنیا میں سکھ پاتے ہیں، بلکہ پرلوک میں بھی سورگ کی بہاریں لوٹتے ہیں۔

نوٹ (براہتھ رشی کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے کے ہندو اپنے دیوتاؤں کی تعلیم کے مطابق خدائے تعالیٰ کو غیر مجسم اور نور مانتے تھے اور اس کے جسم کے قائل نہ تھے' لیکن بعد میں اور آج تک خدا تعالیٰ کو مجسم ماننے لگے اور افسوس سے کہا جاتا ہے کہ زمانۂ حال کے مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی خدائے تعالیٰ کو مجسم مانتا ہے۔ حالانکہ یہ بات تعلیماتِ سرکار محمدؐ آل محمدؐ کے سراسر خلاف ہے اور انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے) براہتھ رشی کے اس گیان بھرے اپدیش (خطاب) کو سب لوگ بڑی توجہ دھ اور پریم سے سن رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب پر ایک مستی سی چھائی ہوئی ہے۔

اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ آسمان سے نرالی قسم کی سبز اور سفید چیز چمک اٹھی ہے جس نے سب کی آنکھیں چندھیا دیں۔ لوگ اس کو دیکھ کر سب حیران ہو گئے۔ براہتھ رشی اس نظارے سے مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے تھوڑے وقفے کے بعد فرمایا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے لوگوں سے کہا: "لیکن اے میرے سجنو! ایک بات تمہیں بتا دوں جو بڑی اہم ہے اور حیرت انگیز بھی! اور وہ یہ ہے کہ جب تک اس کے پیاروں (پنج تن پاکؑ) سے محبت نہ رکھی جائے گی تب تک کوئی تپیا (عبادت) اور کوئی پرارتھنا (دعا) اور کوئی یوگ کسی کام کا نہیں۔ ان کی محبت اور اطاعت کے بغیر انسان کے کرم اور سارے تپ (اعمال وعبادت) اکارت جائیں گے"

سامعین میں سے کسی نے پوچھا رشی مہاراجہ! وہ پرماتما کے پیارے کون ہیں؟ کیا وہ مہرشی' منی' یوگی ہیں جو گزر چکے ہیں۔ براہتھ رشی نے جواب دیا! ہاں وہ بھی ہیں جو گزر چکے ہیں اور اپنی تعلیمات وفرامین کو سنسار میں پھیلا چکے ہیں۔ ان سب کی فرمانبرداری اور ان سب سے پریم کرنا فرض ہے۔ عام لوگ ان پاک ہستیوں کو نہیں جانتے۔ لو سنو! ایک بہت دور سمے میں جب کہ سنسار کا آخر ہونے والا ہوگا اور وہ آخری زمانہ کہلائے گا تو اس زمانے میں ایک بہت بڑا مہاتما اور مہاراجوں کا مہاراج پیدا ہونے والا ہے جو ہر پرکار اپنا چمتکار (معجزہ) دکھائے گا۔ اس کے جنم پر آگ ٹھنڈی ہو جائے گی (آتش کدہ فارس) بت (۱۴ کنگرے قیصرو کسریٰ کے) اوندھے منہ کریں گے۔ درخت اور پتھر اور حیوان اس کو ماتھا ٹیکیں گے اور ہر چیز اس کو نمسکار کرے گی (1) اس بڑے مہاراجہ کا پوتر نام "مہامتا" (حضرت محمدؐ) ہوگا جس کی انگلی چندرما (چاند۔ قمر) چاند کو دو ٹکڑے (شق القمر) کرنے والے چاند کے دو ٹکڑے کر دے گی اور اس بڑے مہاراجہ کا ایک مہاراجہ کمار (حضرت علیؑ) بھی جنم لے گا جو کہ پرماتما (اللہ) کے پوتر استھان (خانہ کعبہ) یعنی سنسار (دنیا) کے سب سے بڑے مندر (خانہ کعبہ) میں ایک (بچہ) بالک کی شکل میں پیدا ہوگا وہ سرپ مار (اژدہے کو مارنے والا) ہوگا وہ ایشور کا ہاتھ کہلائے گا (یداللہ) وہ بھگوان جی کی شکتی والا ہوگا اس کو دھرتی کا باپ کہیں گے (ابوتراب) وہ سوریہ (سورج کو پلٹانے والا) اس کو پلٹا دے گا! جس طرح پرمیشور (خدا تعالیٰ) کے بہت سے نام ہیں اسی

طرح ''مہاتما'' کے بھی بہت سے نام ہیں اور اس کے راج کمار کے بھی بہت سے نام ہیں جن میں سے ایک نام ''اوم'' بھی ہے۔

غور طلب:

یہ بات نہایت غور طلب ہے کہ کرشن جی رسول پاکؐ کی ولادت کا تذکرہ کتنے پیار اور عقیدت سے کررہے ہیں۔ آپؐ کی پیدائش پر آتش کدۂ فارس جو ایک ہزار سال سے جل رہا تھا بجھ گیا۔ قیصر و کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے زمین بوس ہوگئے اور ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ اس مہاراجہ یعنی (رسول پاکؐ) کا ایک وصی بھی ہوگا جو خانۂ کعبہ میں پیدا ہوگا، جو اژدھے کو چیر پھاڑ دے گا جو ید اللہ ہوگا اور جو سورج کو پلٹا دے گا۔ وہ بڑی طاقت والا ہوگا۔ یہ سب اوصاف صرف حضرت علیؑ میں نظر آتے ہیں۔

اوم:

ادیانِ عالم میں چند روایتیں مشترک ہیں۔ یعنی جب بھی کوئی نیا کام نیا کاروبار شروع کیا جاتا ہے تو ان کے شروع کرنے سے پہلے اور یہاں تک کہ روزانہ کے معمول کے کام بھی شروع کرنے سے پہلے چند متبرک ناموں کو پکارا جاتا ہے جس کے لینے سے ہر کام میں کامیابی اور کامرانی نصیب ہوتی ہے جیسے عالم اسلام میں اللہ تعالیٰ اور پیغمبر حق حضرت محمد مصطفیٰؐ نے ہر مسلمان کو تاکید کی ہے کہ جب بھی کوئی کام شروع کرو تو اس کے ابتدا ''بسم اللہ'' سے کی جائے کہ یہ برکت اور رحمت کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ اور فتح یابی کی ضمانت ہے۔ دراصل ''بسم اللہ'' اور ''یا علیؑ مدد'' کے اعداد برابر ہیں۔ ہم شیعیانِ حیدرؑ کرار ہمیشہ ''یا علی مدد'' کہتے ہیں اور کام بھی اور کوئی سی بھی مشکل ہو حل ہو جاتی ہے۔

منکر کے دل پہ ضرب خدا یا علیؑ مدد
مومن کو کبریا کی عطا یا علیؑ مدد
''بسم اللہ'' جس نے جب بھی کہا اور جہاں کہا
دراصل اس بشر نے کہا یا علیؑ مدد

(جناب شوکت رضا شوکت)

کیوں کہ دونوں کے اعداد ۷۸۶ ہیں۔ اسی طرح اہل ہنود جس میں بے شمار فرقے ہیں اور گروہ ہیں اور ذات ہیں، وہ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو اس کی ابتدا لفظ ''اوم'' سے کرتے ہیں اور لکھتے ہیں اور کہتے ہیں بلکہ تسبیح بھی ''اوم'' کی پڑھتے ہیں، بلکہ اہل ہنود کے بڑے بڑے پنڈت اور مذہبی پجاریوں کے قول کے مطابق لفظ ''اوم'' خدا تعالیٰ کے انوار و تجلیات اور قدرت و قوت کا مظہر ہے۔ دھرم بان آچاریہ نے اپنی کتاب پر بھوگتیں میں لکھا ہے کہ ''اوم'' کے معنی خدا کی قوت ہے۔ عام ہندو لوگ ''اوم'' کو خدا کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور اس کو ایشور، پرمیشور، کرتار، بھگوان کے نام کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔

لیکن پنڈت گوری دت اپنے رسالے ''بھگتی'' لاہور بابت ماہ جولائی ۱۹۲۲ء مضمون بعنوان ''رام ودیا'' از پنڈت گوری دت بی۔اے شاستری لدھیانوی رقمطراز ہیں کہ پربھو یا پرماتما کے کارن لفظ ''اوم'' کو نہیں استعمال کیا جاتا بلکہ ہم اس لفظ کو پاک و پاکیزہ اور پوتر نام جان کر لکھتے اور بولتے ہیں تاکہ ہمارے تمام کام اور روزمرہ کے معمولات کامیابی سے مکمل ہو جائیں۔ سنسکرت اور بھاشا اور اسی قبیل کی دوسری زبانوں میں متعدد لغات میں لفظ ''اوم'' کے بہت سے معنی نظر آئیں گے، مثلاً بڑی شان و شوکت والا' جبروت' عظمت' حشمت' اختیار' شاہی' شہنشاہی' حکومت' حکمت' سلطنت' برکت' تحریم' تقدیس' تبریک' تقدس' تبرک' خلاقی' صناعی' دانائی' شانتی' شکتی' بہت بڑا بل' قدرت' قوت' مظہر قوت' مظہر قدرت' بڑی قوت' فہمیدگی اور عزت و اعزاز ہیں۔اب آپ اندازہ لگائیے کہ ان تمام معنی کو پڑھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کون سا مطلب لیا جائے۔ آگے چل کر ہم کو اس کے بہترین اور مشہور عام معنی مل گئے۔ سنسکرت انگلش ڈکشنری مؤلفہ پنڈت ہردیال ایم۔اے شاستری لفظ ''اوم'' کے معنی کچھ یوں لکھتے ہیں۔

''اوم'' OM:-A holy word of Sanskrit language the true meaning are:

a) A hand of God
b) A power of God
c) A strength of Nature

(The Sanskrit English Dictionary by Pandit Har Dayal MA Shastri publisher by Mahatma Book Stall Hall Bazar Amritsar, Printed in General Electric Press 1907)

ترجمہ: ''اوم'' سنسکرت زبان کا پاکیزہ لفظ ہے جس کے درج ذیل معنی ہیں۔

الف) خدا کا ہاتھ

ب) خدا کی قوت

ج) فطرت کی طاقت

اور اس کے آگے تحقیقی معلومات سے لفظ ''اوم'' کے معنی ڈاکٹر کے۔سی چکرورتی اپنی ڈکشنری میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

OM: A powerful Hand of God, A powerful light of God

اوم: خدا کا ایک طاقتور ہاتھ، خدا کی طاقتور روشنی۔

(A modren dictionary of Sanskrit and English edited by Dr. K.C. Chakarwarti MA, Publisher Narain Pustakalay, Delhi, Printed by Eastern Public Press Delhi, India, 1918)

اس سے بھی آگے چل کر جناب جگت لال فاضل سنسکرت نے لفظ ''اوم'' کے معنی اپنے الفاظ میں یوں بیان کیے ہیں۔

OM: The Strenghtened hand of "Nature" coaching the world,

The father of Earth, The Face of God

(A key of Sanskrit lock, Vol. II by Mr. JK Jagat Lall M.O.L., Published by L. Moolchand & Sons Bok sellar Anarkali, Lahore, Printed at Kanpur Art Press, Lahore, 1933)

ترجمہ: ''اوم'' (۱) قدرت کا وہ طاقتور ہاتھ جو نظام عالم کو چلاتا ہے۔

(۲) زمین کا باپ (۳) خدا کا چہرہ

اہل ہنود کے جید عالموں، پنڈتوں اور مفکرین کی مندرجہ بالا کتابیں، ڈکشنریاں، لغات پڑھنے اور تحقیق کرنے کے بعد ہم لفظ ''اوم'' کے مذکورہ معنی اور مطالب کو غائر نگاہ سے دیکھیں تو نتیجہ کچھ یوں نکلتا ہے۔

حضرت علیؑ کے اوصاف:

۱)	خدا کا ہاتھ	یداللہ
۲)	خدا کی قوت	قوت پروردگار (شاہ مرداں)
(۳)	قدرت کی طاقت	دابتہ الارض (شیر خدا)
۴)	قدرت کا طاقتور ہاتھ	یداللہ، نفس اللہ (شیر یزداں)
۵)	خدا کی ایک طاقتور روشنی	نور اللہ، عین اللہ
۶)	زمین کا باپ	ابوترابؑ
۷)	خدا کا چہرہ	وجہ اللہ

آگے چل کر سنسکرت زبان کے نکتہ دانوں اور مفکرین اس کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا، لفظ ''اوم'' میں تین الفاظ ہیں۔ الف ۔ و ۔ م

(۱)	الف	ایشورہ	(خداوند تعالیٰ)
(۲)	و	وراتنم	(بہت بڑی)
(۳)	م	مشاکتن	(لازوال قوت)

ایک اور ماہر زبان سنسکرت نے یوں معنی لکھے ہیں۔

(۱)	الف	ایشورہ	(خدا کا)
(۲)	و	ورتان	(زبردست)
(۳)	م	ماہت	(ہاتھ)

اور ان تمام تجزیوں سے ''اوم'' کے معنی صاف ظاہر ہو گئے اور مندرجہ ذیل عقدہ کھل گیا۔

(۱) خدا کی بہت بڑی طاقت (شیر خداؑ)

(۲) خدا کا زبردست ہاتھ (یداللہؑ)

اور اسی لیے رام کرشن جی اور براہتھ رشی نے ان الفاظ کے ذریعے اس عظیم ہستی سے مدد مانگی جوان صفات کا حامل ہے:

شاہ مرداں شیر یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار



مولائے کائنات حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام

لیکن ہم اپنا اخذ کیا ہوا نتیجہ آپ پر تھوپنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کی عقل سلیم پر چھوڑتے ہیں کہ آپ خود تلاش کریں:

(۱) خدا کا ہات "یداللہ" کون ہے؟ اور قرآن پاک کے فرمان کے مطابق "یداللہ فوق الجماعۃ" کس کی شان میں آیا ہے؟

(۲) پرماتما کی شکتی۔ "قوت اللہ" کس کو کہا گیا؟

(۳) دھرتی کا باپ۔ "ابوتراب" کس کو کہا گیا؟۔ (حدیث نبویؐ)

(۴) ودیا اور مہتم کی گزرگاہ "باب مدینۃ العلم والحکمۃ" کس کو کہا گیا؟" انا مدینة العلم و علیٌ بابها" انا دار الحكمة و علي بابها "

(۵) ایشورہ کا مکھڑا "وجہ اللہ" کس کا خطاب ہے؟

(۶) پوترا استھان میں جنم (خانۂ کعبہ میں کس کا جنم ہوا؟)

(۷) سرپ مار، اژدھے کو مارنے والا (کلۂ اژدر کو طفلی میں کس نے چیر پھاڑ کر مارا؟)

(۸) سوریہ کو پلٹانے والا۔ آفتاب کو دو مرتبہ کس نے پلٹایا؟

اب آپ سب اپنی عقل سلیم کے مطابق تاریخ اسلام، احادیث نبویؐ، اقوال ائمہ، فرمودات اور تحریروں کو دیکھیے آثار صحابہ پر نظریں جمایئے۔ تابعین و تبع تابعین شیعہ و اہل سنت، صحاح ستہ اور اقوال علماء و فضلاء مذکورہ اوصاف و محاسن، مکارم و محامد کا مرکز ذات حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے سوا اس کائنات میں کوئی اور نہیں ہے اور یہ ہی اقوال عالم کے مفکرین، شارحین محققین اور مورخین کی صائب رائے کو دیکھیے اور یہ جو دنیا کے مختلف ممالک مثلاً چین، جاپان کی زبانوں میں "اوم" کو "آوم" اور "آہوم" یا "اوہم" لکھتے ہیں اور بولتے ہیں۔ اس پر غور فرمایئے۔ (یورپی مورخ اور مستشرق ڈاکٹر ایڈورڈ ولیم) (ماخوذ از رسالہ تقویم پارینہ مولف محمد سلطان خان رامپوری)

(۱) ہندوستان کی زبانوں میں لفظ "اوم" کو علیؑ

(۲) عربی کوفی رسم الخط میں "علیؑ" "علیؑ"

(۳) قدیم ترین جاپانی زبان میں "آوم" یا "آہوم" کو یوں لکھا جاتا ہے۔

حیدر :

قارئین آپ خود دیکھ لیں کہ سنسکرت کی زبان میں "اوم" اور عربی زبان میں "علیؑ" اور جاپانی زبان میں "حیدر" سب ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ ہی ذات اقدس جناب مولائے کائنات،

قوت پروردگار، وجہ اللہ، عین اللہ، یداللہ، حیدر کرار، لسان اللہ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

یہود و نصاریٰ اور مستشرقین:

مسلم امہ اور اہل ہنود کے علاوہ تمام عالم کے مفکرین اور شارحین علماء اور فصحا کے علاوہ یہود و نصاریٰ کے اور خاص طور پر عرب کے مشہور دہریئے اور اکثر یونانی فلسفی مسائل علیہ و حقائق حکمیہ اور دانائی میں حضرت علی علیہ السلام کے علمی ذخائر سے مستفید ہوئے اور انہوں نے برملا ان سب کا اعتراف بیک زبان ہو کر اور حقائق کو بغیر توڑے مڑوڑے ساری دنیا کے سامنے کیا اور کسی حسد، بغض اور تعصب کے بغیر کیا۔ ان سب کا تذکرہ ابو منصوری طبرسی کی کتاب ''الاحتجاج'' میں اور ابن بابویہ قمی المعروف بہ صدوق کی کتاب ''التوحید'' میں کیا گیا ہے اور یہ تمام اعترافات اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام بحیثیت ایک مفکر، عالم، حکیم، فلسفی کے طور پر بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ہم ذیل میں چند ایسے مسلم، غیر مسلم ادیبوں اور فلسفیوں اور مفکروں کے خیالات قلم بند کرتے ہیں۔

(۱) مشہور مستشرق گبرئیل انکیری Gabriel Enkiri

مستشرق گبرئیل انکیری اپنی مشہور زمانہ کتاب جو فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی "Lech Evalierdel Islam" ''شہوار اسلام'' میں رقمطراز ہے۔

''حضرت علی علیہ السلام جیسی عظیم اور بلند ہستی اس کائنات میں ایسی ہے، جس میں دو متضاد صفتیں اپنے درجہ کمال پر ہیں اور یہ صفات تمام عالم میں کسی اور میں دکھائی نہیں دیتیں کہ ان کی ذات، جس میں ایسا اجتماع ضدین واقع ہوا ہو۔ یہ حضرت علیؑ کی ذات مبارک ہے کہ جو قہرمان جنگ، فاتح اور سپہ سالار جنرل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست عالم دین، فصیح و بلیغ ترین خطیب بھی تھے۔ مولا کائناتؑ خود ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر میرے سامنے ''دین'' نہ ہوتا تو میں دنیا کا سب سے بڑا سیاست دان ہوتا۔''

گبرئیل انکیری مزید لکھتے ہیں کہ یورپ کے دو مشہور شجاع اور بہادر Ronald,Bayard اور Quintius Fabius تھے، جن میں رونالڈ سب سے زیادہ بہادر تھا جس کے بارے میں یہ مشہور تھا، کہ اگر وہ کسی چٹان پر اپنی تلوار مارتا تھا تو اس میں شگاف پڑ جاتا تھا۔ مگر یہ تمام شجاعان یورپ ''توریت اور انجیل'' کی تفسیر کرنے سے قاصر اور نابلد تھے اور بالائے منبر فصیح و بلیغ تقریر کر سکتے تھے، نہ قانون مدنی اور قانون تغیرات کے عقدوں کو کھول سکتے تھے۔ تاریخ عالم یہ بتاتی ہے کہ یہ شجاعان یورپ مقدس "Saint Thomes D'aguin" اور "Saint Teamchirito Stome" کے میدان جنگ میں ایک جانباز سپاہی اور جرنیل کی طرح اپنے شمشیر بکف دشمنوں کو خاک و خون میں ملا سکتے تھے، مگر ایک عالم اور مبلغ دین کی طرح تقریر و تحریر نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہ دونوں صفات صرف اور صرف حضرت علی علیہ السلام میں بدرجہ اتم موجود تھیں جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کی ذات اقدس ہے

،جن کے علم وادب کے بحرِ ناپیدا کنار کے احاطہ کا امکان نہیں۔ مستشرق "انکیری" آگے لکھتا ہے کہ قاہرہ، دمشق، استنبول اور یورپ کے تمام کتب خانوں، لائبریریوں میں ایسے بے شمار مخطوطات موجود ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کی تصانیف ہیں۔ یہ کتابیں مواعظ، تاریخ، اشعار، خطبات، قانونی موشگافیوں، قضایا اور تحقیقات علوم الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ یہ علمی اور ادبی آثار دنیا میں نفیس ترین گنجینۂ علم وادب پیش کرتے ہیں۔ ان علمی وادبی کتابوں میں فضول گوئی، لفاظی یا لفظوں کی بھرتی نہیں پائی جاتی، بلکہ ان میں وہ جواہر تراش اور مرصع نگار کی طرح الفاظ کے نگینے جڑتے تھے۔ بالاتفاق آراء حضرت علیؑ قرن اوّل کے فصیح ترین و بلیغ ترین خطیب تھے۔ (شہوار اسلام)

چیف جسٹس پولاس سلاما C.J. Paulas Salama:

بیروت ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور مشہور مسیحی ادیب وشاعر "Paulas Salama" اپنے "اول ملحمہ عربیہ عید الغدیر" میں لکھتا ہے کہ "نہج البلاغہ" مشہور ترین کتاب ہے، جس سے امام اول حضرت علیؑ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ سوائے قرآن مجید کے کوئی کتاب فصاحت وبلاغت اور قدر قیمت میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (۱)

جسٹس سلاما آگے چل کر لکھتے ہیں کہ عیسائی اپنی مجالس میں حضرت علیؑ کا ذکر کرتے ہیں اور آپؑ کے تقویٰ، علم وحکمت اور پرہیزگاری کے سامنے تعظیماً جھک جاتے ہیں۔

ماہر فلسفہ خلیل جبران Phlisopher Khalil Jabran

دنیائے عرب کا مشہور زمانہ مسیحی مفکر وادیب وفلسفی خلیل جبران جو لبنان میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا اور امریکا میں ۱۹۳۱ء میں فوت ہوا وہ "نہج البلاغہ" سے متاثر ہو کر لکھتا ہے۔

"حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام سب سے پہلے عرب ہیں، جن میں "روح اعظم" پائی جاتی ہے اور سب سے پہلے عرب ہیں، جن کے ذہن اقدس سے وہ پاکیزہ اور روحانی نغمے سنے گئے جو اس سے پہلے عرب کے کسی انسان سے نہیں سنے گئے۔ ان نغمات کو سن کر عرب اپنی فصاحت وبلاغت کی شاہراہوں اور اپنے ماضی کی تاریکیوں میں سرگشتہ وحیران ہوگئے اور اگر کوئی شخص آپؑ کی فصاحت وبلاغت سے حیران ہوجائے تو یہ ایک فطری بات ہوگی اور اگر کوئی شخص آپؑ کی فصاحت وبلاغت سے خصومت کرے تو وہ دراصل جاہلیت کی اولاد ہوگا۔"

---

(۱) (ملحمہ عید الغدیر، ص۰۷، مطبوعہ بیروت)

کائنات کے افلاک علم وادب کا نیر تاباں
حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "(۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو سیدھے راستے پر خلق کیا۔

اگر ہم اس آیت کا تجزیہ اور غور وفکر کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر انسان کو پروردگار عالم نے سیدھے راستے پر پیدا کیا۔ جیسے جیسے انسان نشو ونما پاتا ہے اس کے کردار کی تکمیل والدین کے ذمہ ہوتی ہے کہ وہ اسے کیا بنانا چاہتے ہیں۔ اس میں انسان کی مرضی شامل نہیں ہوتی، کیونکہ ابھی وہ بچہ ہوتا ہے۔ اگر والدین خود کردار کے اعلیٰ مقام پر ہوں اور تمام آباء واجداد بھی ایک عظیم مرتبے پر فائز رہے ہوں تو اس کا مقابلہ عام انسانوں سے کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اور خاص طور پر ان لوگوں سے جو زمانہ جاہلیت میں وہ تمام کار بے کار انجام دیتے رہے ہوں مثلاً بت پرستی، بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا اور ایسی بے شمار غلط باتوں میں مصروف رہے ہوں۔ انسانی شخصیت کی تعمیر وتشکیل انسان کی جسمانی ساخت، ذہنی شعور، فکری ارتقاء اور اخلاقی اور روحانی اقدار سے وابستہ ہے۔ انہی جسمی ونفسی صفات کے آئینہ میں اس کی شخصیت کے خدوخال کو دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ جہاں تک جسمی صفات کا تعلق ہے انہیں آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے، لیکن مگر نفسی وروحانی صفات تجربے ور مشاہدے کی حدود سے باہر ہیں۔ انہیں آثار سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اگر چہ تمام انسان جسمانی اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر ان میں بعض افراد اپنی غیر معمولی قوتوں اور فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے اتنے ارفع واعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی صفات وخصوصیات عام انسانوں کے تصور کی گرفت میں نہیں آتیں۔

مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی ذات اقدس اس اعتبار سے منفرد و یگانہ اور عجوبہ ونابغۂ روزگار ہے کہ ان میں وہ تمام فضائل وکمالات جو نہ کسی میں جمع ہوئے اور نہ ہوں گے پوری آب وتاب کے ساتھ جمع تھے۔ یہ اوصاف اپنے تنوع وتباین کے اعتبار سے انسانی فہم سے بالاتر ہیں اور آپؑ کے متنوع پر رنگ اور گوناگوں کمالات سے آراستہ شخصیت پر جتنی مرتبہ نظر کی جائے، کمال وفضائل کے مختلف گوشے نظروں کے سامنے ابھرتے اور عمل وکردار کے جوہر نکھرتے چلے آتے ہیں۔ گو دیکھنے میں آپؑ ایک شخصیت تھے مگر مختلف صفات وکمالات کے اعتبار سے متعدد شخصیتوں کا مجموعہ نظر آتے تھے اور آپؑ کی ذات اقدس میں تمام فضائل ومحاسن اپنی تمام تر دل آویزیوں کے ساتھ سمٹ کر جمع ہو گئے تھے اور یہ ہی وہ طغرائے امتیاز ہے، جس نے آپؑ کی عظیم شخصیت کو رفعت انسانی کا شاہکار اور کمالات ومحاسن کے پھولوں کا گلدستہ

---

(۱) (سورۂ والتین، آیت ۴)

صد رنگ و چمن صد بہار بنا دیا ہے۔

آپؑ رونق کدۂ بزم آب و گل بھی تھے اور جلوہ طراز عالم انوار بھی‘ علم و عرفان کا زرّیں صحیفہ بھی تھے اور حسن کردار کا ورق زرنگار بھی‘ مسند قضا پر مشکل گتھیوں کے گرہ کشا بھی تھے اور محراب و منبر کی عبادت میں عابد شب زندہ دار بھی، سخاوت میں فرد فرید بھی تھے اور شجاعت میں یکتائے روزگار بھی‘ انشاء و تفنن کلام کا سرچشمہ بھی تھے اور خطابت و بیان کے قلزم زخار بھی‘ ادبیات و فنون عربیہ کے گنج شائگاں بھی تھے اور علم و کلام و فلسفۂ الٰہیات کے خزینہ دار بھی‘ قرآن کے جامع اور پہلے مفسر بھی تھے اور دنیائے اسلام کے اولین مصنف و قلمکار بھی اور امن و آشتی کے پیغامبر بھی تھے۔ اور دشمنان دین سے برسر پیکار بھی‘ زینت افزائے عرشۂ خلافت بھی تھے اور اقلیم ولایت کے تاجدار بھی‘ مشکل کشائے عالم بھی تھے اور نیرنگی زمانہ سے دوچار بھی‘ آلات حیات پر خندہ زن بھی تھے اور رات کے اتھاہ سناٹوں میں اشکبار بھی‘ برق شعلہ ساماں بھی تھے اور ساون کی ہلکی پھوار بھی‘ صحرا کی چلچلاتی دھوپ بھی تھے اور شجر سایہ دار بھی، ہوائے تند کا تھپیڑا بھی تھے اور نسیم سبک رفتار بھی‘ جلال قدرت کا آئینہ بھی تھے اور جمال فطرت کا سنگھار بھی‘ "اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" کی عملی تفسیر بھی تھے اور "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا مثالی کردار بھی۔ غرض جس صفت کمال پر نظر کی جائے، وہ اس جامع اضداد ذات میں موجود ملے گی اور انہی متضاد صفات کے اجتماع اور ان کے ناقابل فہم امتزاج نے دنیا کے دانشوروں‘ مفکرین اور علمائے دیگر ادیان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس کارگاہ عالم میں پیغمبر اکرمؐ کے علاوہ اتنی وسیع النظر اور جامع علوم شخصیت کہیں نظر نہیں آتی جس کی فکری و نظری تجلیوں اور علمی تحقیقی کرنوں سے ہر دبستان فکر و جہان دانش نے روشنی حاصل کی ہو۔ نظر و فکر کی کتنی راہیں تھیں جو آپؑ کی بدولت کھلیں اور علم و تحقیق کے کتنے مخفی گوشے تھے، جو آپؑ نے بے نقاب کیے آج دنیا میں جہاں جہاں علم و حکمت کی شمعیں اور فکر و دانش کے چراغ فروزاں نظر آتے ہیں، وہ اسی قندیل درخشاں کی تابندگیوں کا کرشمہ اور اسی مشعل ضوفشاں کی درخشندگیوں کا پرتو ہے۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے دنیائے اسلام کو خصوصی طور پر اور دنیائے عالم کو عمومی طور پر ایک عظیم علمی سرمایہ دیا جو توحید و خداشناسی علم کلام و فلسفہ الٰہیات اور رموز دین اور اسرار احکام کا خزینۂ عامرہ ہے۔ آپؑ نے علمی حقائق کی گرہ کشائی کی، فکر و فن کے چراغ روشن کیے اور علم کی ہر شاخ کی آبیاری کا سامان مہیا کیا۔ قرآن کی جمع آوری کے ساتھ اس سے متعلق علوم قرأت، تجوید، اعراب‘ رسم الخط اور تفسیر و تاویل کی طرف رہنمائی فرمائی ۔حدیث کی اقسام اور روایتوں کی اصناف پر روشنی ڈالی۔ الٰہیات، طبیعیات اور ریاضیات (الجبرا) کی خشک سرزمین کو اپنے افادات کی بارش سے سیراب کیا‘ تہذیب اخلاق‘ تدبیر منزل اور سیاست مدنی کی حدود قائم کیے۔ حکمت نظریہ و حکمت عملیہ کے تفصیلی خاکے ترتیب دیے۔

فصاحت و بلاغت کے نئے اسلوب وضع کیے۔ نحوی قواعد کی بنیاد رکھی اور فلسفیانہ حقائق میں ادبیت کو سمو کر خیالات کے اظہار کا نیا سانچہ ایجاد کیا۔ بلا شک و شبہ عالم اسلام اور تمام کائنات میں جتنے بھی تخلیقی

سوتے پھوٹے اور مسلمانوں نے جو تحقیقی کام سرانجام دیے وہ آپؑ ہی کی علمی سرپرستی کا نتیجہ ہے۔ آپؑ نے علمی تحریک کو فروغ دے کر مسلمانوں میں تحقیقی ذوق پیدا کیا اور انہیں طلب و جستجو اور تعقل و تفکر کی راہ پر لگایا۔

اگر آپؑ علوم و معارف کے نشر میں سرگرم عمل نہ ہوتے تو مسلمان فتوحات کے نشہ میں کھو کر علم و ہنر سے بیگانہ رہتے اور جہاں بانی و کشور کشائی ہی کو اپنی منزل آخر قرار دیتے۔

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہا السلام کے چند نایاب علمی نسخے اور خطوط و خطبات

(۱) صحیفۂ جامعہ:

صحیفۂ جامعہ پوست آہو پر لکھا ہوا وہ عظیم علمی نسخہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے املا کرایا تھا اور حضرت علی علیہ السلام نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا تھا۔ صحیفۂ جامعہ امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پاس محفوظ ہے۔(۱) اس صحیفے کا طول ستر (۷۰) ہاتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں تمام معاش و معاد کے متعلق احکام و فرائض کا بیان ہے۔

(۲) قرآن مجید:

اسلام میں سب سے پہلا قرآن پاک جو نزول وحی اور تنزیل آیات کی ترتیب میں تالیف کیا گیا تھا، اسے حضرت علیؑ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا تھا۔ یہ قرآن پاک خلیفہ اول کے پاس پیش کیا گیا تھا کہ تمام مملکت اسلامیہ میں اس کی نقلیں لکھوا کر بھیج دی جائیں مگر حضرت ابوبکر نے اس قرآن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت علیؑ اس کو واپس لے گئے اور فرمایا: کہ اب اس کو کوئی نہ دیکھ سکے گا، جب تک میرے بارہویں فرزند کا ظہور ہو اور وہ ہی اس کو دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ حضرت ابن عباس ساری عمر کہتے رہے کہ کاش وہ قرآن آج ہم میں موجود ہوتا تو علم کے بے کنار سمندر اور دریا دیکھنے کو ملتے، مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

(۳) مصحف فاطمہؑ:

''مصحف فاطمہؑ'' مولا علیؑ نے اس وقت اپنے ہاتھوں سے تحریر فرمایا جب جناب سیدۃ النساء العالمین حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؑ اپنے والد بزرگوار حضرت رسول خداؐ کے وصال کے بعد بے حد رنجیدہ رہنے لگیں اور ہر وقت گریہ وزاری کرتی تھیں۔ مولائے کائناتؑ نے ان کا غم غلط کرنے کے لیے اس کو تحریر فرمایا۔ اس میں امثال حکمت کی باتیں، مواعظ، نصائح، اخبار و نوادر جمع کیے گئے تھے۔ ''مصحف فاطمہؑ'' بھی حضرت امام زمانہ امام مہدی علیہ السلام کے پاس محفوظ ہے۔

(۴) کتاب التفسیر:

یہ کائنات کی قرآن مجید اور دوسرے آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے بعد ایک نادر روزگار اور نایاب کتاب ہے۔ اس میں ساٹھ سے زیادہ علوم قرآن کی اقسام کا مخصوص مثالوں کے ساتھ بیان ہے مثلاً امر، زجر، ترغیب، ترہیب، جدل، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، خاص و عام، عزائم، رخص، حلال و حرام، فرائض و احکام، صرف

---

(۱) (اصول کافی جلد اوّل)

مکان وصرف زمان، لفظ خاص معنی عام، لفظ عام معنی خاص، لفظ واحد با معنی جمع، لفظ جمع با معنی واحد، لفظ ماضی و معنی مستقبل، لفظ جو کسی خبر پر دلالت کرے اور معنی دوسروں کی حمایت کرے، تاویل در تنزیل، تاویل قبل از تنزیل، تاویل بعد از تنزیل، وہ آیات جن کا ایک حصہ ایک سورے میں اور بقیہ حصہ دوسرے سورے میں ہو، وہ آیات جن کا نصف منسوخ اور نصف متروک علی الحال ہو، آیات مختلف اور لفظ متفق، آیات متفق اور لفظ مختلف، مخاطب کوئی اور مقصود کوئی، مخاطب پیغمبرؐ اور مقصود امت، وہ آیات جن کی حرمت بغیر ان کی تحلیل نہیں سمجھی جاسکتی، آیات مشتمل بر زنادقہ دہریہ، ثنویہ قدریہ جبریہ، ملحدین ومشرکین، احتجاج بر نصاریٰ ویہود، منکرین، ثواب وعقاب بعد الموت، آیات فضیلت پیغمبرؐ، معراج نبویؐ، مشیت خداوندی، فضیلت اہل بیت طاہرینؑ، آیات در بارہ امیر المومنینؑ، آیات در بارہ وحی پیغمبرؐ، پیش گوئیاں در بارہ حروف مقطعات، اسرار ورموز، علاج الامراض، توحید، عدل خداوندی، نبوت، امامت، قیامت، ظہور رجعت، تصفیہ قلب وتزکیہ نفس، معرفت نفس، معرفت خدا اور رسولؐ وامامؑ در بارہ جنت، در بارہ جہنم، در بارہ اعراف، در بارہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، تبرا، حقوق والدین، اولاد، نساء، ہمسایہ، یتامیٰ، مساکین وغیرہ، حقوق آل محمدؐ، گزشتہ واقعات وقصص وغیرہ۔

(۵) کتاب "جفر وجامعہ":

یہ آپؑ کی مشہور ترین تصنیف ہے، جو ایک بعید الفہم خط میں اعداد و ہندسوں پر مشتمل ہے۔ یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو ظاہر کرتے ہیں، جو ابتدائے اسلام سے رہتی دنیا تک وقوع پزیر ہونے والے حقائق بتاتے ہیں۔ یہ آپؑ کے خاندان میں ہے لیکن پڑھی نہیں جاسکتی، البتہ امام جعفر صادق علیہ السلام اس کے کچھ حصوں کی تشریح وتفسیر کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، لیکن اس کو امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہی مکمل کریں گے۔(۱) مشہور زمانہ مورخ کلمین لکھتے ہیں "آپؑ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علم وفن و کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپؑ کے نام سے منسوب ہے۔ آپؑ کا قلب و دماغ ہر انسان سے خراج تحسین وصول کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ آپؑ کا قلب ودماغ مجسم نور تھا۔ آپ کی دانائی اور پر مغز بذلہ سنجی، ضرب الامثال کی ایجاد میں آپؑ کی فراست بہت اعلیٰ اور عظیم پائے کی تھی۔ (۲)

(۶) اونٹ کی زکوٰۃ سے متعلق رسالہ:

(۷) کتاب فی الدیات مسمی بہ الصحیفہ وکتاب الفرائض:

اس کتاب میں اصول اخبار وفرائض کی تمام بلندیوں پر مشتمل تمام حدود وقیود ہیں۔

---

(۱) (تاریخ عرب اوکلی، ص ۳۳۲)

(۲) (تاریخ عرب، ص ۲۸۶)

علامہ شیخ صدوق ؒ سن ۳۸۱ھ نے اس کو اپنی مشہور زمانہ کتاب ''من لایحضر الفقیہ'' جلد دوم میں بہ تمام وکمال نقل کیا
ہے اور رئیس طائفہ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن ؒ سن ۴۶۰ھ نے کتاب تہذیب میں اور محمد یعقوب کلینیؒ نے اصول کافی ابواب الآیات میں اس سے روایات نقل کی ہیں۔

(۸) کتاب صدقات النعم:

(۹) اربعہ مائۃ باب:

یہ چار سو حکیمانہ اقوال کا مجموعہ ہے، جس کو شیخ صدوق ؒ نے کتاب الخصال میں سلسلۂ اسناد کے ساتھ مفصل نقل کیا ہے۔ (نہج الاسرار، جلد دوم، میں مرقوم ہے)

(۱۰) رسالہ فی النحو:

اہل ادب کے تمام ادباء فضلاء بلغاء کا اتفاق ہے کہ علم ''نحو'' کو وضع کرنے والے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں۔

(۱۱) احتجاج علی الیھود:

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا یہ مشہور احتجاج ہے، جس کو شیخ صدوق ؒ علامہ طبرسی اور شیخ ابوجعفر طوسیؒ نے اپنی اپنی تالیف میں درج کیا ہے۔

(۱۲) احتجاج علی النصاریٰ:

یہ احتجاج شیخ ابوجعفر طوسیؒ اور دیلمیؒ (سن ۴۷۱ھ) نے طوسی امالی میں نقل کیا ہے۔

(۱۳) نوادر احتجاجات:

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے مختلف احتجاجات ہیں، جن کو علامہ طبرسی اور ابن شہر آشوب نے اپنی اپنی تالیفات میں لکھا ہے۔

(۱۴) نہج البلاغہ:

مولائے کائناتؑ کی ذات اقدس ولادت باسعادت سے لے کر جو خانہ خداوند تعالیٰ میں ''معجزے'' سے وجود میں آئی اور شہادت عظمیٰ تک ساری کی ساری زندگی معجزات سے معمور ہے، جو بھی آپؑ نے عمل کیا وہ معجزے سے تعبیر ہوا۔ وضو کے لیے آستینیں پلٹیں تو سورج واپس پلٹ آیا۔ اس لیے جو زبان سے نکلا وہ لفظ ادبی شاہکار بن گیا۔ قرآن مجید کے بعد ''نہج البلاغہ'' علوم ومعارف کا وہ گران بہا سرمایہ اور اسلامی تعلیمات کا الہامی صحیفہ، حکمت واخلاق کا سرچشمہ اور معارف ایمان وحقائق تاریخ کا انمول خزانہ ہے، جس کے گوہر آبدار علم وادب کے دامن کو زرنگار بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنی چمک دمک سے جوہر شناسوں کو محو حیرت کیے ہوئے ہیں۔ افضل الانبیاء اور افضل البشر اور افصح العرب کی آغوش میں پلنے والے اور آب وحی میں ڈھلی

زبان چوس کر پروان چڑھنے والے نے بلاغت کلام کے وہ جوہر دکھائے کہ ہر سمت سے "فوق الکلام المخلوق و تحت الکلام الخالق" کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

یہ نثر اس دور کی نثر ہے، جب عربوں کی طاقت و جوش گفتاری صرف نظم تک محدود تھی۔ ریگزار عرب پر بستر لگا کے آزادی کی فضا میں پر بہار زندگی گزارنے والے فرزندان صحرا شعر و نظم اور تخیل و محاکات کے لازوال نقوش تو چھوڑ گئے مگر جہاں تک نثر کا تعلق ہے ان کی جیب و دامن میں کوئی ایسا گوہر شاہوار نہیں تھا ، جسے وہ بطور تفاخر پیش کرتے اور اہل علم کو اپنے مقابلے میں للکارتے۔ اس لیے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہا السلام نے علمی حقائق کو فروغ دینے کے ساتھ علم و ادب کی نشو ونما میں بھی پورا حصہ لیا اور عربی نثر کو نہ صرف حد کمال تک پہنچایا، بلکہ فلسفیانہ نظر و فکر و ادبی لطافتوں میں سمو کر ایک نئے طرز تحریر کی داغ بیل ڈالی، جس کی مثال ہر زمانے میں ملنی محال ہے۔ اور وہ ہے "نہج البلاغہ" اس کے بارے میں ہم صرف اتنا کہیں گے۔

سب کتابیں ہیں رعایا بادشاہ قرآن ہے
ایک ہدایت کا مکمل سلسلہ قرآن ہے
ہیں ازل سے تا ابد قرآن کے وارث وہی
جن کے گھر کا بچہ بچہ بولتا قرآن ہے
نام دونوں پر لکھا ہے ورنہ دنیا پوچھتی
کون سی "نہج البلاغہ" کون سا قرآن ہے

(۱۵) نہج الاسرار من کلام حیدر کرارؑ:

حضرت علی علیہ السلام کے وہ خطبات، ارشادات، احتجاجات اور کلمات قصار جو نہج البلاغہ میں نظر نہیں آتے اور علمائے اعلام کے مصدقہ متعدد و مستند کتب سے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ حمد باری تعالیٰ، علوم معرفت الٰہیہ، منقبت رحمت للعالمین، منزلت محمدؐ و آل محمدؑ، اسرار ربانی اور علائم الظہور وغیرہ کا بحر بیکراں ہے، جو نطق لسان اللہ سے معرض وجود میں آیا۔ ہر طالب علم و معرفت اور تحقیق و بصیرت کے شیدا کو چاہیے کہ ان ارشادات عالیہ سے فیض حاصل کرے۔

(۱۶) صحیفۂ علویہ :

آپؑ کے روایہ کا ایک مجموعہ جو آپؑ کے اقوال اور ارشادات کا ایک نایاب خزینہ ہے۔

(۱۷) دیوان علیؑ :

آپؑ کے اشعار کا مجموعہ جو "دیوان علیؑ" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ کتاب نواب علاء الدین احمد خان بہادر فرمانروائے لوہارو کے حکم سے سن ۱۸۷۶ء میں فخر المطابع لوہارو میں چھپی تھی اور اب مختلف ملکوں میں چھپ چکی ہے اور اس کی متعدد شرحیں بھی موجود ہیں۔

(۱۸) مائۃ کلمات :
اس کو جاحظ نے جمع کیا تھا۔

(۱۹) غرّر الحکم و درر الکلم:
اس کو عبدالواحد بن محمد بن عبدالواحد نے جمع کیا تھا۔

(۲۰) دستور معالم الحکم:
اس کو قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلام متوفی سن ۴۵۴ھ نے جمع کیا تھا۔

(۲۱) نثر الالی:
اس کو ابوالفضل علی ابن الحسن الطبرسی صاحب مجمع البیان نے جمع کیا تھا۔

(۲۲) کتاب مطلوب کل طالب من کلام علی ابن ابی طالبؑ:
اس کو ابواسحاق الواطواط الانصاری نے جمع کیا تھا۔ اس کا فارسی اور جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲۳) قلاالد الحکم و فرائد الکلم:
اس کو قاضی ابو یوسف بن سلیمان الاسفرائنی نے جمع کیا تھا۔

(۲۴) کتاب معمیات علیؑ:

(۲۵) امثال الامام علی ابن ابی طالبؑ:

(۲۶) نصر بن مزاحم ''صفین'':
شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب ارشاد میں کچھ کلام جمع کیا تھا۔

(۲۷) کتاب جواہر مطالب:

مولا علی علیہ السلام کے مشہور زمانہ خطبات اور خطوط

''نہج البلاغہ'' میں آپؑ کے وہ خطوط و خطبات شامل ہیں، جو آپؑ نے وقتاً فوقتاً انسانیت کی رہبری اور بہتری کے لیے دیے اور لکھے۔ نہج البلاغہ کے چند قدیم نسخے آج بھی دنیا میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ ایک قدیم نسخہ جو قدیم ترین ہے تہران (ایران) میں ڈاکٹر سید صدر الدین نصیری کے مخطوطات میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۴۹۴ھ میں لکھا گیا تھا۔ سن ۵۳۸ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ نسخہ ٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

ایک نادر نسخہ مخطوطہ موصل میں مدرسۂ حسن پاشا میں موجود ہے، جو حریر پر قدیم رسم الخط میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے حواشی مختلف رنگوں سے مزین ہیں۔ یہ نسخہ بنی عباس کے مشہور کاتب یاقوت المعتصمی نے

غالباً سن ۴۹۴ھ کے بعد لکھا تھا۔ ۵۴۵ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ بغداد میوزیم میں موجود ہے۔ ۷۴۶ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے۔

۷۰۶ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ نجف اشرف میں موجود ہے (منہاج نہج البلاغہ) ''نہج البلاغہ'' وہ عظیم علمی وادبی لازوال کاوش ہے، جس کو دنیا کے تمام علماء' فضلاء' ادباء' فصحاء اور ادیان عالم کے مفکرین' شارحین اور محققین نے بھی مولا علی علیہ السلام سے مدد مانگی ہے جیسے کہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

سنی ہے گونجتی حق کی اذاں نہج البلاغہ میں
کہ ہیں اقوال ''حیدرؑ'' جاوداں نہج البلاغہ میں
سوارِ کشتیِ حرف شکستہ ہیں مگر پھر بھی
رہیں گے غوطہ زن سب نکتہ داں نہج البلاغہ میں

افلاک فصاحت وبلاغت کے چند درخشاں ستارے (خطبات)

مندرجہ ذیل چند مشہور ومعروف خطبات حضرت امیر المومنینؑ آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہیں

۱) خطبۃ الاستسقاء:

مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا ایک مبسوط خطبہ ہے، جس کو شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب ''لا یحضرہ الفقیہ'' میں باب صلوٰۃ الاستسقاء کے تحت درج کیا ہے۔ مولانا محمد تقی مجلسیؒ (۱۰۷۰ھ) نے اپنی مشہور ''شرح اللوامع'' میں اس خطبے کا ترجمہ کیا ہے۔

۲) خطبۃ الاقالیم:

یہ بھی مولا علیؑ کا ایک مبسوط خطبہ ہے، جس کا ابن شہر آشوب نے ''مناقب'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ رضویہ مشہد مقدس میں موجود ہے، جس کے ساتھ حضرت کے دوسرے خطبے بھی درج ہیں مثلاً خطبۃ البیان ''الدرۃ الیتیم'' خطبہ مؤلفہ وغیرہ موجود ہیں ان کا جامع احمد بن یحییٰ بن احمد بن نافہ ہیں۔ یہ ۷۲۹ھ میں لکھے گئے تھے۔

۳) خطبۃ البالغۃ:

علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے بحار الانوار، جلد ۱۷، صفحہ ۱۱۲ اس کو نقل کیا ہے۔ کتاب ''نہج الاسرار من کلام حیدر کرارؑ'' میں مرقوم ہے۔

۴) خطبتہ التطنجیہ :

اس خطبہ کو علامہ برسی نے مشارق الانوار الیقین مولفہ ص ۷۷ میں لکھا ہے اور یارجینی نے الزام الناصب میں نقل کیا ہے۔ نیز عبدالصمد ہمدانی نے بحر المعارف میں درج کیا ہے اور ''نہج الاسرار من کلام

حیدر کرارؑ" میں بھی مرقوم ہے۔

۵) خطبۃ الزہراؑ:

یہ ایک طویل خطبہ ہے، جسے ابومخنف لوط بن یحییٰ (سن ۱۵۲ھ) نے اپنی تالیف میں اور طوسی نے "فہرست" میں لکھا ہے۔

۶) خطبۃ الطالوتیہ:

محمد یعقوب کلینیؒ نے کتاب الروضہ میں خطبۃ الوسیلہ کے بعد نقل کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے یہ خطبہ مدینہ میں انشاء فرمایا تھا۔

۷) خطبۃ الوسیلہ:

یہ ایک مشہور اور طویل خطبہ ہے، جس کو یعقوب کلینیؒ نے فروع کافی (کتاب الروضہ) میں درج کیا ہے۔

۸) خطبۃ المخزون:

شیخ حسین بن سلیمان حلی نے یہ خطبہ اپنی کتاب "البصائر" میں درج کیا ہے اور علامہ مجلسی نے "بحار الانوار" حجتہ میں اس کو پورا نقل کیا ہے اور کتاب "نہج الاسرار من کلام حیدر کرارؑ" میں مرقوم ہے۔

۹) خطبۃ المنبریہ:

ابن جوزی نے (سن ۶۵۴ھ) میں تذکرۃ خواص الائمہ کے چھٹے باب میں "المختار من کلامہ" کے زیرعنوان حضرت کے کئی خطبے درج کیے ہیں اور علامہ مجلسیؒ نے بھی "بحار الانوار"، جلد ۱۷ میں خطبہ نقل کیا ہے اور یہ خطبہ (نہج الاسرار من کلام حیدر کرارؑ) میں بھی مرقوم ہے۔

۱۰) خطبۃ البیان:

حضرت علیؑ کا یہ ایک مشہور خطبہ ہے، جس میں حضرتؑ نے توحید عیانی و شہودی کے مقام کو سمجھایا ہے۔ اس خطبے میں اسرار ہی اسرار ہیں، جن کی معنی کی معرفت سوائے علمائے ناسخ کے کوئی نہیں رکھتا۔ اس خطبے کو عبدالصمد ہمدانی نے "بحرالمعارف" میں تحریر کیا ہے اور "نہج الاسرار من کلام حیدر کرارؑ" میں بھی مرقوم ہے۔

۱۱) خطبۃ الافتخاریہ:

اس خطبہ کا انداز خطبہ بیان کا ہے۔ یہ بحرالمعارف و مشارق الانوار میں بھی مرقوم ہے اور "نہج الاسرار من کلام حیدرؑ کرار" میں بھی مرقوم ہے۔

۱۲) خطبۂ شقشقیہ:

یہ ایک بہت ہی مشہور زمانہ خطبہ ہے، جسے خطبۂ "شقشقیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ "نہج البلاغہ" میں درج ہے۔ یہ خطبہ غیظ و غضب کے عالم میں دیا گیا اور خلافت کے مسئلے پر ہے۔ "شقشقیہ" دراصل

اونٹ جب اپنی غیظ وغضب کی مستی میں ہوتا ہے تو اس کے گلپھڑوں سے ایک بڑی زبان جیسی چیز اور جھاگ نکل آتے ہیں اور یہ خطبہ اسی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس کے علاوہ بے شمار خطبات اور اقوال جو مختلف ممالک کے کتب خانوں میں جمع ہیں، ان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

ان کے علاوہ علم القرأت، علم الفرائض، علم الکلام، علم الخطابت، علم الفصاحت و بلاغت، علم الشعر، علم العروض و القوافی، علم الادب، علم الکتابت، علم تعبیر خواب، علم الفلسفہ، علم الہندسہ، علم النجوم، علم الحساب، علم الطب، علم منطق الطیر وغیرہ میں آپؑ کو انتہائی کمال حاصل تھا۔ (مناقب جلد ۲، ص ٦٧) اور علم لدنی اور علم الغیب میں بھی آپؑ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ (۱)

ابن شہر آشوب نے مناقب میں حضرت علیؑ کے خطبے "صوت ناقوس" کی تفسیر بیان فرمانے کی تفصیل لکھی ہے اور علامہ محمد باقرؒ نے دمعۃ الساکبۃ کے ص ۱۴۱ پر، ابن ابی الحدید کے حوالے سے ۳۳ بڑی سطروں پر مشتمل حضرتؑ کا ایک نہایت فصیح و بلیغ ایسا خطبہ نقل کیا ہے، جس میں "الف" نہیں ہے (ہم نے اس کا کچھ حصہ بطور نمونہ آگے مع ترجمہ نقل کیا ہے) اور دوسرا وہ خطبہ بھی، جس میں "نقطے" نہیں ہے، وہ بھی درج کیا ہے۔ یہ وہ شاہکار موتی ہیں، جو علم کے بحر زخار ہی میں مل سکتے ہیں اور علم کے بحر زخار حضرت علیؑ ہی ہیں۔ بقول رسول پاکؐ "اعلم امتی علی ابن ابی طالبؑ" میری امت کا "عالم" علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ حضرت عمر خلیفہ ثانی نے بھرے دربار میں "لولا علیؑ لھلک عمر" اگر علیؑ میری مدد کے لیے نہ ہوتے تو میں عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

مسلمانوں کے علاوہ مستشرقین نے بھی آپؑ کے خطبات و اقوال میں خصوصی دلچسپی لی اور ایشیائی زبانوں کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اسپینی اور لاطینی زبانوں میں ان کے ترجمے شائع کیے ہیں۔ حضرتؑ کے اقوال کا ایک بہت شاندار ترجمہ "جے۔ اے۔ چیپ مین نے اپنی مشہور کتاب Maxims of Ali میں کیا جو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا۔

مولا علی علیہ السلام کی علمی حیثیت اور مرکزیت

تخلیق کائنات سے لے کر اور اس کے آخر دن (قیامت) تک اگر کسی نے یہ نعرہ لگایا "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" پوچھ لو! پوچھ لو! مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو اس سے پہلے کہ میں تم میں سے اٹھ جاؤں" تو وہ ذات علی علیہ السلام ہیں۔ آگے آپؑ فرماتے ہیں میری زندگی میں جو چاہے پوچھ لو! ورنہ پھر تمہیں علمی معلومات سے کوئی بہرہ ور کرنے والا نہ ملے گا۔ مجھے زمین کے راستوں سے زیادہ آسمانوں کے

---

(۱) (نور الابصار، ص ٦٠۷، ارجح المطالب، ص ۲۱۳)

راستوں کا علم ہے۔ پھر فرمایا: کہ اگر میرے لیے مسند قضاوت بچھادی جائے تو میں توراۃ والوں کو توریت سے، زبور والوں کو زبور سے، انجیل والوں کو انجیل سے اور قرآن والوں کو قرآن سے اس طرح جواب دے سکتا ہوں کہ ان کے علماء حیران رہ جائیں۔ مجھے معلوم ہے کہ قرآن پاک کی کون سی آیت کہاں نازل ہوئی، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ خشکی میں کونسی نازل ہوئی، اور تری میں کون سی آیت نازل ہوئی، کون سی دن اور کون سی رات میں نازل ہوئی۔

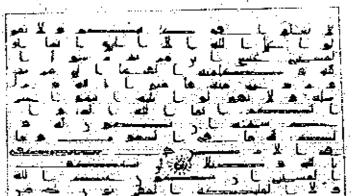
رسول اکرمؐ نے فرمایا: کہ جو شخص آدمؑ کے علم کو، نوحؑ کے فہم کو، ابراہیمؑ کے حلم کو، یحیٰیؑ کے زہد کو، اور ہیبت موسیٰؑ کو، اور تمام انبیاء کے چہرے سمیت دیکھنا چاہتا ہے تو وہ علیؑ کے چہرۂ انور کو دیکھے۔

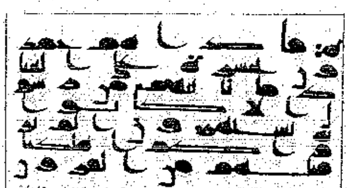
حضرت علی علیہ السلام کا نفس اللہ ہونا مسلمات سے ہے اور اللہ اس واجب الوجود ذات کو کہتے ہیں جو علم وقدرت سے عبارت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو نفس اللہ ہوگا اسے فطرتاً تمام علوم سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے لیے یہ مانی ہوئی بات ہے کہ آپؑ دنیا کے تمام علوم سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور علم ''لدنی'' سے مالا مال تھے۔ آپؑ کے علوم کا احصاء ناممکن ہے۔ آپؑ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول پاکؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب پیدا کر لیے۔ ایک مقام پر فرمایا: ''فَلْيَنْظُرْ اِلٰی وَجْهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ'' مجھے رسول اللہؐ نے اس طرح علم بھرایا، جس طرح کبوترا اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے کہ جیسا دانہ وہ لے کر آتا ہے وہ بچے کے منہ میں اسی طرح بھر دیتا ہے۔

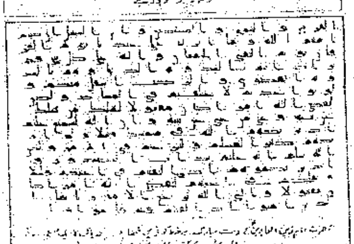
تدوین کلام مولائے کائناتؑ:

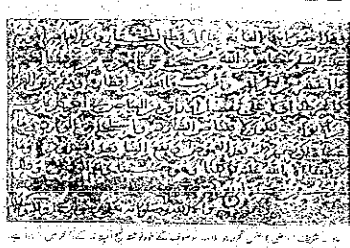
عربوں کو فصاحت و بلاغت میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے اور وہ اس پر بجا طور پر ناز کرتے ہیں۔ دراصل عرب ہی فصاحت و بلاغت کا منبع ہے۔ دور جاہلیت سے ہی ادب عرب کا ایک جاندار ادب رہا ہے، جس میں ایک ترقی یافتہ زبان اور ادب کی بہت سی خصوصیات موجود تھیں۔ اس کے باوجود ایک نمایاں خلا جو نظر آتا ہے وہ ہے نثر کی بے مائیگی۔ جاہلیت کے ادب میں نثر کے آثار کچھ خطبوں کے اقتباسات اور امثال وحکم کی حد تک ملتے ہیں۔ عربی کے بعض مشہور خطباء بھی فصاحت و بلاغت پر کافی عبور رکھتے تھے، مگر موضوع کے اعتبار سے ان کے کلام میں کوئی تنوع نہیں تھا، ان کے خطبوں کا مقصد زیادہ تر باہمی تفاخر، قبیلے کی حمایت یا جنگ کے مواقع پر لوگوں کو اکسانا اور ابھارنا ہوتا تھا۔ یہ خطبے عموماً وقتی ہوتے تھے۔ ان میں چند مثالیں، امثال وحکم، پند ونصائح کی بھی ملتی ہیں۔ لیکن مقصد وموضوع کے لحاظ سے ان میں کوئی گہرائی نہیں ہوتی تھی اور یہ وقت کے ساتھ ہی فنا ہو گئے۔ سننے والوں نے نہ ان میں کوئی وزن محسوس کیا اور نہ ان کا سلسلۂ روایت آگے بڑھ سکا، جو

آ گے چل کر عربی نثر کی تاریخ کا جز بن سکتا۔ دراصل عربی ادب میں نثر کی تاریخ ظہور اسلام کے بعد شروع ہوئی جس کا سرنامہ اخطب عرب حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ذات گرامی ہے۔ جنھوں نے پہلی مرتبہ اپنے خطبوں میں موضوع کے لحاظ سے گہرائی اور گیرائی پیدا کی اور ان کو اتنا جاندار بنایا کہ علمی دنیا جس قدر ترقی کرتی جائے ان کی عظمت میں اضافہ ہوتا رہے۔ چنانچہ آپؑ کے جس قدر خطبے ''نہج البلاغہ'' اور دیگر کتب میں ملتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اور ان کو مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا جائے تو مختلف فنون وعلوم پر ضخیم کتابیں تیار ہوسکتی ہیں، جیسا کہ بعد میں ہوا اور اقوام عالم کے تمام ادباء، فصحاء، علماء، شارحین، مستشرقین اور دیگر مفکرین نے ان تمام کو جمع کرنے کی کوشش کی اور ہمارے پاس آج کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ نسل انسانی ان سے قیامت تک استفادہ کرتی رہے گی۔ آپؑ کے کلام کی جمع وتدوین کا کام آپؑ کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا اور اس دور کے جامعین کلام میں زید ابن وہب جہنی سن ۹۰ھ، سلیم ابن قیس ہلالی سن ۹۰ھ، حارث اعور سن ۶۵ھ، ابو رافع عبید اللہ سن ۱۱۱ھ وغیرہ ہم اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کتابی شکل میں اپنے آثار چھوڑے ہیں۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد ایسے اصحاب کی بھی ہے، جو سینہ بہ سینہ کلام امیر المومنینؑ سے روایت کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری صدی ہجری تک حضرت علیؑ کا کلام مکمل طور پر مدون شکل میں منظر عام پر آ گیا۔









مولائے کائناتؑ سے علمائے یہود ونصاریٰ اور قیصر روم کے سوالات

علمائے یہود کے سوالات:

اسلام کے ظہور کے بعد قریش مکہ کے علاوہ یہود ونصاریٰ بھی اسلام کی دشمنی میں آگے آگے تھے اور ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کہاں پر اسلام کو نیچا دکھایا جائے اور اسی لیے کئی جنگیں بھی یہودیوں کے ساتھ لڑی گئیں، جن میں جنگ خیبر بہت مشہور ہے۔

کتاب مناقب میں ابوطفیل عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ مدینے کا ایک یہودی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ مولا میں آپؑ سے تین اور تین اور ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مولاؑ نے فرمایا: کہ سات سوال کیوں نہیں کہتا؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے تین سوال کے جواب دیں گے، اگر صحیح ہوئے تو پھر تین اور کروں گا اور وہ بھی صحیح ہوئے تو پھر ایک سوال اور کروں گا۔ مولا علیؑ نے پوچھا: کہ میرے جواب صحیح ہونے کی تصدیق تو کس طرح کرے گا تو اس نے اپنی آستین سے چھوٹی سی پرانی کتاب نکالی اور کہا کہ اس کتاب کو میں نے اپنے آباء واجداد سے ورثے میں پایا ہے۔ اس کتاب کو موسیٰؑ بن عمران نے لکھوایا تھا اور ہمارے جد اعلیٰ حضرت ہارون کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، جس میں وہ تمام مسائل لکھے ہوئے ہیں جو میں آپؑ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا: کہ اگر میں ان سوالات کے ٹھیک ٹھیک جواب دوں تو کیا تو مسلمان ہو جائے گا۔ اس نے جواب دیا، خدا کی قسم میں اسی وقت آپؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں گا۔ حضرتؑ نے کہا کہ اب تو سوال کر۔

۱) یہودی: وہ پہلا پتھر کون سا ہے، جو آسمان سے نازل ہوا؟

حضرت علیؑ: یہودیوں کا گمان ہے کہ وہ بیت المقدس کا پتھر ہے مگر یہ غلط ہے۔ پہلا پتھر ''حجر اسود'' ہے جو حضرت آدمؑ کے ساتھ بہشت سے زمین پر نازل کیا گیا اور ''رکن'' کے مقام پر رکھا گیا جو آج تک بیت الحرام میں ہے۔

۲) یہودی: وہ کون سا چشمہ ہے جو سب سے پہلے زمین پر جاری ہوا؟

حضرت علیؑ: تمہارے عقیدے میں پہلا چشمہ وہ ہے، جو بیت المقدس کے پتھر کے نیچے سے جاری ہوا مگر یہ غلط ہے۔ پہلا چشمہ ''چشمۂ حیات'' ہے، جس پر حضرت موسیٰؑ، حضرت خضرؑ، یوشع بن نونؑ اور ذوالقرنینؑ گئے تھے اور جس میں مچھلی گر کر زندہ ہو گئی تھی۔

۳) یہودی: آپؑ نے سچ فرمایا۔ اچھا اب یہ بتائیے کہ وہ کون سا درخت ہے جو زمین پر سب سے پہلے پیدا ہوا؟

حضرت علیؑ: تم لوگ کہتے ہو کہ پہلا درخت زیتون کا ہے، لیکن یہ غلط ہے، پہلا درخت کھجور عجوہ کا ہے جو حضرت آدمؑ اپنے ہمراہ بہشت سے لائے تھے۔

یہودی نے کہا، آپؑ نے سچ فرمایا۔ اب میں مزید تین سوال کرتا ہوں۔

۴) یہودی : خاتم الانبیاءؑ کے بعد کتنے امام ہوں گے؟

حضرت علیؑ : خاتم الانبیاءؑ کے بعد بارہ (۱۲) امام ہوں گے، جو کسی ظالم کے ظلم اور مخالف کی مخالفت سے نہیں گھبرائیں گے اور حق پر ڈٹے رہیں گے۔

۵) یہودی : خاتم الانبیاءؑ کس بہشت میں رہیں گے؟

حضرت علیؑ : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت "عدن" میں رہیں گے۔ یہ جنت کے وسط میں بہت ہی بلند جگہ ہوگی اور عرش سے بہت قریب ہوگی۔

۶) یہودی : اس بہشت "عدن" رسول پاکؑ کے ساتھ اور کون ہوں گے؟

حضرت علیؑ : رسالت مآبؑ کے ساتھ اس منزل میں وہی بارہ امام ہوں گے، جن کا پہلا امام میں خود اور آخری امام مہدیؑ ہوں گے۔ اس پر یہودی نے کہا کہ خدا کی قسم کتاب ہارونؑ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

۷) یہودی : یہ بتایئے کہ آپؑ رسول پاکؑ کے بعد کتنے عرصہ زندہ رہیں گے؟ اور آپؑ کی موت کس طرح واقع ہوگی؟

حضرت علیؑ : میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری حیات کے بعد تیس سال (۳۰) زندہ رہوں گا اور تلوار کے زخم سے شہید ہوں گا۔ میرا قاتل ناقہ صالح کے قاتل سے بدتر ہوگا۔

ان جوابات پر یہودی رونے لگا اور اسلام قبول کرتے ہوئے کہا: "**اشھد ان لاالٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ و اشھد ان وصی رسول اللہ**" (۱)

قیصر روم کے سوالات:

پہلا سوال: تفسیر فخر الدین رازی اور تذکرۃ الخواص میں لکھا ہے: کہ رسالت مآبؑ کی رحلت کے بعد قیصر روم نے خلیفہ وقت حضرت ابوبکر کو لکھا کہ سورۂ فاتحہ ہم کو پہنچا ہم اس کی معنی سے واقف ہوئے، لیکن "اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ" سے شبہ گزرتا ہے کہ اگر تمہارا دین برحق ہے اور اس کے قبول کرنے سے صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا کرنا بے معنی ہے۔ نیز "مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ" کون سا گروہ ہے۔ "ضالین" کون ہیں۔ اگر تم ان سوالات کے تفصیلی جواب روانہ کروگے تو ہم دین اسلام قبول کرلیں گے۔ جب یہ خط دربار خلافت میں پہنچا تو حضرت ابوبکر نے تمام اصحاب سے مشورہ کیا اور جب کسی سے جواب نہ بن پڑا تو سب "باب مدینۃ العلم" حضرت علیؑ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ مولا علیؑ نے جو جواب دیا وہ قیصر روم کو روانہ کردیا گیا، وہ جواب مندرجہ ذیل ہے۔

---

(۱) (کتاب الاحتجاج۔ جلد۱، ینابیع المودۃ، ب ۷۸، کوکب دری)

''اھد ناصراط المستقیم'' اس کے معنی ہیں: ''ثبتنا عنیه فی الدنیا اھدنا طریق الجنته یوم القیٰمہ'': جوراہ مستقیم تو نے عنایت فرمائی ہے ہم کو اس پر دنیا میں ثابت قدم رکھ اور قیامت کے روز ہماری رہبری کر۔ ''مغضوب علیہم'' سے مراد قوم یہود ہے اور کربلا میں، جو لوگ امام حسینؑ کے قتل میں حصہ لیں گے اور ظلم کریں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے حق میں دوسرے مقام پر ''و بغضب من الله'' اللہ فرماتا ہے یعنی وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے۔ ''ضالین'' اس سے مراد نصاریٰ اور وہ منافقین منکرین جو مسلمانوں میں تھے اور جو اہل بیت علیہم السلام کے طریق سے منحرف ہوئے۔ ان کے لیے ارشاد ہوتا ہے: ''وضلوا عن سواءَ سبیل'' یعنی وہ سیدھے راستے سے منحرف ہو گئے۔

دوسرا سوال: کیا قرآن میں کوئی سورہ ہے، جس میں دوزخ کے دروازوں کے شمار کے موافق سات آیتیں ہوں اور حروف تہجی کے سات حروف ث، ج، ز، ش، ظ، خ، ف اس میں نہ ہوں۔ ہم نے انجیل میں پڑھا ہے کہ جو کوئی اس سورے کو پڑھے گا۔ دوزخ کے ساتوں دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔

مولا علیؑ کا جواب: حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ ''سورہ فاتحہ'' ہے جس کو سبع المثانی کہتے ہیں یہ وہ ہی سورہ ہے جو تم کو پہنچا ہے، جس کے ''اھدنا صراط المستقیم'' میں تم کو شبہ واقع ہوا۔ اسی میں مذکورہ سات حروف نہیں ہیں۔ (یہ جواب موصول ہونے کے بعد قیصر روم اسلام لے آیا اور مسلمان ہو گیا)

احسن الکبار میں ایک اور واقعہ قیصر روم سے متعلق لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ قیصر روم نے بہت سا مال رسول خداؐ کے پاس بھیجا، جب وہ مال مدینہ پہنچا تو رسول پاکؐ کا وصال ہو چکا تھا۔ قیصر روم کے ایلچیوں نے سارا حال قیصر روم کو لکھ بھیجا، اس نے جواب دیا کہ جو کوئی مندرجہ ذیل تین سوالوں کے جواب دے دے۔ وہ ہی وصی پیغمبرؐ ہے۔ سارا مال اس کے حوالے کر دو اور اگر کوئی بھی شخص جواب نہ دے سکے تو مال واپس بھیج دو۔ قیصر روم کا سفیر حضرت ابوبکر کی خدمت میں پہنچا اور پوچھا کہ کیا آپ وصی رسولؐ ہیں؟ کہا کہ ہاں، پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ کہا عتیق۔ پھر پوچھا کہ آیا کوئی اور نام بھی ہے کہا کہ صدیق۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا کوئی اور نام بھی ہے؟ اس پر خلیفہ نے کہا کہ اپنی حاجت بیان کر اس نے کہا کہ میں روم سے آیا ہوں اور قیصر روم کے احکام یہ ہیں کہ میرے ان سوالوں کا جواب جو دے وہی وصی رسولؐ ہوگا اور یہ سارا سامان اس کو دے دیا جائے گا۔

۱۔ وہ کیا چیز ہے جو خدا کے لیے نہیں ہے؟

۲۔ وہ کیا چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں ہے؟

۳۔ وہ کیا چیز ہے جس کو خدا نہیں جانتا؟

حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ کیا کفر ہے جو تو کہتا ہے۔ اسی اثناء میں حضرت عمر آ گئے اور ان سوالات کو سن کر غصے میں آ گئے اور سختی سے پیش آئے۔ پھر حضرت عثمان بھی آ گئے اور وہ بھی خاموش ہو گئے۔ راہب نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ جانشین رسولؐ کیوں خاموش ہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ دربار

میں موجود تھے وہ کہنے لگے کہ راہب کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے اگر جواب نہیں آتا تو خیر ورنہ غصہ کرنا جائز نہیں۔ اس پر راہب اور اس کا دوست کہنے لگے کہ کیا تم ان سوالات کا جواب جانتے ہو؟ اس پر ابن عباسؓ کہنے لگے کہ نہیں یہ لوگ نہیں جانتے، مگر میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو سب سے زیادہ عالم ہے وہ علی ابن ابی طالبؑ ہیں میں آپ کو ان کے پاس لیے چلتا ہوں۔ پس ابن عباسؓ ان کو لے کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس پہنچے اور سارا واقعہ ان کو سنایا۔ حضرت علیؑ اپنے دونوں بیٹوں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ہمراہ مسجد میں تشریف لائے، سب نے اٹھ کر تعظیم کی۔ راہب نے آپؑ کا نام پوچھا: تو آپؑ نے جواب دیا کہ اہل یہود کے پاس میرا نام "ایلیا" ہے، نصاریٰ کے پاس بھی "ایلیا" ہے، میرے باپ کے پاس نام "علی" اور ماں کے پاس "حیدر" ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا رسول پاکؐ سے کیا رشتہ ہے تو آپؑ نے جواب دیا کہ وہ میرے بھائیؐ میرے خسر اور ابن عم ہیں۔ راہب نے کہا کہ آپؑ ہی میرے مطلوب اور آپؑ ہی غیبی شخصیت ہیں اور پھر وہ ہی تین سوال کیے۔ آپؑ نے جواب دیا کہ:

۱۔ جو چیز خدا کے واسطے نہیں ہے وہ "شرک ہے" کیونکہ خدا تعالیٰ "وحدہ لاشریک" ہے۔

۲۔ جو چیز خدا نہیں جانتا وہ تمہارا قول ہے جو کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کا بیٹا ہے۔ خدا تعالیٰ نہیں جانتا کہ اس کا کوئی بیٹا بھی ہے۔

۳۔ کو چیز خدا تعالیٰ کے پاس نہیں وہ "ظلم" ہے۔

ان جوابات کو سن کر ایلچی نے پورا مال حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا اور کہا کہ جو آپؑ نے فرمایا بالکل صحیح ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ ہی خلیفۂ رسولؐ ہیں اور آپؑ ہی اس امت کے امین، معدن دین و حکمت اور منبع چشمۂ محبت ہیں۔ حضرتؑ نے اس مال کو اہل ایمان میں تقسیم کر دیا۔(۱)

---

(۱) (احتجاج طبرسی، ص ۳۰۷)

خُطبہء مُؤنقہ

(حضرت علیؑ کا بغیر الف خطبہ باالف ترجمہ)

یہ خطبہ علم الخطابت کا ایک معجزہ ہے اور حضرت علی علیہ السلام کے امام الکلام ہونے کا ایک بین ثبوت ہے۔ اس امیر نطقا پناہ نے فی البدیہہ اس خطبہ کو انشاء کر کے کہ جس میں حرف "الف" کہ جس کے بولے بغیر کوئی گفتگو مکمل نہیں ہو پاتی اور کوئی کلام فصاحت و بلاغت کا درجہ نہیں پاتا، آسمانِ خطابت کی ایک نئی کہکشاں ایجاد کی کہ جس نے بعد میں آنے والے دور کے لیے کلامِ عرب کے صنائع بدائع کی بنیاد رکھی۔

حضرت علی علیہ السلام کا ایک خطبہ (غیر منقوطہ)

الحمد لله الملك المحمود المالك الودود مصور كل مولود ومآل كل مطرود ساطح المهاد وموطد الأطواد ومرسل الأمطار ومسهل الأوطار عالم الأسرار ومدركها ومدمر الأملاك ومهلكها ومكور الدهور ومكررها ومورد الأمور ومصدرها عم سماحه وكمل ركامه وهمل وطاوع السؤال والأمل وأوسع الرمل وأرمل أحمده حمدا ممدودا وأوحده كما وحد الأواه وهو الله لا إله للأمم سواه ولا صادع لما عدله وسواه أرسل محمدا علما للإسلام وإماما للحكام مسددا للرعاع ومعطل أحكام ود وسواع أعلم وعلم وحكم وأحكم وأصل الأصول ومهد وأكد الوعود وأوعد أوصل الله له الإكرام وأودع روحه السلام ورحم آله وأهله الكرام ما لمع رائل وملع دال وطلع هلال وسمع إهلال اعملوا رعاكم الله أصلح الأعمال واسلكوا مسالك الحلال واطرحوا الحرام ودعوه واسمعوا أمر الله وعوه وصلوا الأرحام وراعوها وعاصوا الأهواء واردعوها وصاهروا أهل الصلاح والورع وصارموا رهط اللهو والطمع ومصاهركم أطهر الأحرار مولدا وأسراهم سؤددا وأحلاهم موردا وها هو إمامكم وحل حرمكم مملكا عروسكم المكرمة وما مهر لها كما مهر رسول الله أم سلمة وهو أكرم صهر أودع الأولاد وملك ما أراد وما سها مملكه ولا وهم ولا وكس ملاحمه ولا وصم اسأل الله لكم أحمد وصاله ودوام إسعاده وألهم كلا إصلاح حاله والإعداد لمآله ومعاده وله الحمد السرمد والمدح لرسوله أحمد

(١) حَمِدْتُ مَنْ عَظُمَتْ مِنَّتُهُ — میں نے (رب کی) حمد کی کہ جس کی جود و بخشش (مجھ پر) عظیم تر ہو گئی

(٢) وَسَبَغَتْ نِعْمَتُهُ — نیز (میرے معبود کی) نعمتیں بھی مجھ پر بھرپور ہیں۔

(٣) وَسَبَقَتْ غَضَبَهُ رَحْمَتُهُ — جس کی رحمت جس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔

(٤) وَتَمَّتْ كَلِمَتُهُ — نیز کلمہ (رب بھی) تکمیل شدہ ہے۔

(٥) وَنَفَذَتْ مَشِيَّتُهُ — نیز (رب) کی مشیت مصروف عمل ہو رہی

(٦) بَلَغَتْ قَضِيَّتُهُ — (میرے رب کے) فیصلے (مجھ تک) پہنچ چکے ہیں۔

(٧) حَمِدْتُهُ حَمْدَ مُقِرٍّ بِرُبُوبِيَّتِهِ — میں نے (رب کی) حمد یوں کی کہ جیسے کوئی ربوبیت کو تسلیم کرنے کے بعد کرے۔

(٨) مُتَخَضِّعٍ لِعُبُودِيَّتِهِ — نیز بندگی کے لیے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھے ہو۔

(٩) مُتَنَصِّلٍ مِنْ خَطِيئَتِهِ — (رب مشرکی) پر ہیبت تنبیہ سے گریز کرے

(١٠) مُعْتَرِفٍ بِتَوْحِيدِهِ — (نیز یہ بھی کہ) معترف توحید ہوں۔

(١١) مُسْتَعِيذٍ مِنْ وَعِيدِهِ — (حکیم کی) سرزنش سے بچتے ہوئے گوشۂ رحمت کی طلب میں مصروف ہوں۔

(١٢) مُؤَمِّلٍ مِنْهُ مَغْفِرَةً تُنْجِيهِ — (جیسے کہ کوئی بندہ) رحمت رب پر تکیہ کیے ہوئے ہو کہ جس سے حصول جنت ممکن ہو۔

(١٣) يَوْمَ يُشْغَلُ عَنْ فَصِيلَتِهِ وَبَنِيهِ۔ — وہ رحمت کریم کی طرف سے بندے کو حشر کے دن کہ لوگ جس روز رشتہ داروں، فرزندوں سے پیٹھ موڑے ہوں گے چین و سکون دے گی۔

(١٤) وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَرْشِدُهُ وَنَسْتَهْدِيهِ — ہم (رب کریم) سے مدد لیتے ہیں۔ وہ منبع رشد و تلقین ہے وہی ہے جس سے نور کی طلب رہتی ہے۔

(١٥) وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ — (معبود) ہم تیری عظیم مرتبہ ہستی پر یقین رکھتے ہیں (جبکہ) تیری جلیل ہستی پر توکل بھی کرتے ہیں۔

(١٦) وَشَهِدْتُ لَهُ شُهُودَ مُخْلِصٍ مُوقِنٍ۔ — (جبکہ) میں مصروف تشہد ہوں کسی مخلص یقین پرور کی طرح۔

(١٧) وَفَرَّدْتُهُ تَفْرِيدَ مُؤْمِنٍ مُتَيَقِّنٍ — (نیز) کسی مومن و متقی کی طرح میں بھی (رب کی) منفرد ہستی کو منفرد ہی تسلیم کیے ہوئے ہوں۔

(١٨) وَوَحَّدْتُهُ تَوْحِيدَ عَبْدٍ مُذْعِنٍ بِآمِنِهِ — (جبکہ) توحید عزّ وجلّ پر میں مطیع بندے کی طرح سر تسلیم خم کیے ہوئے ہوں۔

(۲۴) —— وَبَطَنَ فَخَبَرَ —— چھپی ہوئی چیزوں سے متعلق خبر و مشاہدہ بھی ہے۔

(۲۵) —— وَمَلَكَ فَقَهَرَ —— ربِّ عزّ و جل کی ہر چیز (ہمیشہ سے) ملکیت میں ہے پھر قہر کی جلوہ گری بھی ہے۔

(۲۶) —— وَعُصِيَ فَغَفَرَ وَعُبِدَ فَشَكَرَ —— جب (غفور کی) معصیت کی گئی تو مغفرت کر دی، جب بندگی کی گئی تو (ربِّ شکور نے) قدر بھی کی۔

(۲۷) —— وَحَكَمَ فَعَدَلَ —— جب فیصلے کیے تو عدل سے۔

(۲۸) —— لَمْ يَزَلْ وَلَنْ يَزُولَ —— ہمیشہ کے لیے ہے نیز ہمیشہ سے ہے۔

(۲۹) —— لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ —— کوئی چیز مثلِ رب ہرگز نہیں ہو سکتی۔

(۳۰) —— وَهُوَ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ —— نیز وہ ہر شے سے پہلے ہے۔

(۳۱) —— وَبَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ —— نیز ہر شے کے بعد (بھی) ہے

(۳۲) —— رَبٌّ مُتَعَزِّزٌ بِعِزَّتِهِ —— وہ رب جو خود عزّت کے سبب معزز ہے۔

(۳۳) —— مُتَمَكِّنٌ بِقُوَّتِهِ —— جس کی تمکنت جس کی قدرت کے ذریعے ہے۔

(۳۴) —— مُتَقَدِّسٌ بِعُلُوِّهِ —— نیز وہ مرکزِ تقدّس ہے بلندی کی وجہ سے۔

(۳۵) —— مُتَكَبِّرٌ بِسُمُوِّهِ —— متکبّر بھی ہے، نسب کے سبب

(۱۶۰) —— صَلَّتْ عَلَيْهِ رُسُلٌ سَفَرَةٌ مُكَرَّمُونَ بَرَرَةٌ —— کہ جس پر گزشتہ شریعتوں کے پیغمبروں نے جو مکرم و نیک تھے درود بھیجے۔

(۱۶۱) —— عُذْتُ بِرَبٍّ عَلِيمٍ رَحِيمٍ كَرِيمٍ مِنْ شَرِّ كُلِّ عَدُوٍّ لَعِينٍ رَجِيمٍ —— میں نے ربِّ علیم و رحیم سے جو کریم بھی ہے گوشۂ سکون کی طلب کی ہر دشمن لعین و رجیم کے شر سے بچتے ہوئے

(۱۶۲) —— فَلْيَتَضَرَّعْ مُتَضَرِّعُكُمْ —— پس تم میں ہر روتے ہوئے بندے کو ضروری ہے کہ وہ ربّ سے گریہ کرے۔

(۱۶۳) —— وَلْيَبْتَهِلْ مُبْتَهِلُكُمْ —— نیز تم میں سے ہر بے چین شخص کو ضروری ہے کہ وہ ربّ سے بین کرے۔

(۱۶۴) —— وَلْيَسْتَغْفِرْ كُلُّ مَرْبُوبٍ مِنْكُمْ لِي وَلَكُمْ —— نیز تم میں سے رزق پر ہر پرورش شدہ کو میرے لیے نیز تم سب کے لیے مغفرت طلب کرنی ضروری ہے۔

(۱۶۵) —— وَحَسْبِيَ رَبِّي وَحْدَهُ —— میرے لیے ربّ کفیل ہے جو وجود و صفت کے سبب منفرد ہے۔

ماخذ : ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ، جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۰–۱۴۵۔

اردو ترجمہ : کتاب "خطبۂ مونقہ" شائع کردہ مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز، اردو بازار (لاہور)

نقاب پوش اعرابی ''مفر'' کا واقعہ
اوراس کے بیس (۲۰) سوال

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ذات اقدس کو آج تک کوئی نہ جان سکا نہ سمجھ سکا۔ رسول پاکؐ کی حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ اور میرے سوا علیؑ کی ذات کو کوئی نہ پہچان سکا۔ اس سے پہلے کہ ہم نقاب پوش اعرابی ''مفر'' کا واقعہ اور اس کے بیس سوال تحریر کریں ایک فارسی زبان کا خوبصورت قطعہ آپ کی نذر ہے۔

اوصاف علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علیؑ بو اجبی کی دانم
الا دانم کہ مثل او ممکن نیست

اس قطعے سے صاف ظاہر ہے کہ مولائے کائناتؑ کا ثانی اس کائنات میں نہیں ہے۔ آپؑ خود فرماتے ہیں:

بخدا کوئی نہیں میرے برابر سر دہر
اور کوئی ہے تو فقط اپنے برابر میں ہوں

''معارج النبوۃ'' میں مرقوم ہے کہ رسول پاکؐ کی رحلت کے دس روز بعد ایک نقاش پوش اعرابی ہاتھ میں تازیانہ لیے ہوئے مسجد میں داخل ہوا اور دریافت کیا کہ پیغمبرؐ کا وصی کون ہے؟ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ وصی رسول اللہؐ ہیں۔ اعرابی نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھا اور کہا: '' اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا فَتیٰ حَضُرَتْ عَلِیُّ '' حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: '' عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا مُفِرُّ، وَیَا صَاحِبَ الْبِیْرِ '' سلام ہو تجھ پر کراے مفر اور اے کنویں والے۔ تمام حاضرین اس جواب پر حیرت زدہ رہ گئے۔

نقاب پوش : اے جوان تو نے میرا نام کس طرح جانا اور مجھ کو کنویں والا کس طرح کہا؟

حضرت علیؑ : مجھ کو میرے بھائی رسول خداؐ نے خبر دی تھی اور اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرا تمام حال بیان کر دوں۔

نقاب پوش: آپؑ کا نام کیا ہے اور آپؑ کو رسول خداؐ نے کیا خبر دی تھی؟

حضرت علیؑ : میرا نام علی ابن ابی طالبؑ ہے تو عرب کا رہنے والا ہے تیرا نام ''مفر'' ہے اور تیرے باپ کا نام ''دارم'' ہے اور تیری عمر تین سو ساٹھ سال (۳۶۰) ہو چکی ہے۔ جب تو ایک سو سال کا تھا تو نے اپنی

قوم کوڈرایا تھا اوران کو بشارت دی تھی کہ تھامہ (زمین مکہ) سے ایک شخص ظاہر ہوگا، جس کے رخسار چاند سے زیادہ نورانی اوراس کا کلام شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ جو کوئی اس سے تمسک کرے گا فلاح دارین پائے گا۔ وہ یتیموں کا باپ اور مسکینوں کا غمگسار ہوگا اور صاحب شمشیر ہوگا۔ دراز گوش پر سواری کرے گا۔ اپنے پاپوش میں خود پیوند لگائے گا، شراب وزنا کو حرام کرے گا، قتل وسود خوری سے منع کرے گا، وہ خاتم الانبیاء اور سید الاولیاء ہوگا، اس کی امت پانچ وقت نماز پڑھے گی اور ماہ رمضان کو روزوں میں گزارے گی اور بیت اللہ کا حج کرے گی۔ تم اس پر ایمان لانا۔

جب تو نے ان لوگوں کی رہنمائی کی تو وہ تیرے مخالف ہوگئے اور تجھے ایذا اور تکلیفیں دینے لگے اور پھر ایک گہرے کنویں میں قید کر دیا۔ چنانچہ تو اب تک اسی کنویں میں قید تھا۔ جب رسول خداؐ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کو سیلاب سے ہلاک کر دیا اور تجھ کو اس قوم کے ظلم سے نجات دی۔ اس کے بعد ایک ندائے غیبی تجھ کو پہنچی کہ حضرت محمد مصطفیؐ کا وصال ہو چکا ہے تو جا کر ان کی قبر اطہر کی زیارت کر، اس لیے تو منازل طے کرتا ہوا یہاں تک پہنچا۔ مفر یہ باتیں سن کر رونے لگا اور عرض کی کہ مولا آپؑ ان تفصیلات سے کس طرح واقف ہوئے تو مولا علیؑ نے جواب دیا کہ مجھے رسولؐ خدا نے خبر دی تھی کہ میرے بعد مفر یہاں آئے گا، اس کو میرا سلام پہنچانا، جب مفر نے یہ سنا تو اٹھ کر سلام کا جواب دیا، حضرت علیؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بیٹھ گیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے مفر! اپنے چہرے سے نقاب اٹھا، چنانچہ جب اس نے نقاب اٹھایا تو تمام حاضرین یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ اس کی پیشانی سے نور ساطع ہو رہا ہے۔ اس کے بعد مفر نے عرض کیا، مولاؑ میرے چند سوال ہیں ان کے جوابات چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ سوال کر:

مفر: وہ کون سا نر ہے جو ماں اور باپ نہیں رکھتا؟

حضرت علیؑ: وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

مفر: وہ مادہ کون سی ہے جو ماں اور باپ نہیں رکھتی؟

حضرت علیؑ: وہ حضرت حوا ہیں۔

مفر: وہ نر کون ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا؟

حضرت علیؑ: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

مفر: وہ رسول کون ہے جو جن وانس سے نہ تھا اور نہ ملائکہ سے اور نہ چوپایوں سے اور نہ درندوں سے؟

حضرت علیؑ: وہ غراب یعنی "کوا" ہے جس کو حق تعالیٰ نے قابیل کی تعلیم کے لیے بھیجا کہ کس طرح حضرت ہابیلؑ کی لاش کو دفن کرے۔

مفر: وہ کونسی "قبر" ہے جس نے اپنے صاحب کو سیر کرائی؟

حضرت علیؑ : وہ قبر جس نے اپنے صاحب کو سیر کرائی، ایک مچھلی تھی، جو حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں رکھ کر تیس روز تک سمندر میں گھومتی رہی۔

مفر : وہ حیوان کون تھا جس نے اپنے احباب کو ڈرایا ؟

حضرت علیؑ : وہ چیونٹی تھی، جو اپنی قوم کے ساتھ رزق کی تلاش کے لیے نکلی تھی اور ان چیونٹیوں سے جو اس ستون پر چڑھ رہی تھیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر تھا ان سے کہا کہ خبردار حضرت سلیمانؑ پر مٹی نہ گرے۔

مفر : وہ جسم کونسا ہے جس نے کھایا مگر پیا نہیں؟

حضرت علیؑ : وہ حضرت موسیٰؑ کا عصا تھا، جو فرعون کے جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا تھا۔

مفر: وہ زمین کون سی ہے، جس پر ابتدائے آفرینش سے صرف ایک مرتبہ سورج چمکا اب قیامت تک نہ چمکے گا؟

حضرت علیؑ : وہ دریائے نیل کی تہہ ہے، جہاں سے جب نیل دو حصوں میں بحکم خدا شگافتہ ہوا اور حضرت موسیٰؑ کی قوم وہاں سے گزرتی رہی اور اس وقت سورج اس زمین پر چمکتا رہا۔ قوم کے گزرنے کے بعد دریا پھر مل گیا اور قیامت تک بہتا رہے گا اور اب سورج وہاں کبھی نہ چمکے گا۔

مفر : وہ جماد (پتھر) کون سا ہے، جس نے زندہ چیز جنی؟

حضرت علیؑ : وہ ایک پہاڑ تھا، جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پیدا کیا۔

مفر : وہ عورت کون سی ہے، جس نے تین ساعت میں بچہ پیدا کیا؟

حضرت علیؑ : وہ حضرت بی بی مریم سلام اللہ علیہا ہیں، جن سے حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔

مفر : وہ دو کون ہیں جو ہر وقت متحرک ہیں؟

حضرت علیؑ : وہ آفتاب و ماہتاب ہیں۔

مفر : وہ ساکن کون سا ہے، جو کبھی متحرک نہیں ہوتا؟

حضرت علیؑ : وہ آسمان ہے۔

مفر : وہ دو دوست کون سے ہیں، جو کبھی دشمن نہ ہوں گے؟

حضرت علیؑ : وہ دوست جسم و جان ہیں۔

مفر : وہ دو دشمن کون ہیں جو کبھی دوست نہ ہوں گے؟

حضرت علیؑ : وہ دو دشمن موت و حیات ہیں۔

مفر : شئے کیا ہے؟

حضرت علیؑ : شئے مومن ہے۔

مفر: لاشئے کیا ہے؟

حضرت علیؑ: لاشئے کافر ہے۔

مفر: سب سے زیادہ خوبصورت کیا ہے؟

حضرت علیؑ: بنی آدم کی شکل وصورت

مفر: سب سے بدصورت چیز کیا ہے؟

حضرت علیؑ: سب سے بدصورت چیز بے سر بدن ہے۔

مفر: رحم میں سب سے پہلے کون سی چیز بستہ ہوتی ہے؟

حضرت علیؑ: سب سے پہلی چیز جو رحم مادر میں بستہ ہوتی ہے وہ انگشت شہادت ہے۔

مفر: وہ کون سی چیز ہے جو قبر میں سب سے آخر میں گرتی ہے۔

حضرت علیؑ: وہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔

ان جوابات کو سنکر مفر نے باب مدینۃ العلم کے فرق ہمایوں کو بوسہ دیا اور عرض کی مجھے رسولؐ پاک کی قبر اطہر پر لے چلیے۔ چنانچہ حضرت علیؑ ان کو لے کر رسول پاکؐ کی قبر اطہر کے پاس لے آئے وہ عقیدت سے قبر اطہر سے لپٹ گیا اور گریہ کرنے لگا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اس کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دو کہ اس کا آخری وقت آچکا ہے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ مولا علی علیہ السلام نے اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا۔ (۱)

حضرت علی علیہ السلام کے قول کے مطابق آسمانوں کے رنگ اور نام

ایک شامی نے آپؑ سے سوال کیا کہ مولا آسمانوں کے نام اور رنگ بتایئے؟ آپؑ نے مندرجہ ذیل جواب دیا۔

۱) اس دنیا کے آسمان اول کا نام "رفیع" ہے یہ پانی اور دھوئیں سے ہے۔

۲) آسمان دوم کا نام "فیدوم" ہے اس کا رنگ تانبے کا ہے۔

۳) آسمان سوم کا نام "الماروم" ہے اس کا رنگ اس کے مانند ہے۔

۴) آسمان چہارم کا نام "اوقلون" ہے اور اس کا رنگ چاندی کا ہے۔

۵) آسمان پنجم کا نام "ہیفھوف" ہے اس کا رنگ سونے کا ہے۔

۶) آسمان ششم کا نام "عروس" ہے اس کا رنگ سبز یاقوتی ہے۔

۷) آسمان ہفتم کا نام "عجما" ہے اور یہ منور آفتاب کے رنگ پر ہے۔ (کتاب الخصال)

---

(۱) (کوکب دری)

علمائے یہود کے سوالات

اس سے پہلے ہم نے اہل یہود کے چند یہودیوں کے سوالات تحریر کیے۔ اب ہم علمائے یہود کے چند سوالات تحریر کرتے ہیں۔ جن کے جواب سوائے خطیب منبر سلونی کے کوئی نہ دے سکا اور نہ قیامت تک دے سکے گا۔ یہ صرف علمائے یہود کے سوالات ہی نہ تھے، بلکہ جب خلفائے اسلام کسی معاملہ میں پھنس جاتے تھے اور ان سے جواب بن نہیں پڑتا تھا تو پھر وہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس طرح مولائے کائناتؑ نے مختلف اوقات خلفائے اسلام کی مدد کی اور اسلام کو دوسرے ادیان پر سربلند رکھا۔ ذیل میں اسی طرح کی ایک اور مثال ہے۔

احسن الکبار میں مذکور ہے کہ خلافت حضرت عمر کے زمانے میں چند علمائے یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، اے مسلمانوں کے خلیفہ ہم آپ سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ صحیح جواب دے دیں تو ہم دین محمدیؐ اختیار کرلیں گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا:

۱) ہم کو آسمانوں کے قفلوں (تالوں) اور کنجیوں کے بارے میں آگاہ کریں؟

۲) وہ رسول کون تھا جو جن وانس میں سے نہ تھا اور اس نے اپنی قوم کو ڈرایا؟

۳) وہ پانچ تن کون سے ہیں، جو رحم مادر سے پیدا نہیں ہوئے؟

۴) ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، گیارہ، بارہ کیا ہیں؟

کچھ دیر حضرت عمر سوچتے رہے، پھر کہنے لگے کہ میں ان سوالات کے جواب نہیں دے سکتا مگر ہاں میں آپ کو اسلام کے سب سے بڑے عالم کے پاس لے چلتا ہوں جو ان سوالوں کے جوابات دے گا اور جو اس امت میں سب سے افضل ہے۔ وہ ان کو لے کر حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بتایا۔ حضرت علیؑ نے مندرجہ ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔

۱) آسمانوں کا قفل شرک ہے۔ آسمانوں کی کنجیاں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے حروف ہیں۔

۲) وہ رسول جو جن وانس سے نہ تھا مگر اس نے اپنی قوم کو ڈرایا وہ ایک چیونٹی تھی جس نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو آتے دیکھ کر کہا کہ جلدی سے اپنے بلوں میں چلی جاؤ ورنہ حضرت سلیمانؑ کے لشکر کے قدموں تلے روندی جاؤ گی۔ "قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا اَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَ جُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ"

۳) وہ پانچ تن جو رحم مادر سے پیدا نہ ہوئے وہ (۱) آدمؑ (۲) حوا (۳) عصائے موسیٰؑ جو اژدہا بن جاتا تھا (۴) ناقۂ صالح علیہ السلام جو پتھر سے پیدا ہوئی (۵) وہ دنبہ جو حضرت اسماعیلؑ کی قربانی

کرتے وقت جنت سے لایا گیا۔

اب آگے سن :ایک سے بارہ تک کیا ہیں؟

۱) خداوند تعالیٰ

۲) اماں حوا اور بابا آدمؑ

۳) جمادات' نباتات' حیوانات

۴) چار آسمانی کتب' قرآن' انجیل' توریت' زبور

۵) پنج وقتی نماز

۶) شش جہت اور بموجب آیت:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ" چھ دنوں میں حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔

۷) سات بموجب آیت "وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعاً شِدَاداً" سات آسمان ہیں جو کو خدا تعالیٰ نے تمہارے سر پر پیدا کیے۔

۸) آٹھ وہ آٹھ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور خداوند فرماتا ہے:

"وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ"

۹) نو وہ آیات ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بھیجی گئیں۔

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ، فَسْئَلْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِذْجَاءَ هُمْ ،فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يَامُوْسَىٰ مَسْحُوْراً"

۱۰) دس وہ دس روز جو حضرت موسیٰؑ کو تیس (۳۰) روز کے لیے کوہ طور پر بلایا گیا اور ان کا عرصہ بڑھا کر چالیس (۴۰) (روز کر دیا گیا۔

"وَوَاعَدْنَا مُوْسَىٰ ثَلَاثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ"

۱۱) حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی اور گیارہ ستارے جو حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھے۔

"اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً"

۱۲) بارہ وہ بارہ چشمے ہیں جن کے لیے خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا:

"اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً"

ہم نے موسیٰؑ سے کہا کہ عصا کو پتھر پر مارو، پس اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ان جوابات کو سن کر تمام علمائے یہود فوراً مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپؑ ہی وصی رسول اللہ ہیں، اور ان کے جانشین ہیں اسی طرح جیسے حضرت موسیٰؑ کے جانشین حضرت ہارونؑ تھے۔

عالم علم لدنّی اور تعمیر اہرام مصر

تاریخ عالم کو ضبط تحریر میں آئے ہوئے تقریباً (۵) سے (۷) ہزار سال گزرے ہیں، لیکن وہ تحریریں کس قسم کی تھیں، اس کا تاریخ میں ذکر نہیں ہے اور حالات ماضی کے تمام واقعات کس طرح رونما ہوئے، ان کا کوئی جامع ثبوت کتاب کی شکل میں نہیں ملتا۔ مختلف مفروضے اور کہاوتیں ہیں اور کچھ کہانیاں ہیں، جو نسل آدم کے سینہ بہ سینہ چلتی آئیں، لیکن کسی کو لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی اور ہوتی بھی کیسے، اس وقت لکھنے کا ڈھنگ یا طریقہ ہی ایجاد نہ ہوا تھا۔

سب سے پہلے ''تاریخ عالم'' اور ماضی کے حالات کی تدوین کا کام یونانی مورخ ''ہیروڈوٹس'' نے کیا جو ۴۰۶ سال قبل مسیحؑ کے زمانے میں گزرا ہے۔ اس نے بہت سے حالات نظم کیے اور اسی لیے اس کو ''شیخ الشعراء'' بھی کہا جاتا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ اور دیگر اہل علم نے ہر علم وفن کی تاریخ اور تدریجی ترقی میں بہت کچھ سراغ رسانی اور مکاتیب اور دیگر مقامات سے کچھ کتبے ڈھونڈ نکالے اور ان سے پتا لگایا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا کے ابتدائی دور میں جس طرح انسان ترقی کرتا چلا گیا اور خاص طور پر ''تمدن'' میں ترقی کی اور اظہار خیال اور ان کے تحفظ ونشر کی ضرورت پیدا ہوتی گئی تو کتبے کی صورت میں جو خطوط سب سے پہلے انسانی ذہن میں آئے وہ خط تصاویر تھے، جن کو آج ماہرین فن ''ہیروفلفی یا ہیروگلفی'' کہتے ہیں۔ اور یہی ''خط ہیروفلفی'' دنیا کے تمام خطوط کا سرچشمہ ہے۔ اس کے جاننے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نہیں ملتے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے زمانے میں تقریباً (۲۳۰۰) دوہزار تین سو سال کا فرق ہے۔

خط تصویر کے موجد ''ہیروفلفی'' کے متعلق جو تحقیقات اور سراغ رسانی شروع کی گئی وہ مولائے کائنات حضرت علیؑ کے نوسو برس (۹۰۰) بعد کی گئی اور آثار قدیمہ کے مقامات اور خصوصی طور پر ''مصر'' کے قدیم آثار جن میں ''اہرام مصر'' کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور دنیا کے سات عجوبوں میں شامل ہیں، ان کے متعلق جس مشہور زمانہ ماہر نے نہایت جانفشانی اور مسلسل ۲۳ سال تک جنگلوں اور پہاڑوں ویرانوں کی خاک چھانی اور دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا وہ ''فرانسیسی ڈاکٹر شامپلون'' تھا، وہ اپنی جدوجہد کے دوران بے شمار کتبے اور تصاویر اور خاص طور پر ایسے کتبوں سے جو ''ہیروفلفی'' اور بعض اور خطوط میں لکھے تھے، مقابلہ کر کے دو جلدوں میں ایک مبسوط کتاب فرانسیسی زبان میں ''ہیروفلفی'' پر تحریر کر کے یادگار کے طور پر چھوڑ گیا۔ اس کی ان تصانیف سے خط ہیروفلفی کے سمجھنے میں اور اس کے بنائے ہوئے کتبوں کے ماننے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں کوئی اس خط تصویر کے جاننے والا نہ تھا تو پھر حضرت علیؑ کے زمانے کا کیا ذکر، اس وقت نہ تو خط تھا، نہ کوئی تحریر، نہ کوئی اس کا چرچہ تھا اور نہ کوئی نشان، یہ انکشاف اور (ڈاکٹر شامپلون کی تصنیف) حضرت علی علیہ السلام کے بھی ۹ سو برس بعد ہوا۔ کیوں کہ حضرت علیؑ

کے زمانے میں کیا ''ہیروفلفی'' کا جاننے والا بھی کوئی تھا اور کوئی تاریخ بھی تدوین ہوئی تھی یا نہیں، اس کا کوئی احوال نہیں ملتا۔

اب اگر خوش قسمتی زمانہ سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے زمانے میں اگر کسی ایسے کتبہ کو پڑھ دیا ہو جو ''خط ہیروفلفی'' میں تھا اور اس کے متعلق تمام حالات بتادیے ہوں اور اس کی تصدیق آپؑ کے ۹سو برس بعد ہوئی تو عقل انسانی اس بات کو ماننے پر بضد ہے، کہ حضرت علیؑ کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی قوت یا ''علم'' ملا جس علم کو آپؑ نے کبھی کسی دنیاوی دارالعلوم میں پڑھا نہ ہو اور اس کے حالات اس طرح بتادیں جس طرح اس کے عالم جانتے ہیں اور پھر اس علم کی تصدیق ایک طویل مدت کے بعد غیر مذہب اور غیر سرزمین کے عالم کی تحقیق اور انکشافات جدیدہ سے ہو تو اس کو ہر حال میں ''عالم علم لدنی'' یا عالم علم غیب کا جاننے والا ہی کہا جائے گا اور اس طرح مولائے کائناتؑ کو ''عالم علم لدنی'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو پروردگار عالم اپنے منتخب انبیاءؑ، رسولوں اور ائمہ علیہم السلام کو دیتا ہے۔

جب کسی کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کو ''عالم علم لدنی'' کہا جاتا ہے تو غیر اقوام کا کیا کہنا، خود اپنے ہم عقیدہ اس کا ثبوت مانگتے ہیں، مگر ہم عقیدتاً نہ صرف اس کو مانتے ہیں، بلکہ عملی اور علمی ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔

''صاحب غیاث اللغات'' جو حنفی المذہب تھے، اہرام مصر کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے کسی نے سوال کیا کہ اہرام مصر کی بنا کب رکھی ہوگی، آپؑ نے فرمایا کیا اس پر کوئی کتبہ یا تصویر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! ایک گدھ کی تصویر ہے جو اپنے پنجوں میں کیکڑا دبائے ہوئے ہے۔ یہ سن کر خطیب منبر سلونی اور عالم علم لدنی نے فرمایا کہ معاملہ صاف ہے۔'' **بنی الھر مان و کان النسر فی السرطان**'' اہرام مصر کی بنا اس وقت ہوئی جب ''ستارہ نسر'' برج سرطان میں تھا۔ ''نسر'' دو ہزار برس میں ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے اور آج کل برج ''جدی'' میں ہے اور اس طرح ان عمارتوں کی بنیاد بارہ ہزار سال پہلے رکھی گئی اور اس طرح ''اہرام مصر'' کی تعمیر کی بنیاد کا مسئلہ حل اور زمانہ معلوم ہوگیا۔ یہ تصویر ''خط ہیروفلفی'' میں اس وقت کے ماہرین نے بنائی تھی، لیکن شاید ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہزارہا سال کے بعد ایک ایسا عالم آئے گا جو اس کو پڑھ بھی لے گا اور سمجھا بھی دے گا، جب کہ اس وقت نہ کوئی پڑھنے والا تھا اور نہ کوئی سمجھانے والا۔ اور اس ''عالم''، یعنی مولا علیؑ کے بھی نوسو سال بعد ڈاکٹر ''شامپلون'' ان کے اس قول کی تصدیق کردے گا اور حنفی المذہب کا ''صاحب غیاث اللغات'' موجودہ دنیا کے سامنے ظاہر کردے گا۔

یہ بھی پروردگار عالم کا معجزہ ہی ہے کہ اس بات کی تصدیق بھی ایک غیر قوم کے ماہر آثار قدیمہ نے کی ورنہ اگر کوئی مسلمان محقق ایسی کتاب لکھتا تو یہ شبہ کیا جاسکتا تھا کہ ہیروفلفی کے متعلق قول علی علیہ السلام کے لیے بات بنالی گئی، لیکن اتنی جلد اور برمحل صحیح جواب دینے والا جو علمی اور انکشافی حیثیت سے ان کے صدیوں

بعد غور کرنے سے درست اور ٹھیک اترے، جواب وہ ہی دے سکتا ہے جو "عالم علم لدنی" ہے اور جس نے درس گاہ نبویؐ میں تعلیم پائی ہو۔ بقول مولا علی ابن ابی طالبؑ:

چہرہ غیب ہوں میں غیب کا پردہ ہوں میں
دوش امروز ہوں میں عرصہ فردا ہوں میں
ہوں وہ عالم کا تغیر کہ ہوں عالم پہ محیط
ذرہ کوہ ہوں میں قطرہ دریا ہوں میں
جب کہا میں نے کہ مجھ سا ہے کوئی مجھ میں مکیں
میری آواز پلٹ آئی نہیں کوئی نہیں

(احمد نوید صاحب)

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی جاگیریں اور املاک

مولا علی علیہ السلام کی طرز زندگی نہایت سادہ تھی، وہ نمود و نمائش کے قائل نہ تھے۔ اپنے ہی ہاتھوں سے محنت کرتے تھے۔ آپؑ کی ذات اقدس معجزات سے مزین ہے۔ اگر آپؑ چاہتے تو قوم اسرائیل کی طرح جنت سے میووں اور طعام کے خوان کے خوان حاضر ہو جاتے، مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ ان کے آگے انسان کی فلاح و بہبود کا عظیم مقصد تھا۔ لوگ اسی طرز زندگی کو دیکھ کر اور روکھا سوکھا کھاتے دیکھ کر سمجھنے لگے، کہ حضرت علیؑ غریب ہیں، نادار ہیں، بے مایہ ہیں، مزدور ہیں، وہ جو کی سوکھی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھاتے ہیں۔ کبھی ایک ساتھ دو چیزیں نہیں کھائیں، لیکن انہی چیزوں کو دیکھ کر شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

جسے نانِ جویں بخشا ہے تو نے
اسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر

آپؑ نے کبھی اعلیٰ درجے کا لباس نہیں پہنا، خود ہی اپنے کرتے میں پیوند لگاتے، اپنی جوتی کو گانٹھتے لیکن یہ تو وہ خود چاہتے تھے، مگر جہاں تک ان کے پاس املاک و جاگیروں کا تعلق تھا وہ ایسا نظر نہیں آتا تھا۔

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کتنے بڑے جاگیردار اور املاک کے مالک تھے۔ آپؑ اس خانوادہ کے عظیم فرزند تھے، جن کے پاس مکے کے قرب و جوار کی سرداری تھی اور قوم عرب ان کے دبدبہ اور ہیبت سے دوچار رہتی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام کو بہت کچھ تو اپنے والد حضرت ابو طالب علیہ

السلام سے ورثہ میں ملا تھا اور اس سے زیادہ انہوں نے اپنے زور بازو سے کمایا۔ جو کچھ ان کو جنگوں میں بہادری، شجاعت کے طور پر جنگی وظائف کے طور پر ملتا تھا وہ تو ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے نئے راستے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ تجارت ان کا آبائی پیشہ تھا اور رسول اکرمؐ بھی اسی سے منسلک رہے۔ مویشی پروری اور کھالوں کی تجارت کرتے تھے اور کھالوں سے کاغذ بنا کر اس کو علم کے فروغ کے لیے دنیا میں جگہ جگہ بھیجنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر زراعت، باغبانی، کنویں کھودنا، چشمے جاری کرنا، نخلستان لگانا تمام مشغلوں پر حاوی تھا۔ آپؑ نے باغات لگائے، نخلستان لگائے اور لوگوں نے پھل کھانا شروع کر دیے۔ آپؑ نے کھیت لگائے، لوگوں نے فصلیں کاٹ کاٹ کر سال بھر کا خرچ گھروں میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ آپؑ نے کنویں کھودے، لوگوں نے ان کو اپنی کشتی حیات کے لیے سمندر کا کنارا سمجھ لیا۔ آپؑ نے پہاڑ کاٹ کر میدان بنائے اور وہاں خلق خدا کے گھر بن گئے۔

اور اس طرح مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی محنتوں سے دیکھتے ہی دیکھتے بڑے بڑے پہاڑ، ریگستان، لہلہاتے کھیت، مہکتے ہوئے باغ، سوتی زندگی کو جگا دینے والی قدرتی موسیقی کی لے بجانے والی نہروں، بلبلوں کے نغموں، چڑیوں کے چہچہوں اور پھولوں کی رنگینیوں اور باد صبا کی لطافت کے سائے سے محروم انسانوں کی زندگی کے لیے شادابی کا پیغام بن کر ابھرا اور آبادیوں میں تبدیل ہو گیا۔ یہ سب آپؑ نے اپنے یا اپنے خاندان کے لیے نہیں، بلکہ خلق خدا اور غریب و نادار مسلمانوں کے لیے کیا اور خود روکھی سوکھی کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر کیا۔

ہم مختصراً چند جاگیروں کا ذکر کریں گے جو مولا علیؑ نے اپنے دست مبارک سے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے قائم کیں۔ صرف چند کھجوروں کے باغات سے تقریباً (۳۲،۴۰۰) کلوگرام کھجوریں اترتی تھیں اور تقریباً ان تمام املاک اور جاگیروں کی آمدنی اس وقت چالیس ہزار دینار کے قریب تھی، جو صرف اور صرف خلق خدا کے لیے وقف تھی۔ آپؑ نے اس میں سے کبھی بھی اپنے یا اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ بھی نہ لیا اور آگے بڑھتے رہے نہ کسی لگائے ہوئے باغ میں رکے نہ نخلستان میں ٹھہرے نہ کسی کھیت میں بہتے ہوئے ٹھنڈے چشمے سے سیراب ہوئے نہ نغموں اور چہچہوں سے لطف اندوز ہوئے اور نہ اپنے بسائے ہوئے شہروں میں بسے۔ اور اسی لیے لوگوں نے خیال کر لیا کہ علی علیہ السلام نادار ہیں، مفلس ہیں، قلاش ہیں، غریب و تنگ دست ہیں۔ ان کو کیا معلوم کہ علی علیہ السلام جیسے محنتی، ان تھک، ذہین، مفکر، عبقر اور جولانی طبع کے حامل انسان کا بڑا مقصد عوام کی معاشی زندگی سے کرب و اضطراب کو دور کرنا، مستقل بنیادوں پر معذور افراد کی معاشی بہتری کے وسائل فراہم کرنا، بے گھروں کو گھر، بے سہاروں کو سہارا دینا، بے نواؤں کی رسیدگی اور فریادیوں کی فریاد رسی تھا۔ ذیل میں ہم چند مشہور و معروف جاگیروں، کنوؤں اور چشموں کے نام دے رہے ہیں جو آپؑ نے اپنے دست مبارک سے بنائے۔

۱) ینبع : اس کے مضافات کی سب زمینیں آپؑ کی ملکیت ہیں۔

۲) وادی القریٰ: میں تمام زمینیں آپؑ کی ہیں اور آپؑ کی وصیت کے مطابق جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے بچوں کے لیے ہیں۔

۳) وادی ترعہ : اس کی تمام تر املاک اور ''زریق'' اس کا حکم وہی ہے جو ''رباح'' کے لیے فلاحی اثاثہ ہیں۔

۴) الاذینہ : اس کی تمام املاک اور اس پر مقرر غلام سب صدقہ ہیں۔

۵) فقیرین : یہاں کے سب اثاثے اور املاک پر موجود غلام صدقہ ہیں اور اثاثے اللہ کی راہ میں خرچ ہونا ضروری ہیں۔ ان تمام جاگیروں اور املاک کے متعلق آپؑ نے وصیت فرمادی تھی۔

۶) الاحمر : شام مدینہ کے درمیان بنی القین میں ''حرۃ الرجلاء'' یا ''جرۃ الجلی'' کے مقام پر شعب زید کی طرف ایک وسیع وادی جو الاحمر کے نام سے مشہور ہے اس وادی کا آدھا حصہ آپؑ نے وقف فرمایا تھا اور آدھا حصہ ورثہ کا حق تھا۔

۷) الاذینہ : مدینے کے قریب ''اضم'' کے صحرا میں واقع ہے۔ یہ علاقہ بہت شاداب ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہاں سیلاب کا پانی کثرت سے آتا ہے۔

۸) الاسحن : فدک کے قریب ایک وادی کا نام ''الاسحن'' ہے، یہ آج بھی صدقہ کے متولیوں کے پاس ہے۔

۹) برالملک: مدینے کے قریب ''قناۃ'' کی منزل پر کنواں اور اس سے متعلقہ زمینیں۔

۱۰) البغیغہ : مدینے کے اطراف میں ''رشا'' کے نزدیک ایک چشمہ۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس چشمہ کو جاری کرنے کے لیے بڑی محنت فرمائی تھی اور جب یہ جاری ہوا تو اس کا پانی نہایت ٹھنڈا اور بہت شیریں تھا۔ اس چشمے کے جاری ہونے پر لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو یوں مبارک باد دی ''آپؑ کے وارث خوش رہیں''

اس کے علاوہ تین چشمے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) خیف الاراک ۲) خیف لیلی ۳) خیف بسطاس

ان کے علاوہ چند کنویں۔

۱) ذوات العشرا ۲) قعین ۳) معید ۴) رعوان ۵) رعیہ

ان تمام املاک اور جاگیریں، کنویں اور چشمے وباغات رکھنے کے باوجود مولا علی علیہ السلام نے ایک دن چالیس ہزار دینار کا غلہ صدقہ دیا اور اپنے گھریلو اخراجات کے لیے تلوار یہ کہہ کر بیچ دی کہ: ''اگر میرے پاس رات کے کھانے کے لیے کچھ ہوتا تو میں تلوار ہرگز نہ بیچتا۔''

یہ تمام صاحبان عقل اور فرد کیلیے نصیحت اور سبق ہے۔ علامہ اقبال حکیم الامت نے کیا خوب کہا ہے:

آں مسلماناں کہ میری کردہ رند
در شہنشاہی فقیری کردہ رند

فصل ہفتم

میزان انتخاب اور اعلانِ غدیر

مُصطفٰی ؐ و مجتبٰیؑ...... عالمین کی ہستیاں

تمام اقوام عالم میں صرف ''عرب'' ہی ایک ایسی قوم ہے، جس کو اپنی فصاحت و بلاغت اور طلاقت وخطابت پر ناز ہے اور کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتی اسی لیے وہ اپنے آپ کو عرب یعنی فصاحت سے کلام کرنے والے اور دوسری قوموں کو ''عجم'' یعنی گونگا کہتے ہیں۔ تمام عرب میں شیریں زبان اور طلاقت لسانی میں قریش افصح العرب تھے اور اسی لیے تمام قبائل نے انہی سے عربی زبان حاصل کی۔(۱) قریش کے سرتاج فصحا' ادباء' خطباء' بلغاء' حضرت قصیٰ' حضرت ہاشمؑ' حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت ابوطالبؑ تھے۔ کیونکہ بنی ہاشم اپنی مثال آپ تھے۔ جناب عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب کے خطبات و اشعار جو فصاحت و بلاغت کی روح تھے، آج تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔

بنی ہاشمؑ میں حضرت عبدالمطلب کی اولاد سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی اور نہیں گزرا۔ اسی آسمان فصاحت بلاغت و خطابت کے آفتاب افصح الخلق علی الاطلاق حضرت رسالت مآبؐ اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام تھے۔

رسول پاک حضرت محمدؐ کے متعلق علمائے ادب لکھتے ہیں کہ فصاحت قول اور بلاغت لسان کے اعتبار سے افضل ترین مقام پر فائز تھے۔ آپ کی سلاست طبع اور بے نظیر و مافوق الطاقت اقتدار' فصیح ترین و مختصر جملے اور بلیغ ترین اور مختصر کلمات آپؐ کی خصوصیات تھیں آپ جوامع الکلم' بدائع الحکم کے ساتھ مخصوص تھے، آپؐ دنیا کی تمام زبانوں سے واقف تھے، ہر قوم و قبیلہ کے آدمی سے اسی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے اور اس طرح کلام فرماتے تھے کہ آپ سب سے زیادہ بلیغ تھے۔(۲)

''تاریخ الادب'' کے ص ۱۰۱, ۱۸۶، پر عہد حاضر کے مشہور مورخ الاستاد احمد حسین الزیات لکھتے ہیں کہ رسالت مآب حضرت محمدؐ کے بعد سلف و خلف میں گفتگو و کلام اور تقریر و خطابت میں حضرت مولائے کائنات علی علیہ السلام سے زیادہ فصیح تر ہم نے کسی کو نہ پایا۔ آپ ایسے حکیم و فلسفی تھے کہ آپ کے بیان سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے تھے اور آپ کی زبان سے خطابت کے دریا ابلتے تھے، آپ ایسے واعظ تھے کہ سامعین کے قلب و دماغ کو اپنے وعظ سے مسحور کر دیتے تھے۔ آپ کے مکاتب اور رسائل دلائل کی بے پناہ گہرائیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ حضرت کے وہ خطبے جن میں آپ نے لوگوں کو جہاد کے لیے آمادہ کیا اور وہ رسائل جو معاویہ کے نام تحریر فرمائے اور وہ خطبے جن میں ''طاؤس' چمگادڑ اور دنیا کے اوصاف بیان فرمائے اور وہ فرامین

---

(۱) (کتاب الزھر فی علوم الالغۃ، جز اول، طبع مصر ۱۲۸۲ء)

(۲) (المجمل فی تاریخ العرب العربی، ص ۴۷، مصر)

جو مالک اشتر ؒ کے نام منسوب ہے، سب بدائع عقل بشری اور معجزات زبان عربی میں شمار کیے جاتے ہیں۔
آپ کے چند خطبوں کے متعلق علماء عظام لکھتے ہیں کہ یہ سب اسرار ہی اسرار پر مشتمل ہیں، جن کے معنی کی معرفت سوائے علمائے راسخ کے کوئی نہیں رکھتا اور اسی لیے آنحضرت رسول پاکؐ نے آپ کے بارے میں کہا "علی عیبته علمی" یعنی علیؑ میرے علوم کا ظرف ہیں۔ عیبہ اس ظرف کو کہتے ہیں، جس میں انسان نفیس اور عمدہ چیزیں رکھتا ہے اور آگے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ علیؑ میرے کلام و اسرار کے سمجھنے والے میرے راز دار اور میرے نفائس و علوم کے معدن ہیں۔

ابن درید لکھتے ہیں کہ آنحضرت کا یہ ایسا بلیغ کلام ہے کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اس مطلب کو اس طرح ادا نہ کیا تھا۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کی ایسی بلند مدح ہے، جس کی وجہ سے دشمنوں کے قلوب بھی آپ کی عظمت کے معترف ہو گئے۔(۱)

ہمارے مندرجہ بالا تجزیے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر چیز اعلیٰ معیار اور اپنی اعلیٰ تخلیق کی وجہ سے ہی تمام مخلوق کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ آگے ہم ان عظیم انسانوں اور خاندان کا احوال بیان کریں گے کہ جنہوں نے ہمیشہ خداوند تعالیٰ کی وحدانیت، خدمت خلق اور انسانوں کی بھلائی کے لیے وہ بہترین کام انجام دیے، جن کی وجہ سے وہ تمام عالم میں حاکمیت اور رہبری کے لیے منتخب کیے گئے، جن کی علمی قابلیت، تقویٰ، پرہیز گاری ہی کی وجہ سے ان کو منتخب کیا گیا اور آخر کار "غدیر" کے مقام پر مسلمانوں کا پہلا عظیم الشان اجتماع وجود میں آیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ تمام بندوبست کیا گیا، ورنہ اگر خطبہ ہی دینا ہوتا تو وہ تو خانہ کعبہ کے اندر حج کے دوران بھی دیا جا سکتا تھا اور شدید گرمی میں مسلمانوں کو زحمت سے بچایا جا سکتا تھا، لیکن پروردگار عالم کو شاید "غدیر" کے قطعہ ارض کو عظمت بخشنی تھی جو اسے ملی اور وہاں وہ عظیم الشان اعلان کیا گیا، جس کی اللہ تعالیٰ نے رسول پاکؐ کو ہدایت کی۔ ہم آگے چل کر اس پر تفصیلاً گفتگو کریں گے۔ ابھی تو ہم خاندان رسالت اور امامت کے ان عظیم رہبروں کا ذکر کریں گے کہ کس طرح انہوں نے انسانیت کی بھلائی کے لیے انتھک محنت کی اور اپنے تقویٰ، پرہیز گاری اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل یقین رکھنے کی وجہ سے وہ رہبری کے لیے منتخب ہوئے۔

---

(۱) (فیض القدیر، از حافظ منادی، ج ۴، ص ۳۰۶)

جواہر پارے (حقیقت کیا ہے؟)

حقیقت واضح ہے کہ یہ کائنات بغیر کسی بنانے والے کے نہیں بنی، بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بنانے والا ایک ہی ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اس کائنات کا انتظام وانصرام بغیر کسی حاکم نہیں چل رہا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ''حاکم'' ایک ہی ہے۔ انتظام کی باقاعدگی صاف صاف کھلم کھلا کہہ رہی ہے کہ یہاں ایک کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں حکومت کے اختیارات نہیں۔ ضابطہ کی پابندی منہ سے بول رہی ہے کہ پوری سلطنت کائنات میں ایک کے سوا کسی اور کا حکم نہیں چلتا۔ قانون کی سخت گیری کہہ رہی ہے اور شہادت دے رہی ہے کہ ایک ہی بادشاہوں کے بادشاہ کی حکومت تمام عالم میں قائم ودائم ہے اور وہ بادشاہوں کا بادشاہ'' خداوند تعالیٰ وحدہ لاشریک'' ہے اور ایک جامع حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

قانون قدرت ہے کہ ہر وہ چیز جو بہترین صفات اور اوصاف کی حامل ہوتی ہے، وہ اپنے اندر ایسی کشش رکھتی ہے جس سے ہر انسان، حیوان، چرند، پرند، خشک وتر بلندی وپستی کو کھینچ لیتی ہے۔ مثال کے طور پر گلاب کا پھول اپنے اندر ایک ایسی بہترین اور اعلیٰ درجہ کی صفت رکھتا ہے، جس کو ہم ''خوشبو'' کہتے ہیں۔ حالانکہ اسی پودے میں ڈالیاں بھی ہیں، کانٹے بھی ہیں اور پتے بھی ہیں جبکہ ایک ہی بیج سے یہ پودا پروان چڑھتا ہے، لیکن اس میں جو بہترین صفات کا حامل ہے وہ پھول ہے۔ رنگ وخوشبو کے ساتھ ساتھ اس کی ہیئت اور تخلیق بھی قابل رشک ہے اور اسی لیے اسے جنت کا پھول اور پھولوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ تمام پھول جو ہزاروں کی تعداد میں اگتے ہیں، جن کی رنگت، خوشبو، ساخت الگ الگ ہے، لیکن اپنے اندر وہ کشش نہیں رکھتے، جو گلاب میں ہے۔ مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں: کہ بارش کا قطرہ سانپ اور سیپ کے منہ میں ایک ساتھ گرتا ہے۔ سانپ اس قطرۂ بارش کو ایک مہلک ترین زہر میں تبدیل کردیتا ہے اور سیپ اس قطرۂ بارش کو ایک انمول موتی میں تبدیل کردیتی ہے۔ جس کا جیسا ظرف ویسی ہی اس کی تخلیق۔

گلاب کے پودے کو لے لیجیے اس میں ''پھول'' اپنی بہترین خصلت اور فطرت پر تخلیق ہے اور کانٹے اپنی بدترین اور بری خصلت پر خلق ہیں، جب کہ ایک ہی بیج سے یہ پروان چڑھتے ہیں۔

''طاؤس'' کے بارے میں مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں۔ سب پرندوں میں عجیب الخلقت ''مور'' ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء کو محکم ترین سانچے میں ڈھالا ہے اور اس کے رنگوں کو ایک حسین ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ یہ حسن وتوازن ایسے پروں سے ہے کہ جن کی جڑوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور ایسی دم سے ہے جو دور تک کھنچتی چلی جاتی ہے۔ جب اپنی مادہ کی طرف بڑھتا ہے تو اپنی لپٹی ہوئی دم کو پھیلا دیتا ہے اور اسے اس طرح اونچا لے جاتا ہے کہ وہ اس کے سر پر سایہ افگن ہو کر پھیل جاتی ہے وہ اسکے رنگوں پر اتراتا ہے اور اس کی جنبش کے ساتھ جھومنے لگتا ہے اور مرغوں کی طرح جفتی کھاتا ہے اور اپنی مادہ کو حاملہ کرنے کے لیے جوش وہیجان میں بھرے ہوئے نروں کی طرح جوڑ کھاتا ہے۔''

اسی ''مور'' کے پروں کو یہ عظمت حاصل ہے کہ ان کو قرآن پاک کے پاروں میں' مسجدوں' امام بارگاہوں' خانقاہوں' درگاہوں' مقبروں میں عقیدت کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ یہ سب اس کی بہترین تخلیق کی وجہ سے ہے۔ انسان سنگلاخ پہاڑوں' بیابانوں' ریگستانوں' صحراؤں میں جانے کی بجائے مرغزاروں' سبزہ زاروں' چمنستانوں اوران پہاڑوں اور سرسبز وادیوں میں جانا زیادہ پسند کرتا ہے، جو ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشموں' جھرنوں اور خوبصورت اور میٹھے پھلوں سے لدی ہوئی ہیں۔ ڈالیاں، بہترین پھولوں سے لدے سبزہ زارا سے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ حدیثوں اور قرآن پاک میں بھی نیک اعمال کرنے والوں کے لیے جو جزا ہے وہ بھی اس خوبصورت جنت میں رہنے والے ہیں، جہاں پھولوں سے لدی وادیاں' سبزہ زار اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جنہیں اس سے پہلے کسی نے نہ دیکھا ہوگا، وہ ان نیک لوگوں کو نیک اعمال' تقویٰ' پرہیز گاری اور سب سے زیادہ محبان اہل بیتؑ کے لیے پروردگار عالم نے تخلیق کی ہوئی ہیں اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ سوائے ان کے جو حسد' بغض بیر' کینہ پروری' شیطانیت اور بداعمال لوگ جو زندگی بھر کینہ پروری' غیبت' حسد اور بغض سے کام لیتے ہوئے جہنم رسید ہوئے۔ کیونکہ آخر جہنم بھی تو کسی مقصد کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ اور اس کی مثال پہلے والے ابواب میں دے چکے ہیں کہ جب پروردگار عالم نے تمام ملائکہ سے کہا کہ '' انی جاعل فی الارض خلیفه '' میں آدم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔ تو ملائکہ نے جواب میں الٹا سوال کر دیا کہ کیا اسے خلیفہ بنا رہا ہے جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا جبکہ ہم تیری ہر وقت تسبیح و تقدیس کرتے ہیں تو یہ سوال پروردگار عالم کو پسند نہیں آیا اور اس نے ملائکہ سے کہا کہ جب میں اس آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب سجدہ کرنا تو یہ ہی ہوا کہ جب حضرت آدم کے جسم میں روح پھونک دی گئی تو تمام ملائکہ فوراً سجدے میں گر گئے، سوائے ابلیس شیطان کے یہ وہ ہی ابلیس عزازیل تھا، جس کی قوم آدمؑ سے پہلے آ چکی تھی اور اپنی بداعمالیوں اور بدکرداری کی وجہ سے اللہ کے عذاب کی مستحق بنی اور تمام قوم تباہ و برباد ہوگئی سوائے اس ابلیس کہ یہ عابد و زاہد تھا، مگر اس کی فطرت اور طینت خراب تھی، اسی لیے اس نے حسد اور کینہ پروری اور تکبر کی وجہ سے آدمؑ کو سجدہ نہ کیا اور قیامت تک کے لیے راندۂ درگاہ ہوگیا اور قیامت میں جہنم کی نچلی آگ میں جھونک دیا جائے گا اور ساتھ ہی اس کی ذریت یا وہ تمام لوگ جو اس کے راستے پر چلتے ہیں، جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

اس کے بعد ملائکہ جنہوں نے پروردگار عالم کے سامنے سوال کرنے کی گستاخی کی تھی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب بن گئے اور ایک روایت کے مطابق سات ہزار سال عرش معلیٰ کا طواف کرتے رہے اور معافی مانگتے رہے تب جا کر اللہ تعالیٰ نے معاف کیا اور ان کے لیے چوتھے آسمان پر ایک کعبہ ''بیت المعمور'' بنا دیا گیا جس کا وہ طواف کرتے ہیں اور روزانہ ستر ہزار ملائکہ اس میں داخل ہوتے ہیں اور باہر واپس نہیں آتے اور طواف میں مشغول رہتے ہیں اور اسی طرح حضرت آدمؑ سے جو امر ارشادی کے نہ ماننے کی غلطی ہوگئی تھی تو

اس کی سزا کے طور پر وہ جنت سے باہر کر دیے گئے اور حضرت آدمؑ کو سری لنکا کی پہاڑی پر اتارا اور اماں حوا کو جدہ کے ساحل پر اور سالہا سال وہ ایک دوسرے کے فراق میں روتے رہے اور پھر حضرت آدمؑ اور اماں حوا کو معاف کر دیا گیا، لیکن جس طرح ملائکہ چوتھے آسمان پر ''بیت المعمور'' کا طواف کرتے رہتے ہیں، اسی طرح بنی آدم خانۂ کعبہ کا ہر وقت طواف کرتے رہتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے اور طواف سات دفعہ کرتے ہیں۔ یہ سب ہم نے اس لیے بیان کیا کہ پروردگار عالم نے ہر چیز کو اور خاص طور پر ''انسان'' کو ''احسن تقویم'' یعنی بالکل سیدھے راستے پر تخلیق کیا ہے اب وہ اپنی عقل، تقویٰ، پرہیزگاری، تزکیۂ نفس کی وجہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا اور حسد، بغض، بیر، کینہ پروری اور بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اب فلسفہ بالکل واضح ہو گیا کہ ہر شخص اپنی بہترین صفات، اعلیٰ ظرفی اور کرداری، تقویٰ و پرہیزگاری، بہترین نفس کی وجہ سے اعلیٰ درجات اور بہترین جزا کا مستحق ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پروردگار عالم نے جب ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں اعلیٰ صفات کا خیال رکھا ہے تو اس کائنات اس دنیا کی حاکمیت اور انسانیت کی رہبری کے لیے بھی اعلیٰ اوصاف کے حامل لوگوں کو چنا ہوگا اور چنا ہے اور منتخب کیا ہے اور وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ ہیں اور اسی لیے حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال نے کتنا درست اور صحیح کہا ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے ہمیں
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

تمام کائنات میں سے پروردگار عالم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ، رسولوں اور پیغمبروں کو منتخب کیا انسانیت کی اصلاح کے لیے اور بھلائی کے لیے اور خاص طور پر اپنی وحدانیت کو منوانے کے لیے۔ اب حضرت آدمؑ سے لے کر ہمارے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ آتے رہے، لیکن ان سب کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے صرف کچھ انبیاء کا ذکر ہے اور یہ وہ ہیں جو تمام انبیاءؑ میں سے منتخب شدہ ہیں جیسے حضرت نوحؑ جنہیں ہم آدمؑ ثانی بھی کہتے ہیں، کیوں کہ طوفان نوحؑ کے بعد ان کی نسل سے نسل آدمؑ فروغ پائی۔ ان کے بعد شیخ الانبیاء کئی امتوں کے باپ حضرت ابراہیمؑ جو یہودیت، عیسائیت اور مسلمانوں کے موجد اعلیٰ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء میں سے کچھ کو منتخب کر کے اللہ تعالیٰ نے اصلاح انسانیت کے لیے بھیجا۔

اب جب پروردگار عالم نے اصلاح انسانیت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کو بھیجا جو اپنے اپنے وقت میں آئے اور اپنی قوموں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، کچھ کی اصلاح ہوئی اور کچھ قومیں آسمانی عذاب سے برباد کر دی گئیں۔ ہمارے اور دوسرے مکاتب فکر میں سے کچھ کا یہ موقف رہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اور کسی اولیاء، ائمہ کرام اور دوسرے صوفیائے کرام کے روضوں، خانقاہوں پر نہ جاؤ اور ان کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ مانگو، یہ نعوذ باللہ بدعت ہے اور بدقسمتی سے ہمارے عین عالم اسلام کے وسط یعنی حرمین

شریفین میں بھی یہ رواج رائج ہے۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ جب پروردگارِ عالم نے ہماری اصلاح کے لیے ہمارے اندر ہی سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کو چنا ہے، جنہوں نے ہمیں وحدانیت کے بارے میں آگاہ کیا اور ہمارے اعمال کو بہترین درجے پر پہنچانے کی کوشش کی تو پھر اللہ تعالیٰ سے ہم بغیر کسی وسیلے کے کیسے مانگ سکتے ہیں، جب کہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ سے ہیں صرف وسیلہ ان اعلیٰ اوصاف کے حامل متقی پرہیزگار اور اعلیٰ عبادت کرنے والے اولیائے کرامؒ صوفی بزرگ، آئمہ کرام کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، جب کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف کہا ہے "وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" میرے پاس آنے کے لیے وسیلے تلاش کرو۔

اللہ تعالیٰ تو بہت دور کی بات ہے، لوگ تو کسی تھانے کے انچارج جو چند گریڈ کا ہوتا ہے اس کے پاس بھی بغیر چپراسی سے پوچھے نہیں جا سکتے۔ یہ سب ہم نے اس لیے کہا کہ اب ہم ان اعلیٰ منتخب شدہ اور اعلیٰ اوصاف کے حامل اور بہترین خلقت کے انسانوں کا تذکرہ کریں گے۔

غدیر کی جغرافیائی اہمیت

محل وقوع: مکہ معظمہ سے کوئی تیرہ چودہ میل (۲۰ کلومیٹر) کے فاصلے پر جحفہ نامی قصبہ ہے، جہاں پر تمام حجاج صاحبان کے لیے راستے جدا ہو جاتے ہیں یہاں سے عراق، شام، مصر اور مدینے کے لیے راستے الگ ہو جاتے ہیں اور یہاں سے تمام حجاج صاحبان اپنے خداوند تعالیٰ کے حضور حاضری دینے کے بعد حج کے دوران کی خوبصورت یادیں لیے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ایک تالاب ہے۔ تالاب کو عربی میں "غدیر" کہتے ہیں، جو ایک پیالے کی شکل میں واقع ہے اور اسی لیے اسے "غدیرِ خم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جسے پروردگار عالم نے منتخب کیا، اسی جگہ کو وہ عظمت ملی، جہاں پر کائنات کے منتخب مذہب اسلام کو مکمل ہونے کا شرف حاصل ہوا اور پیام الٰہی کے پہنچانے کا اہتمام ہوا اور نعمتوں کی تکمیل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اظہار کیا کہ "آج کے دن میں اللہ راضی ہو گیا" ہم ان تمام چیزوں کا تجزیہ آئندہ ابواب میں کریں گے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ کو یہاں پر وہ عظیم الشان اہتمام کیا گیا اور مسلمانانِ عالم کو جمع کیا گیا اور اس عظیم مولائے کائناتؑ کی تاج پوشی کا اعلان کیا گیا کہ جس کے لیے پروردگار عالم اور سرورِ کونینؐ دونوں ہی منتظر تھے اور جہاں سرکار ختمی مرتبتؐ کی آرزوؤں اور پروردگار عالم کے حکم کی تکمیل ہوئی۔ ابن اثیر کا اندازہ ہے کہ کوئی ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانان اس جگہ پر جمع تھے، یہاں پر سرخیل اولیاء، امام المتقین، یعسوب الدین، سید الاوصیا، شیر خدا مظہر شان شکوہ مصطفیٰ ذات پر مایہ ہمہ جود و سخا، ہارون فخر انبیاء آب و تاب چہرہ فقر و غنا، قائد ایوان تسلیم و رضا، شمع دانش، نیر برج ولا، روح آیت ہل اتیٰ، باب مدینۃ العلم، خطیب منبر سلونی، حکیم الاسلام قائم اللیل و صائم النہار، ابن عم رسولؐ، زوج بتولؑ غالب کل غالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سر اقدس پر ولایت کا سہرا اور اہل ولا کا تاج سر پر سجایا گیا اور اس سرزمین کو وہ عظمت ملی جو کسی قطعہ زمین کو نہ مل سکی۔ اس تالاب "غدیر" کی ہر موج شہرت و عظمت دوام سے ہمکنار ہوئی اور یہاں سے ہی اس کی روح پرور فضاؤں میں تمدن اسلام اور تہذیب عدل کو بقا کا پروانہ ہاتھ آیا۔ اسی کے حُسن آفرین دامن میں حضور رحمت اللعالمینؐ کی ریاضتوں کو تحفظ کا مژدہ ملا۔

کسے معلوم تھا کہ جو قطعہ ارض جس عظیم مقصد کے لیے چنا جا رہا ہے، وہ ایک ایسے نور کی شعاعوں کا منبع قرار دیا جائے گا جو رہتی دنیا تک اپنی نورانی شعاعوں سے پاک اور متقی لوگوں کے دلوں کو منزہ اور پاکیزہ بنا دے گا۔ آج افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ "غدیرِ خم" کا عظیم الشان اجتماع جو مسلمانوں کا پہلا اجتماع تھا، اسے لوگ بھول چکے ہیں جبکہ یہ ہی ہماری عید اور آنکھوں کی ٹھنڈی دید ہے اور اصل معنوں میں عید ہے۔ کیونکہ جو عیدیں ہم مناتے ہیں اسلامی سال کے مہینے عید الفطر اور عید قربان یعنی ۱۰ ذی الحجہ وہ تو کچھ اس طرح ہے کہ عید

الفطر کے روز مولائے کائنات ؑ کا دسواں ہوتا ہے اور عید قربان ایک نبی ؑ کی قربانی کی وجہ سے دھندلا جاتی ہے جبکہ وہ قربانی نہیں ہوئی، بلکہ پروردگار عالم نے موخر کردی اور ایک عظیم قربانی میں تبدیل کردی گئی۔ احکام الٰہی منسوخ نہیں ہوتے موخر ہوجاتے ہیں اور جو قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہونی تھی وہ پروردگار عالم نے نسل امامت کو بچانے کے لیے موخر کردی اور ایک دنبہ جو جنت سے لایا گیا اس کی قربانی کردی گئی اور آج تک ہم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر گائے، بھیڑ، بکرا، دنبہ، اونٹ وغیرہ کی قربانی کرتے ہیں، لیکن اصل قربانی امامت میں چلی گئی اور پھر دس محرم الحرام ۶۱ ہجری میں وہ کربلا میں ادا کی گئی، زندگی نے مہلت دی تو اگلی کتب میں اس کا تذکرہ تفصیلاً کیا جائے گا۔ ہم یہاں شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال کے ایک شعر کو نقل کرتے ہیں جو رہتی دنیا تک زندہ و پائندہ رہے گا۔ اس ایک شعر میں علامہ نے اسلام کو ایک کوزے میں بند کرنے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ؑ ابتدا ہیں اسماعیل ؑ

اے مسلمان جب سے تو "راسخون فی العلم" کے در سے دور ہوا ہے، ایک قعر مذلت میں گر گیا ہے اور بدنصیبی تیرا مقدر بن چکی ہے۔ ہر جگہ تو ذلیل و خوار ہو رہا ہے کہیں بھی تجھ کو امان نہیں ہے۔ ابھی بھی وقت ہے آلوٹ آ" در باب العلم " پر کہ پھر سے تجھے وہ ہی عظمت مل جائے گی جسے تو گنوا چکا ہے۔ پھر سے تیری پیشانی پر دنیا کی بادشاہت کا تاج رکھ دیا جائے گا، مگر شرط ہے کہ تیری نیت صحیح ہو تیری فطرت نورانی ہو اور تجھے خوف خدا ہو۔ تجھے اچھے برے کی پہچان ہو تو دن کو دن اور رات کو رات کہہ سکے۔ آ تجھے میں بتاؤں کہ علامہ محمد اقبال کیا کہہ رہے ہیں۔ ذرا غور کر کہ آج تو کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق، پاکستان کے قبائلی علاقہ جات، بوسنیا، مصر، بحرین، لیبیا، یمن، شام، سعودی عربیہ اور افریقہ کے قحط زدہ علاقے میں رسوا اور ذلیل کیا جا رہا ہے اور وہ بھی ان قوموں کے ذریعے جو کبھی مسلمان کے نام سے خوف کھاتے تھے۔ جن کے قلب؛ ہسپانیہ؛ میں مسلمان سات سو سال حکومت کر چکے تھے، ان کے ذہنوں پر مسلط ہو چکے تھے۔ آج اے مسلمان تو انہی قوموں کا محکوم ہے۔ تجھ پر وہ حکومت کر رہے ہیں لیکن جہاں جہاں اور جس جس ملک میں لوگ "راسخون فی العلم" درباب مدینۃ العلم اور اہل ذکر کے فرمودات سے منسلک ہیں، وہ آج بھی دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہے ہیں۔ آ ذرا دیکھ ایران کے صدر احمدی نژاد کو جو مولائے کائنات ؑ کے در کا ایک حقیر غلام ہے، وہ دنیا کی بظاہر سب سے بڑی "سپر پاور" امریکا کے صدر کو کہہ رہا ہے کہ خبردار! اگر حملہ کرنے کی ناپاک کوشش کی تو تیرے ناجائز بچے اسرائیل کو دنیا کے نقشے سے نیست و نابود کر دیں گے۔

	سید الشہداء حضرت امام حسینؑ		حضرت اسمٰعیلؑ
1	سال کا پہلا مہینہ اور دس تاریخ (۱۰ محرم الحرام) کربلا میں عظیم قربانی تمام اقرباء کی	1	آخری مہینہ ذی الحجہ اور دس تاریخ (مسلمانوں کے لیے قربانی کا مہینہ)
2	ان پر درود پڑھنا ثواب	2	ان پر درود پڑھنا ثواب
3	یہ بھی نبی آخرالزماںؐ کے لعل اور خود بھی امامؑ	3	یہ نبیؑ کے لعل اور خود بھی نبیؑ
4	ان کی یاد عاشورۂ محرم الحرام میں منائی جاتی ہے	4	ان کی یاد قربانی کی صورت میں منائی جاتی ہے
5	یہ معنی ذبح عظیم اور شہید عظیم	5	یہ ذبح عظیم
6	ان کی یاد میں رونا سنت	6	ان کی یاد سنت
7	آپؑ نے اپنے نانا حضرت رسول پاکؐ سے کیا ہوا وعدۂ طفلی نبھایا	7	انھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کا خواب نبھایا
8	یہ صبر کی انتہا	8	یہ صبر کی ابتدا
9	یہ کعبہ بچانے والے	9	یہ کعبہ بنانے والے

حضرت علامہ اقبال کا ایک اور شعر حسب حال پیش خدمت ہے۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

ہمارے آقا و مولا رسول مقبول ختمی مرتبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد سے مختلف اسباب کی بنا پر حج کا فریضہ ادا نہ کر سکے تھے کچھ حالات اور کچھ غزوات میں مشغول رہنے کی وجہ سے یہ فریضہ ادا نہ ہو سکا۔ کیوں کہ اس وقت فضا ناہموار تھی اور آپ اسلام کی بنیاد مضبوط کرنے میں مصروف تھے۔

ہم ان تمام امور کو اس وقت زیر بحث نہیں لانا چاہتے، بلکہ مختصراً ''غدیر خم'' کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کرنا ہمارا اولین مقصد ہے۔ سن ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور غزوۂ تبوک جو شاید حضور اکرمؐ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا، وہ سن ۹ ہجری میں ہوا، جب رسول پاکؐ تمام فریضہ جات سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے حج پر جانے کا اعلان فرمایا۔ یہ اعلان ہونا تھا کہ تمام مسلمانوں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور شمع نور کے پروانے زور و شور سے تیاریاں کرنے لگے کہ رسول پاکؐ کے ساتھ حج کا فریضہ انجام دیا جائے۔ اس وقت تک دنیا کی مختلف مملکتوں میں جوق در جوق لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً لاکھوں کا مجمع تھا۔

ابن اثیر جزری جو ایک مشہور مورخ گزرا ہے، اس کے بقول تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان اس آخری موقع پر جمع ہو گئے۔

مشہور برگزیدہ صحابی رسولؐ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے بقول کہ جس طرف میری نگاہ اٹھی لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آیا اور جب آنحضرتؐ لبیک کہتے تھے تو چاروں طرف سے ایک غلغلہ انگیز آواز کی بازگشت سنائی دیتی تھی، جس سے تمام صحرا گونجنے لگتے تھے۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام اس وقت یمن میں تھے اور وہاں سے حاجیوں کا ایک بڑا قافلہ، لے کر وارد مکہ ہوئے اور مکے کے اطراف، قرب و جوار سے بھی ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے اور اس ذات اقدس کے سائے تلے ایک ٹھنڈک محسوس کرنے لگے، جس کے بارے میں کائنات کا خالق اور ہمارا رب ذوالجلال والاکرام مخاطب کر کے کہہ رہا ہے "لولاک لماخلقت الافلاک" اس نبی پاکؐ کے گرد مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جب تکبیر و تقدیس، تسبیح و تہلیل کا روح پرور نعرہ لگاتا تھا تو ایسے لگتا تھا کہ "ام القریٰ" زمین پر نہیں، بلکہ آسمانوں کی کوئی آبادی ہے۔
الغرض مناسک حج سے فارغ ہو کر رسول اکرمؐ تمام صحابہ کرام کے ساتھ خانہ خداوند تعالیٰ اور ارض حرم کو خدا حافظ کہہ کر واپس روانہ ہوئے۔

جمعرات ۱۸ ذی الحجہ، سن ۱۰ ہجری کو ۲۱ مارچ نوروز کے دن یہ پرشکوہ قافلہ اس ارض پاک پر آ کر رک گیا، کیوں کہ پروردگار عالم کا حکم آ چکا تھا یعنی آیہ بلغ جسے آیہ غضب بھی کہتے ہیں اور کہیں کہیں آیہ غدیر کے نام سے پکاری جاتی ہے آ چکی تھی۔ اس کی تفسیر ہم اگلے صفحات میں کریں گے۔ اس واقعے کو اکابرین ملت، علمائے دین، صحابہ کرام، آئمہ معصومین، صالحین، مورخین، صحاح ستہ کے امام، تمام مکاتب فکر اور فرقوں کے امام اور دنیا کے بہترین اسکالرز نے اس واقعے کی تائید کی ہے اور کہا کہ یہ بالکل سچا واقعہ ہے میں چلتے چلتے ایک بہت ہی برگزیدہ صحابی رسول کا وہ واقعہ درج کرتا چلوں جن کا بڑا مقام ہے اور وہ ہیں سعد بن ابی وقاص ان کے ایک بدبخت بیٹے عمر ابن سعد نے تو کربلا میں اپنے لیے جہنم خریدی اور ابن الوقت نکلا اور باوجود اپنی نیک بیوی کے مشورے کو نظرانداز کر کے "رے" کی گورنری کے شوق میں اپنے لیے نار جہنم خریدی۔ دوسرے بیٹے عامر ابن سعد بن ابی وقاص، جس نے انس بن مالک سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، لیکن تسلی نہ ہوئی اور وہ بذات خود سعد بن ابی وقاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ یہ بالکل صحیح حدیث ہے اور میں نے خود سنی ہے تو ان سے دوبارہ سوال کیا گیا تو انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر اور زبان سے چپ رہنے کا اشارہ کر کے کہا کہ ہاں میں نے خود اپنے کانوں سے سنی اور چپ ہو جا کہ کہیں بنو امیہ جن کا دور تھا وہ نہ سن لیں اور میری اور تیری گردن ماردی جائے۔ تاریخ وہ چیز ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتی وہ بغض و بیر، حسد نہیں کرتی، وہ امانت میں خیانت نہیں کرتی، اس کے کشکول میں جو ڈالا جاتا ہے نہایت ایمانداری سے آنے والی نسلوں کو من و عن لوٹا دیتی ہے اور وہ واقعے جو عظیم ہوتے ہیں یا وہ لوگ

جن کے کردار نہایت بلند وبالا اور عظیم ہوتے ہیں، تا قیامت تاریخ میں سنہری لفظوں سے لکھے رہتے ہیں۔ ان کے نقوش کبھی نہیں دھندلاتے، وہ ہر دور میں اپنی نورانی شعاعوں سے انسانیت کو جگمگاتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ پروردگار عالم کہہ چکا ہے۔ ''یہ گزرے ہوئے لوگوں کے سلسلہ میں اللہ کی سنت ہے اور خدا کی سنت میں آپ کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

غدیر کی تاریخی اہمیت

اگر کوئی بدبخت اور خائن مورخ کسی ایسے عظیم واقعے کو ضبط تحریر میں نہ لائے تو اس کی پوری لکھی ہوئی تاریخ میں ایسا خلل پڑ جاتا ہے جسے کوئی چیز پر نہیں کر سکتی۔ ایسے واقعات میں '' غدیر خم'' کا واقعہ ایک عظیم یادگار اور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ اس واقعے کو نبی پاکؐ کی آل ائمہ معصومینؑ نے صحیح سند عطا کی ہے، جس طرح اور دوسرے احکام' فرمودات' فرمان کے لیے دی ہے اور ان کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں، بلکہ کروڑوں میں ہے اور یہ وہ ہیں جو عالم دین' سردار' حکماء' فقہا' رہنما اور علوم اولین و آخرین کے ماہرین ہیں۔ ادب کا وہ قیمتی ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے کرشمے سے ہم تک پہنچا۔ ہم ذیل ان عظیم علمائے دین' صحابہ کرام' مورخین جنہوں نے واقعہ '' غدیر خم'' جو چشم بصیرت رکھتے تھے، نقل کیا ہے۔ انہوں نے اس آیہ غدیر کی شان نزول اور تفسیر سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھا اور ہم تک پہنچانے کا اہتمام کیا اور آج خدا کے فضل و کرم سے ہم اس سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنے اکابرین ملت' فقہاء' مورخین' علماء' حکماء کو کسی اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہوئے نہیں دیکھا نہ سنا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ تمام محدثین کیا کہتے ہیں۔

۱۔ بلاذری، متوفی ۲۷۹ھ ''انساب الاشراف'' میں

۲۔ ابن قتیبہ، متوفی ۲۷۶ھ ''معارف'' اور ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں

۳۔ طبری، متوفی ۳۱۰ھ ''مفرد'' میں

۴۔ ابن ذولاق لیثی مصری، متوفی ۳۸۷ھ ''تاریخ بغداد'' میں

۵۔ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی کتاب میں

۶۔ ابن عبداللہ، متوفی ۴۶۳ھ ''استیعاب'' میں

۷۔ شہرستانی، متوفی ۵۴۸ھ ''ملل و نحل'' میں

۸۔ ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ ''تاریخ دمشق'' میں

۹۔ یاقوت حموی، متوفی ۶۲۶ھ ''معجم ادباء'' میں

۱۰۔ ابن اثیر خدری، متوفی ۶۳۰ھ ''اسد الغابہ'' میں

۱۱۔ ابن ابی الحدید، متوفی ۶۵۶ھ "شرح نہج البلاغہ" میں
۱۲۔ ابن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ "وضیات الاعیان" میں
۱۳۔ شافعی، متوفی ۶۸ےھ "مرات الجنان" میں
۱۴۔ ابن شیخ بلوی، متوفی ۶۰۵ھ "الف باء" میں
۱۵۔ ابن کیثر شامی، متوفی ۷۷ےھ "البدایہ والنھایہ" میں
۱۶۔ ابن خلدون، متوفی ۸۰۸ھ "مقدمہ تاریخ" میں
۱۷۔ شمس الدین ذہبی، متوفی ۴۸ےھ "تذکرہ الحفاظ" میں
۱۸۔ نویری، متوفی ۸۳۳ھ "نہایۃ الارب فی فنون الادب" میں
۱۹۔ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ "الاصابہ" اور "تہذیب التہذیب" میں
۲۰۔ ابن صباغ مالکی، متوفی ۸۵۵ھ الفصول المھمۃ "میں
۲۱۔ المقریزی، متوفی ۸۴۵ھ "الخفظ المقریزیۃ" میں
۲۲۔ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۰ھ، نے اپنی بہت سی کتابوں میں
۲۳۔ قرمانی دمشقی، متوفی ۱۰۱۹ھ "اخبار الاول" میں
۲۴۔ نور الدین حلبی، متوفی ۱۰۴۴ھ "السیرۃ الحلبیۃ" میں

یہ تھے وہ مورخین نیک طینت اور نیک سیرت، جنہوں نے اس عظیم واقعے کو نہایت ایمانداری اور دیانتداری سے اپنی مندرجہ بالا کتب تاریخ میں درج کیا ہے۔ یہ تو علم تاریخ میں اس واقعے کی شان ہے اور احادیث اور صحابہؓ کرام کے اقوال اور یہ عظیم صحابہ جنہوں نے اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا اور اس کے نور سے تمام عالم کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، اب ہم ان ائمہ احادیث کے نام ذیل لکھ رہے ہیں جو دوسرے مکاتب فکر کے امام تھے۔ اور اس واقعے کو حدیث کی شکل میں ہم تک پہنچایا۔

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، متوفی ۲۰۴ھ، یہ فقہ شافعی کے امام تھے اور اپنی کتاب "نہایۃ الاثیر" میں لکھا اور درج کیا۔

۲۔ امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، اپنی دونوں کتابوں "سند" اور مناقب میں یہ امام تھے حنبلیوں کے

۳۔ ابن ماجہ، متوفی ۲۷۹ھ، نے اپنی کتاب "سنن" میں
۴۔ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، نے اپنی کتاب "صحیح" میں
۵۔ نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، نے اپنی کتاب "خصائص" میں
۶۔ ابو یعلی موصلی، متوفی ۳۰۷ھ، نے اپنی کتاب "سند" میں
۷۔ بغوری، متوفی ۳۱۲ھ، نے اپنی کتاب "سنن" میں

۸۔ دولابی، متوفی، ۳۲۰ھ، نے اپنی کتاب "الکنی والاسماء" میں

۹۔ طحاوی، متوفی، ۳۲۱ھ نے کتاب "مشکل الآثار" میں

۱۰۔ حاکم، متوفی، ۴۰۵ھ نے کتاب "مستدرک" میں

۱۱۔ ابن مغازی شافعی، متوفی، ۴۸۳ھ نے اپنی کتاب "مناقب" میں

۱۲۔ ابن مندہ اصفہانی، متوفی، ۵۱۲ھ، اپنی کئی تالیفات میں

۱۳۔ خطیب خوارزمی متوفی، ۵۶۸ھ، اپنی دو کتابوں "المناقب" اور "مقتل الامام السبط" میں

۱۴۔ کنجی شافعی، متوفی، ۶۵۸ھ، اپنی کتاب "کفایۃ الطالب" میں

۱۵۔ محب الدین طبری، متوفی، ۶۹۴ھ، نے "الریاض النضرۃ" اور "ذخائر العقبیٰ" میں

۱۶۔ حموینی شافعی، متوفی، ۷۲۲ھ، نے "فرائد السمطین" میں

۱۷۔ ھیثمی، متوفی، ۸۰۷ھ، نے "مجمع الزوائد" میں

۱۸۔ ذہبی، متوفی، ۷۴۸ھ نے "التلخیص" میں

۱۹۔ جزری، متوفی، ۸۳۰ھ نے "اسنی المطالب" میں

۲۰۔ العباس قسطلانی، متوفی، ۹۲۳ھ، "المواہب الدنیا" میں

۲۱۔ متقی ھندی، متوفی، ۹۷۵ھ، نے "کنز العمال" میں

۲۲۔ ھروی قاری، متوفی، ۱۰۱۴ھ نے "المرقات فی شرح المشکات میں

۲۳۔ تاج الدین مناوی، متوفی، ۱۰۳۱ھ نے "کنوز الحقائق" اور "فیض القدیر" میں

۲۴۔ شیخانی قادری، متوفی، اا ہجری، نے "الصراط السوی فی مناقب آل نبیؐ میں

۲۵۔ احمد کثیر مکی شافعی، متوفی، ۱۰۴۷ھ، نے "وسیلۃ المال فی مناقب الآل" میں

۲۶۔ ابوعبداللہ زرقانی مالک، متوفی نا معلوم ھ، نے "شرح المواہب" میں

۲۷۔ ابن حمزہ دمشقی حنفی، متوفی، ۱۱۲۰ھ نے "البیان التعریف" میں

"غدیر خم" کا واقعہ ایک ایسا عظیم واقعہ ہے اور ایک ایسی نورانی حدیث ہے کہ آج تک کسی کو بھی اس میں اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، بلکہ ان تمام کے علاوہ بھی بہت سے محدثین نے اس واقعے کو نقل کیا ہے اور اس واقعے کے بارے میں نازل شدہ آیۂ کریمہ پر جب بھی مفسرین کی نظر پڑی تو انہوں نے اپنے اوپر واجب اور فرض سمجھا اس کی شان نزول اور تفسیر سے دوسرے لوگوں کو بھی فیضیاب کریں تا کہ ان کا عمل بے نتیجہ نہ رہے اور ان کی کوشش نافرجام رہے اسی لیے ہم ذیل ان ائمہ تفسیر جنہوں نے اپنی تفاسیر میں اس کو درج کیا ہے، ان کے اسمائے گرامی لکھ رہے ہیں:

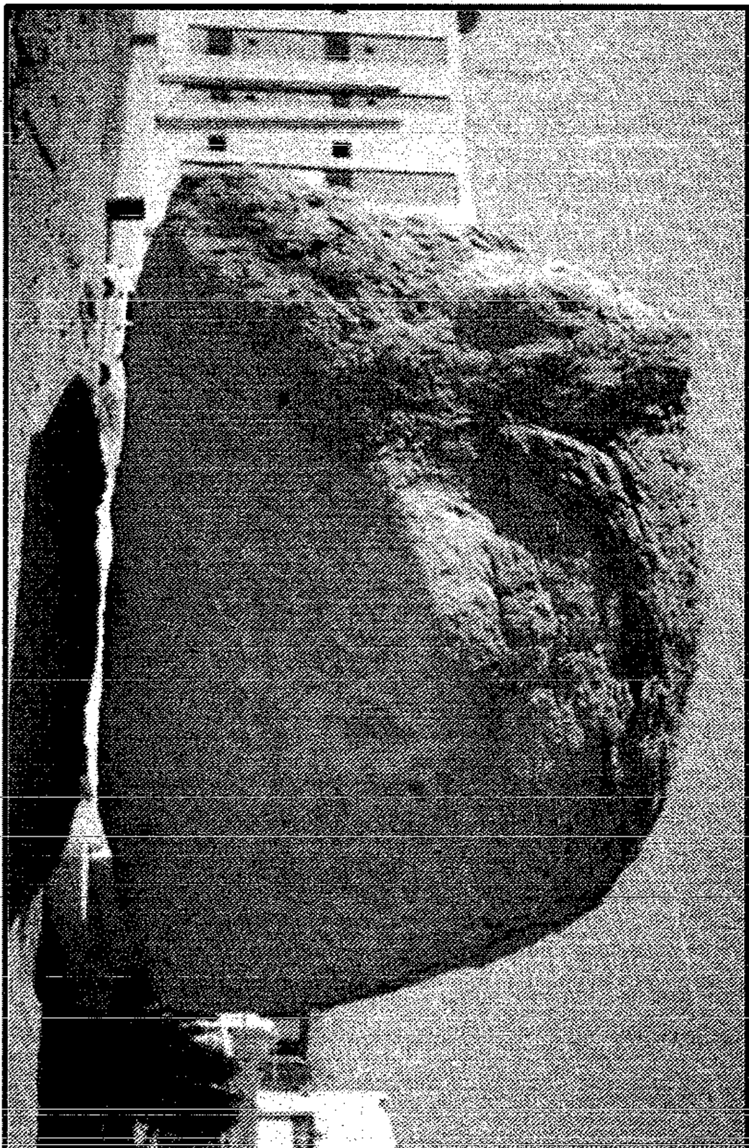
۱۔ طبری، متوفی، ۳۱۰ھ، نے اپنی تفسیر میں

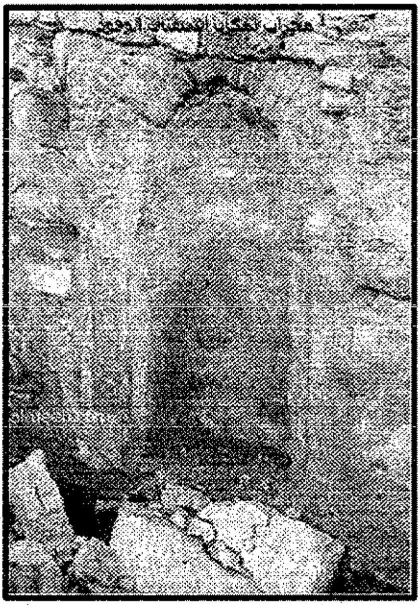
۲۔ ثعلبی، متوفی، ۴۲۸ھ، یا ۴۳۷ھ، نے اپنی تفسیر میں
۳۔ واحدی، متوفی، ۴۶۸ھ، نے اپنی تفسیر "اسباب النزول" میں
۴۔ ابوالسعود، متوفی، ۹۸۲ھ، نے اپنی تفسیر میں
۵۔ قرطبی، متوفی، ۵۶۷ھ، نے اپنی تفسیر میں
۶۔ فخرالدین رازی، متوفی، ۶۰۶ھ، نے اپنی تفسیر "مفاتیح الغیب" میں
۷۔ ابن کثیر شامی متوفی، ۷۷۴ھ، نے اپنی تفسیر میں
۸۔ نیشاپوری متوفی آٹھویں صدی ہجری نے اپنی تفسیر میں
۹۔ خطیب شربینی، متوفی، ۹۷۷ھ، نے اپنی تفسیر میں
۱۰۔ آلوسی بغدادی، متوفی، ۱۲۷۰ھ، نے اپنی تفسیر "روح معانی" میں

متکلم علم کلام کے مسائل میں برہان قائم کرتے ہوئے مسئلۂ امامت پر پہنچتا ہے تو لامحالہ اس کو حدیث غدیر سے متعرض ہونا پڑتا ہے یا اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے یا اپنے حریف کی دلیل نقل کرنے کے لیے چاہے اثبات دلالت کے موقع پر اس پر مناقشہ اور اعتراض ہی کیوں نہ کرے جیسے ملاحظہ فرمایئے مندرجہ ذیل متکلمین یعنی:

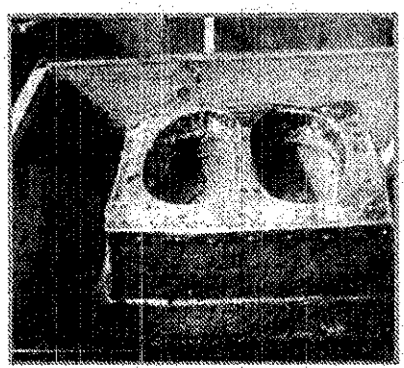
۱۔ قاضی ابوبکر باقلانی بصری متوفی ۴۰۳ھ، تمہید میں
۲۔ قاضی عبدالرحمٰن ایجی شافعی، متوفی، ۷۵۶ھ
۳۔ سید شریف جرجانی، متوفی، ۸۱۶ھ، نے "شرح مواقف" میں
۴۔ بیضاوی، متوفی، ۶۸۵ھ، نے "طوالع الانوار" میں
۵۔ شمس الدین اصفہانی، متوفی ۷۴۹ھ، نے "مطالع الانظار" میں
۶۔ تفتازانی، متوفی، ۷۹۲ھ، نے "شرح المقاصد" میں
۷۔ قوشجی مولی علاؤالدین، متوفی، ۸۷۹ھ، نے "شرح التجرید" میں

اور یہ ہیں ان کے الفاظ "نبی اکرمؐ" نے "غدیر خم" کے دن مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام "جحفہ" میں لوگوں کو جمع کیا، جب آپ آخری حج سے واپس آ رہے تھے، سخت گرم دن اور کڑی دھوپ تھی۔ لوگوں نے گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنی چادریں اپنے پاؤں کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے اونٹوں کے کجاووں کا منبر بنوایا اور اس پر رونق افروز ہوئے اور خطبۂ حجۃ الوداع دینے کے بعد، جس میں شروع دن سے لے کر آج تک تمام احکامات الٰہیہ کی تجدید کی اور پھر فرمایا: "اے مسلمانوں کیا میں تمہارے نفوس پر تم سے اولیٰ نہیں ہوں۔ سب نے کہا کہ یارسول اللہؐ آپ ہم سب کے نفوس پر اولیٰ ہیں۔ تو پھر آپؐ نے فرمایا کہ سنو" جس جس کا میں مولیٰ ہوں اس اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔ اے خدا تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے۔ اور اس کو دشمن رکھ جو











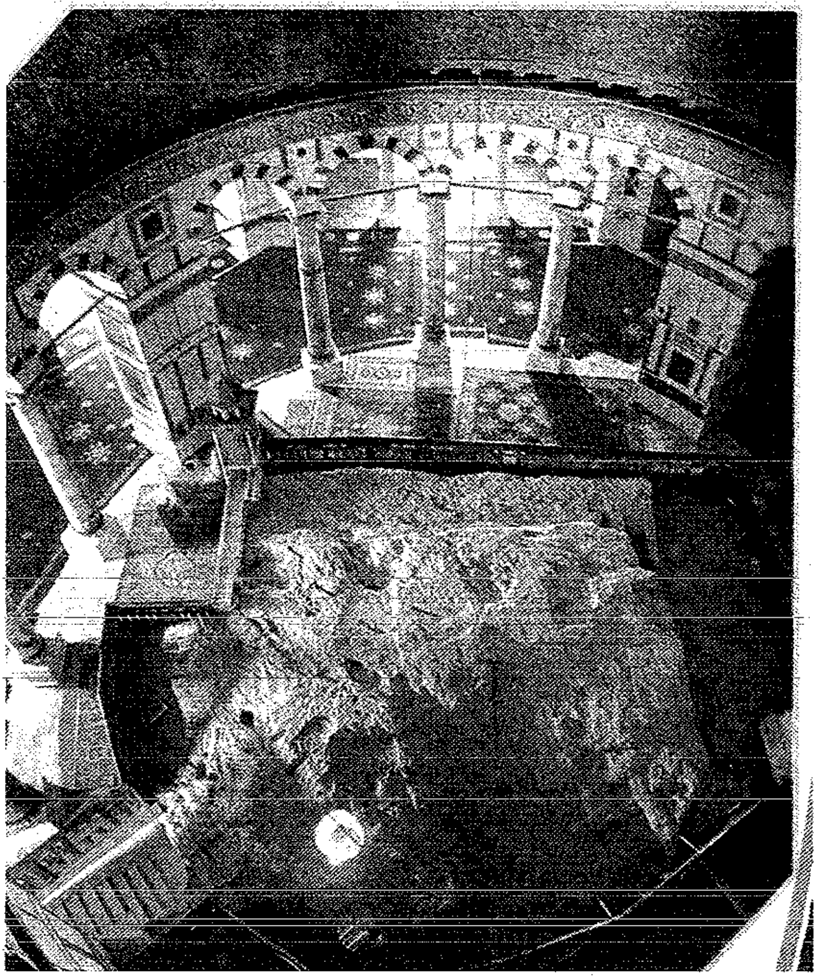


یہ مبارک پتھر جنت سے آیا ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ نے ان کی چمک اور نورانیت کو ختم نہ کیا ہوتا تو ان کی چمک سے مشرق و مغرب کے درمیان سب کچھ روشن ہو جاتا

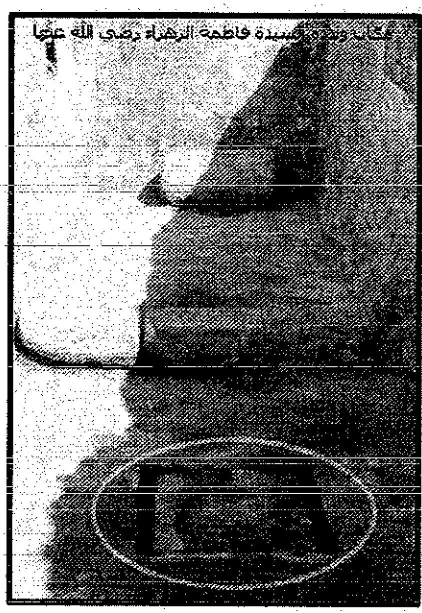
مقدس چٹان

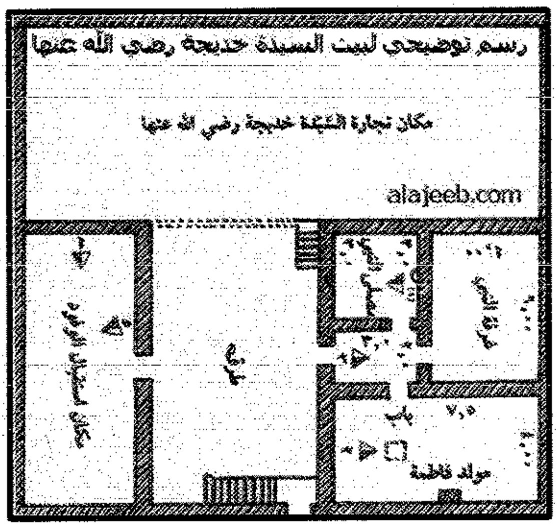
سنہری گنبد کا اندرونی منظر

چھت پر خوبصورت نقش ونگار اور نیچے ستونوں کے درمیان وہ چٹان نظر آرہی ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول تھی




مصلى النبي صلى الله عليه وسلم
alajeeb.com


السيدة فاطمة الزهراء رضي الله عنها



Syedah Khadeejah House







CMYK


بيت السيدة خديجة رضي الله عنها
alajeeb.com


alajeeb.com
الرسول صلى الله عليه وسلم

علیؑ کو دشمن رکھے اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اسے چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔"

اور ملاحظہ فرمایئے کچھ اور متکلمین کو :

۱۔ قاضی نجم محمد شافعی، متوفی، ۸۷۶ھ نے "بدیع المعانی" میں

۲۔ جلال الدین سیوطی، متوفی، ۹۱۱ھ نے "اربعین" میں

۳۔ مفتی شام حامد بن علی عماوی، متوفی، ۱۱۲۱ھ "الصلاۃ فاخرہ باالاحدیث التواترہ" میں

۴۔ آلوسی بغدادی، متوفی ۱۳۲۴ھ نے "نثر اللآلی" میں

اور لغوی جب مولیٰ، خم، غدیر یا ولی کے معانی بیان کرتا ہے تو حدیث غدیر کی طرف اشارہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ابن درید محمد بن حسن، متوفی، ۳۲۱ھ نے "جمہرہ"

۲۔ ابن اثیر، متوفی، ۶۰۶ھ نے "نھایۃ" میں

۳۔ حموی، متوفی، ۶۲۲ھ نے "معجم البلدان" میں

۴۔ زبیدی حنفی، متوفی، ۱۲۰۵ھ نے "تاج العروس"

۵۔ اور نبھانی، متوفی، ۱۴۰۰ھ صدی ہجری "مجموعۃ النبھانیہ" میں

یہ تھی وہ تاریخی اہمیت جو آج تک کسی اور حدیث کو نہ مل سکی جو "غدیر خم" کو ملی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ رسول پاکؐ کے تمام احکامات مسلمانوں نے تقریباً مان لیے، سوائے اس واقعے کو نہ جانے کیوں اہمیت نہ دی، جب کہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو تمام دنیا کے لیے اور خاص طور پر مسلمانوں کے لیے ایک کھلا امتحان تھا جسے لوگ بھول چکے۔ ہم نے اپنا قلم اس واقعے کو اجاگر کرنے کے لیے اٹھایا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ ورنہ ۔۔۔۔۔؟

غدیر۔۔۔۔اہل سنت کی نظر میں

۱۔ علامہ ضیاء الدین مقبلی صفانی کی متوفی ۱۱۰۸ھ حدیث غدیر کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''اگر غدیر کے واقعے کو جانی پہچانی چیز نہیں مانا گیا، تو پھر دین خدا کی ہر بات اَن جانی کہی جائے گی''

۲۔ حافظ ابوالعلا ہمدانی اپنی کتاب (القول الفصل الحداد، ج ۱، ص ۴۴۵) پر لکھتے ہیں کہ ''میں حدیث غدیر کو ڈھائی سو حوالوں سے بیان کر سکتا ہوں''

۳۔ کمال الدین محمد ابن طلحہ شافعی (معجم الادباء یاقوت حموی جلد ۵، صفحہ ۳۳۶۔ تذکرہ الخواص صفحہ ۱۰۳، طبع مصر) میں لکھتے ہیں ''غدیر خم کا تذکرہ تو خود جناب امیر علیہ السلام کے ادبی ذخیرے میں موجود ہے۔ عالم اسلام نے غدیر کے دن کو اپنی عید اور خوشیوں بھری تقریب قرار دیا ہے، کیوں کہ سرکار ختمی مرتبت رسالت مآبؐ ہی نے اسے یہ حیثیت دی ہے۔ اس لیے کہ اس دن آپؐ نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کا اعلان کیا اور آپؑ کو مولائے کائنات بنا کر اس منصب عالی پر فائز کیا جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کو حاصل نہ ہو سکا''۔ (مطالب السئول ص ۵۳ طبع نجف)

'' غدیر خم '' کے سلسلے میں حضرت نظام الدین اولیاء کا مندرجہ ذیل قطعہ کتنی بے باک حقیقت بیان کر رہا ہے کہ '' غدیر خم '' میں رسول پاکؐ نے حضرت مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت اور خلافت دونوں کا اعلان کیا، افسوس کہ امت نے اس واقعے کو من و عن نہ مانا اور رسول پاکؐ کی وصیت کے باوجود خلافت کا رخ کسی اور جانب موڑ دیا جو آج مسلمانوں کے دربدر ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

امام حق کسے باشد کہ اندر جملۂ قرآں
بہ ہر آیت کہ برخوانی درآں حمد و ثنا باشد
وصیت کردہ با امت محمدؐ در '' غدیر خم ''
علیؑ ابن ابی طالب خلافت راسزا باشد

(حضرت نظام الدین اولیاء)

اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار شریف پر یہ قطعہ بھی درج ہے:

احکامِ الٰہی بہ سند می آید
من کنت حدیثِ مستندمی آید
ایں جائے نفاق و منکرو خائن نیست
ایں بیشۂ شیراست اسدمی آید

'غدیر خم' بطور عید سعید

ہم اس سے پہلے والے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں اور خاص طور پر " شیعیان حیدر کرارؑ" کے لیے یہ واقعہ خوشیوں سے بھرا عید سعید کا دن ہے اور اسی دن ۲۱ مارچ نوروز کا دن بھی تھا، جسے ہمارے پڑوسی ملک "ایران" میں جہاں سو فیصد آبادی شیعیان حیدر کرارؑ کی ہے، بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے، کیوں کہ اسی دن کائنات پر پہلی سورج کرن نمودار ہوئی اور اسی دن مولائے کائناتؑ کی تاج پوشی اور ولایت کا اعلان کیا گیا۔ ہمارے ہاں خال خال لوگ اس واقعے کو صحیح طریقہ سے مناتے ہیں۔ میں نے کراچی میں رہتے ہوئے یہ عید سعید اور عید نوروز ۱۸ ذی الحجہ اپنے نہایت محترم بزرگ جناب مرزا عباس مرحوم ومغفور کے گھر "حسین منزل" انچولی میں بڑی ہی شان وشوکت سے مناتے دیکھا ہے اور حقیقت میں ایک عید کا سماں ہوتا ہے۔ چاہیے تو ہم سب کو کہ اس دن عید کی طرح تیاریاں کریں' خوش نما کپڑے پہن کر اپنے خدا کے حضور سجدۂ شکر بجالائیں کیونکہ بقول شاعر

بازوئے حیدرؑ اٹھا کر آج دکھلایا گیا
مصطفیؐ نے خوب کی تکمیل فرمان خدا

اور پھر آگے کسی اور شاعر نے کہا:

ہر دل سے آج بغض کا کانٹا نکال دے
بخ بخ کرے کوئی تو جہنم میں ڈال دے

اس دن ہمیں چاہیے کہ:

۱۔ اکمال دین اور اتمام نعمت کے سلسلے میں سب مل کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں۔
۲۔ پیمان وفا کی تجدید امامت کے سلسلے میں
۳۔ اپنی آنے والی نسلوں کے دلوں' دماغوں اور خیالوں میں اس دن کی اہمیت کو اجاگر کرنا
۴۔ ~~اس دن کی رحمتوں اور برکتوں سے دل ودماغ کو نور وسرور کی دنیا کی آماجگاہ بنانا۔~~
۵۔ غدیر عیدوں کی عید ہے اور اس دن خوشیاں منائیں اپنوں اور غیروں میں مٹھائیاں بانٹیں۔

اس ضمن میں ہمارے ہادیان برحق' ائمہ معصومین نے اس دن کے بارے میں جو ہدایات جاری کی ہیں وہ مختصراً ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱) آج کے دن " عید غدیر " کی نیت سے غسل کریں۔
۲) صاف ستھرے وضع دار کپڑے پہنیں۔
۳) خوشبوؤں سے کپڑوں کو معطر کریں۔

۴) اس دن روزے پر بہت زور دیا گیا ہے اس لیے روزہ رکھیں۔

۵) زوال آفتاب کے وقت دو رکعت نماز پڑھیں اور زیارت امیرؑ پڑھیں۔

۶) اس روز سعید پر کچھ خاص دعائیں پڑھی جاتی ہیں خاص طور پر دعائے "ندبہ" یہ سرکار امام زمانہؑ کی دعا ہے۔

۷) ہر گھر میں شان و شوکت سے جشن منایا جائے اور خوشحالی اور شادمانی کا سامان مہیا کریں۔

۸) حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس روز کیف و سرور سے بھرپور تقدس مآب موقع پر "دید و باز دید" کی پابندی کی جائے اور ایک دوسرے کے ہاں جا کر مبارکباد دیں۔

۹) حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ آپس میں ان جملوں کا تبادلہ کریں

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں جناب امیرؑ اور تمام ائمہ کرامؑ کے رشتۂ ولایت سے وابستہ رکھا ہے۔"

ان جملوں سے "ایفائے عہد" کا اعلان اور "عید غدیر" کی تشہیر ہوتی ہے جو ہمارا نصب العین ہے۔

حضور امام زمانہؑ کی خدمت میں:

ظلمت نما جہان کو تو رشک طور کر
یوم غدیر موزوں ہے مولاؑ ظہور کر

☆

یہ رتبہ ترے جد کو زمانے میں ملا ہے
دنیا میں وہ ہی بعد نبیؐ سب سے بڑا ہے
وہ ہیبت یزداں ہے وہی حق کی زباں ہے
وہ حیدرؑ و صفدر ہے وہی شیر خدا ہے
کعبے میں ولادت ہے تو مسجد میں شہادت
اس جیسا نہ دنیا میں کوئی اور ہوا ہے

"اعلان ولایت جناب امیرؑ درمیدان غدیر"
قرآن پاک اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں

پروردگار عالم نے نہایت خوبصورتی سے اس "کائنات" کی صناعی اور تخلیق کی ہے۔ "مسند کائنات" کب سے بچھائی گئی یہ کوئی نہیں جانتا۔ صرف ہم اتنا جانتے ہیں کہ یہ کس کے لیے تخلیق کی گئی اس کا مقصود کون تھا اور ہم اس کی وضاحت پہلے ابواب میں کر چکے ہیں، لیکن یہ ہماری عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے کہ کب سے یہ آفتاب اپنی تمازت سے ہر ذی روح کے لیے حرارت اور توانائی مہیا کر رہا ہے۔ کب سے یہ مہتاب رات کے گھور اندھیروں کو نسل انسانی کے لیے دور اور ان کو ٹھنڈی روشنی مہیا کر رہا ہے۔ جب سے یہ ستارے' یہ کہکشائیں جادۂ حیات کو اپنی اداؤں سے اور خوبصورتی سے متاثر کر رہے ہیں اور ابھی کتنے ستارے اور کہکشائیں ایسی ہیں، جن کی روشنی ابھی تک کرۂ ارض پر نہیں پہنچ پائی۔ کب سے انسانی قافلے اس کرۂ ارض پر رواں دواں ہیں اور کیسے کیسے سنگلاخ چٹانوں' پہاڑوں' جنگلوں' صحراؤں' ریگستانوں اور بیابانوں کی سختیاں جھیل کر اور مسلسل کئی مرتبہ سخت آزمائشوں سے گزر کر امتحان دیتے رہے۔ کبھی کامیاب اور کبھی ناکامی سے دوچار ہوتے رہے۔ اس زمانے سے بھی ہم ناواقف ہیں کہ کب یہ "جادۂ حیات" جہالت' وحشت' بربریت کے دور سے تہذیب و تمدن کے خوبصورت گلستانوں اور چمنستانوں میں داخل ہوا، لیکن کچھ بھی ہوا ہو ہر اچھے اور برے دور میں ایک ایسی "شمع" اپنی ضوفشانیوں سے اس کارگہ ہستی اور کائنات کو منور کرتی رہی اور وہ ہے "شمع توحید"

اس "شمع توحید" نے ہمیشہ اپنی دل آویز کرنوں سے کاروان حیات کو صحیح اور سیدھا راستہ دکھایا اور اس کی رہنمائی کے لیے ہر کٹھن موڑ پر کوئی فرد یا گروہ ایسا چھوڑ دیا جس نے اس کارواں کو بھٹکنے نہیں دیا اور ہمیشہ گمراہ ہونے سے بچائے رکھا۔ تاریخ اور قبل از تاریخ کے زمانے کو لے لیجیے، جب "نمرود" کے دور پرفتن ظلم و وحشت' بربریت میں انسان کو اس کے آگے سربسجود ہونے کے لیے مجبور کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف سورج' چاند' ستاروں اور بتوں کی پرستش پر اکسایا جا رہا تھا۔ ایسے پرخطر دور میں ایک ایسے مرد آہن پرعزم' خداداد صلاحیتوں کا مالک' محیر العقول صبر و استقامت کے روشن مینار حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے عظیم کردار سے کائنات کے انسانوں اور جنوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور شیخ الانبیا' اولوالعزم پیغمبرؑ' امام برحق رسولؐ اور کئی امتوں کے باپ کہلانے کا سنہرا تاج اپنے سر پر سجایا اور اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں سے کفر و عصیان، گمراہی و ضلالت اور شرک کی گھنگھور گھٹاؤں پر ہدایت کی بجلی گرائی۔ آج دنیا میں جس جس جگہ چراغ عرفان روشن ہیں اور اخوت و مساوات کی شمع جہاں جہاں ہے، وہ اسی عظیم مینارۂ نور سے اقتباس نور کر رہی ہے۔ اس خانوادے کے بارے میں کچھ لکھنا محال ہے۔ اس کی عظمت و حشمت کا کیا کہنا کہ جو بھی اس

خانوادے سے منسلک ہوا، تاریخ عالم پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کر گیا۔

ایک طرف تو آپؑ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے حجاز مقدس کی وادی غیر ذی زرعہ میں شمع توحید روشن کی اور دوسری طرف چھوٹے بیٹے حضرت اسحاقؑ نے کنعان (فلسطین) کو آفتاب ہدایت کا مشرق بنا دیا اور ان کی نسل سے سیکڑوں ہادی اور رہبر پیدا ہوئے، جنہوں نے جابر و ظالم حکمرانوں بادشاہوں کے پنجوں سے مظلوم و مقہور قوموں کو نجات دلائی اور گم کردہ لوگوں کو راہ راست دکھائی اور پھر بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ایک منفرد، اولوالعزم پیغمبر نبی آخرالزماں، ختمی مرتبت حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اور انہوں نے نہ صرف حجاز، یثرب بلکہ تمام دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا اور اپنی ہی گود میں اس عظیم ''انسان'' کی پرورش کی کہ جس نے قیامت تک اس دنیا میں رہبری کے لیے اپنے نمائندے قائم کر دیے اور ان کا آخری نمائندہ پروردگار عالم کی رضا سے ''پردۂ غیب'' میں ہے۔

شب معراج کے موقع پر جب رسول پاکؐ عرش پر پہنچے تو سدرۃ المنتہیٰ (بیری کا درخت) جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آخری حد ہے، وہاں سے آگے جائیں گے تو جل جائیں گے، آپؐ وہاں سے آگے گئے اور جب نعلین مبارک کہ اتارنے کی کوشش کی تو آواز آئی کہ چلے آؤ جو چیز آپؐ سے مس ہوگئی وہ پاک ہوگئی۔ غرض اتنے نزدیک آئے عرش معلیٰ پر کہ قاب قوسین یعنی ایک کمان کا فاصلہ رہ گیا اور پھر راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ اس کی تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے عقل مانتی ہے کہ وہاں کیا ہوا ہوگا۔ آپؐ واپس آئے اور اصحاب کو شب معراج کے بارے میں بتایا۔ اس واقعے کے بعد مسلمانوں اور کفار مکہ میں جنگیں شروع ہوگئیں اور وہ احکامات جو شب معراج دیے گئے ان کو بجالانے کا موقع میسر نہ آسکا اور نہ ہی ایسے حالات اور ماحول نظر آیا کہ رسول پاکؐ وہ ''پیغام خاص'' لوگوں تک پہنچا دیتے۔ اب تک تمام عالم میں یہ بات مانی جا چکی تھی کہ:

ہاں! یہ ہی وہ علیؑ ہیں جو علوم میں سب سے اوّل، شجاعت کے دھنی، سرخیل امامت، اصفیاء کے تاج، حلم و بردباری میں اوّل، عبادت و زہد میں سب سے اوّل، تدبیر و سیاست مدن میں سب سے اوّل، آپؑ اپنی اصابت رائے پر سختی سے قائم رہنے والے عظیم رہبر ہیں۔ آپؑ خود فرماتے ہیں کہ اگر دین میرے سامنے نہ ہوتا تو میں دنیا کا عظیم سیاستدان ہوتا۔

آپؑ کی عظمت کا ادراک کرنے سے عاقل عاجز و حیران ہیں۔ آپؑ کی محبت میں لوگ عقل و شریعت کی حدود سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ کفار تک آپؑ کو دوست رکھتے ہیں اور گروہ فلسفہ آپؑ کی تعظیم کرتا ہے۔ شاہان روم اپنے محلوں اور عبادت گاہوں میں آپؑ کی تصویریں بنواتے تھے اور لشکروں کے سردار حصول فتح مندی کے لیے اپنی تلواروں پر آپؑ کا نام ''کندہ'' کراتے تھے۔ آپؑ ہی کا نام نامی کامرانی اور اقبال مندی کے لیے نیک فال ہے اور فتح و ظفر کی نشانی ہے۔ اور انہی تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ''پیغام خاص'' رسول پاکؐ کو دیا گیا کہ اس کو پہنچا دیں، لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ موقع اور ماحول اور حالات

ایسے میسر نہ آ سکے کہ وہ پیغام پہنچایا جاتا اور پھر حجتہ الوداع سن ۱۰ ہجری میں وہ موقع میسر آ گیا جب ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کرام حج سے فارغ ہو کر واپس چلنے لگے اور جحفہ پہنچے اور ''غدیر خم'' ایک پیالے کی طرح کا تالاب کے نزدیک پہنچے تو پروردگار عالم کا آنحضرت کے لیے آخری پیغام آ پہنچا: ''یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَیْکَ مِن رَّبِّکَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ'' اے رسولؐ جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا، اس کی تبلیغ کر دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو تم نے اس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ تم ڈرو نہیں خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

تشریح : یہ آیۂ مبارکہ حجتہ الوداع کے بعد ''غدیر خم'' کے مقام پر نازل ہوئی، اسی لیے اس کو کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اسے ''آیۂ بلّغ'' اور ''آیۂ غدیر'' اور ''آیہ غضب'' کے ناموں سے تاریخ میں یاد کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتانے سے بات زیادہ واضح ہو جائے گی کہ رسول پاکؐ کے یہ آخری ایام ہیں۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو ظہور پزیر ہوا اور رسول پاکؐ ۲۸ صفر المظفر کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور شاید اسی لیے پروردگار عالم نے یہ آیت تھوڑے سخت لہجے میں نازل فرمائی۔ بہت سے برگزیدہ صحابۂ کرام نے ہمیشہ اس کی تائید کی اور بہت سے صحابہ نے رسول پاکؐ کے بعد اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بارے میں ہم تحریر کر چکے ہیں، لیکن جو حق پرست صحابہ تھے، جن میں ایک بڑا نام ہے حضرت ابن ابی حاتم ابوسعید خدری کا انہوں نے تو یہاں تک روایت کی کہ رسول پاکؐ کے زمانے میں اس آیۂ مبارکہ کو ہم یوں پڑھتے تھے:

''یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَیْکَ مِن رَّبِّکَ انَّ علیاً مَولیٰ المُومنین وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ'' لیکن ہم بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ یہ سب کیسے اور کیوں ہوا۔ غرض یہ کہ جب تمام صحابہ اکٹھے ہو گئے تو رسول پاکؐ نے اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنوایا اور پھر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جو ''خطبۂ حجتہ الوداع'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں تمام وہ احکامات خدا جو آپؐ تیئس (۲۳) برسوں سے پہنچا رہے تھے، ان کی تجدید کی اور پھر آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور فرمایا: ''من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ'' جس جس کا میں مولا اس اس کا یہ علیؑ مولا۔ اور یہ ہی میرا خلیفہ اور وصی ہے۔ اس حکم کا فرمانا تھا کہ ایک دشمن علیؑ نعمان فہری اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور رسول پاکؐ سے گستاخانہ لہجے میں بولا کہ آپؐ نے تمام احکام دیے ہم نے پابندی کی، لیکن آج آپؐ نے اپنے بھائی علیؑ کی ولایت اور خلافت کا اعلان کیوں کیا؟ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ میں تو وہی کچھ کہتا ہوں جو پروردگار چاہتا ہے اور یہ بھی اس کے حکم سے ہی کہہ رہا ہوں۔ اس پر وہ ملعون بولا کہ اگر اس میں اللہ کی رضا بھی شامل ہے تو میں نہیں ماننا چاہے مجھ پر عذاب ہی کیوں نہ نازل ہو۔ اتنا کہنا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر آیا اور اس کے جسم کو چیرتا ہوا اسے زمین میں دھنسا دیا۔ اس واقعے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابرہہ اشرم کے لشکر پر جب ابابیلوں نے پتھروں کی بارش کی تو ایک ابابیل کے پنجے میں پتھر رہ گیا تھا، وہ ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھا اور آخر اللہ

نے اسے یہ موقع فراہم کردیا اور اپنا وعدہ کہ لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا پورا کردیا۔ اور اس کے بعد لوگوں نے اٹھ اٹھ کر حضرت علیؑ کو مبارکباد دینا شروع کی، جن میں سب سے پہلے حضرت عمر نے کہا بخٍ بخٍ یا علیؑ آج سے آپؑ میرے اور تمام مومنین کے مولا ہو گئے۔ اور سب صحابہ ایسا کرنے لگے، لیکن کچھ مبارکباد بھی دے رہے تھے اور آسمان کی طرف خوف سے بھی دیکھ رہے تھے۔ (شاید خوف کے عالم میں مبارکباد دی ورنہ ۔۔۔؟)

غورطلب : پروردگار عالم نے اپنے محبوب، جس کے لیے یہ کائنات تخلیق، کی اپنے لہجے میں کیوں سختی کے الفاظ استعمال کیے۔ کیوں کہ یہ کہنا کہ اگر ایسا نہ کیا تو پھر کچھ بھی نہ کیا یعنی تمام محنت کے رائیگاں جانے کا احتمال پیدا ہو گیا۔ لیکن ایسا شاید یوں کہا گیا کہ جو جتنا پیارا اور محبوب ہوتا ہے، اس کی کسی چھوٹی سی غفلت بھی برداشت نہیں ہوتی، چاہے وہ حالات کے مناسب نہ ہونے کی بنا پر ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں یوں کہا جائے کہ اتنی بڑی تعداد میں صحابۂ کرام کا جمع ہونا شاید کہیں اور نہ ہو سکتا تھا اور جب ایسا ہو گیا تو پروردگار عالم نے اپنا حکم پہنچا دیا اور وہ وعدہ یاد دلایا، چاہے سختی سے ہی، جو شب معراج میں کہا گیا تھا۔ اور رسول پاکؐ نے نہایت خوبصورتی سے اللہ کے حکم کو پہنچا دیا۔ لیکن مخالفین نے اس واقعے کو دبانے کی بہت کوشش کی اور چاہا کہ لوگوں کے ذہن سے یہ محو ہو جائے اور انس بن مالک جیسے برگزیدہ صحابی اس کی گواہی دینے سے مکر گئے، اگرچہ وہ بعد میں برص جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے اور اپنی اس نادانی پر تمام عمر روتے رہے کہ میں نے ناحق ایسا کیا اور اس کی سزا پائی۔

جب یہ حکم لوگوں کو پہنچا دیا گیا تو پروردگار کی طرف سے آخری آیات آ گئیں۔ "اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"(۱)

اے رسول آج کے دن میں نے تیرے دین کو مکمل کر دیا اور تجھ پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور میں اللہ تیرے دین اسلام سے راضی ہو گیا۔

غورطلب : جہاں پروردگار عالم تھوڑا سا سخت لہجہ استعمال کر رہا ہے وہاں پر ہی وہ حکم کے پہنچانے کے بعد اس دین کو جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور آج کے دن تک مکمل نہ ہوا تھا اسے مکمل کرنے کا اعلان کر رہا ہے اور اپنی رضا کا اظہار کر رہا ہے۔ دراصل اعلان ولایت ہی وہ اہم ترین حکم اور مقصد تھا جو پروردگار عالم کی خوشنودی کا باعث بنا اور دین کے مکمل ہونے کا سبب بھی بنا، لیکن افسوس مسلمانوں کی اکثریت ایسا نہ کر سکی اور اس واقعے کو دبانے اور چھپانے کی کوشش کی اور جب رسول پاکؐ نے اس حکم خدا کو تحریر کرنے کی کوشش کی تو مسلمانوں میں سے بڑے بڑے صحابہ رسول پاکؐ پر (نعوذ باللہ) ہذیان جیسی تہمت لگانے سے باز نہیں

---

(۱) (سورۂ مائدہ، آیت ۳)

آئے اور قلم وقرطاس جیسا دل خراش واقعہ رونما ہوا۔

"غدیرِ خم" کے مقام پر منادی نے رسولِ پاکؐ کے حکم کے مطابق اعلان کیا "الصلوٰۃ جامعۃ" اس اعلان پر تمام صحابہ رسولِ پاکؐ کے گرد جمع ہو گئے اور آپؐ اونٹوں کے پالانوں سے بنائے گئے منبر پر تشریف لے گئے اور حمد وثنائے پروردگارِ عالم کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا" (۱)

اور نہ کسی ایماندار مرد ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو ان کو (کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار ہو اور یاد رہے کے جس شخص نے خدا اور اس کی رسولؐ کے نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے۔

آپؐ نے پھر فرمایا "اَلنَّبِىُّ اَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" مومنین کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ نبی حق رکھتا ہے۔ اور ذرا زور دے کر تمام صحابہ کرام سے فرمایا: اَلَسْتُ اَوْلىٰ بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ " ترجمہ "کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولویت نہیں رکھتا" تمام صحابہ نے برجستہ کہا کہ آپؐ ہمارے نفسوں پر اولویت رکھتے ہیں اور آپؐ کی اولویت کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ تب رسولِ پاکؐ نے فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہیں۔ اور روایت کے مطابق آپؐ نے حضرت علیؑ کو ہاتھوں پر اتنا بلند فرمایا کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ اور پھر آپ نے فرمایا، خدا سے ڈرو اور علیؑ کی بیعت کرو۔ اور اس طرح آپ نے حضرت علیؑ کی ولایت کی بیعت لی۔ آپؐ نے پھر فرمایا: کہ خدا اُسے غرق کرے گا جو علیؑ کی بیعت سے منحرف ہوگا اور اس پر رحم ہوگا جو علیؑ کی بیعت پر راضی ہوا قائم رہا۔ یہ فرمانِ رسولؐ سن کر تمام صحابہ جوق در جوق حضرت علیؑ کی طرف بڑھے جن میں سب سے آگے حضرت عمر تھے اور سب نے مبارک باد دی اور بیعت کی۔

---

(۱) (سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۳۶)

(۲) (مدارج النبوت اردو ۵۹۳ جامع ترمذی شریف، غلام اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور)

مشہور فرانسیسی مورخ، دانشور اور مفکر ول ڈیوراں: (Wil Durant)

ماہ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور مسلمانوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ حج کی تیاریاں کرنے لگے۔ اسلامی تاریخ شروع ہی سے متنازع رہی ہے۔ طرح طرح کے مسائل میں الجھی رہی ہے۔ اور مسلمانوں کے وہم وتشکیک کے گھنگور اندھیروں سے اٹے ذہنوں پر طرح طرح کے سوال چھوڑتی رہی ہے۔ اور فتح مکہ کے بعد چند اہم سوال انسانی ذہن پر مسلط ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد بنو امیہ ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ چکے تھے۔ اور جب مسلمان حج کی غرض سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور نزدیک پہنچے تو انہوں نے ابوسفیان کو اپنے لوگوں کے ساتھ مکہ کے باہر کھڑے دیکھا۔ جب مسلمان نزدیک پہنچے تو کہنے لگا کہ وہ اس سال حج نہیں کرنے دے گا اور اگر ضرورت پڑی تو جنگ سے گریز نہیں کرے گا۔ آپ اگلے سال آ کر حج کریں۔ مسلمانوں نے یہ ماجرا رسول پاکؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

رسول پاکؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ کوئی بات نہیں، اگلے سال آ کر حج کر لینا اور مسلمان واپس چلے گئے۔ لیکن میرے ذہن پر ایک اہم سوال ابھرنے لگا کہ ابوسفیان نے ایک سال کا وقفہ کیوں لیا؟

اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے میں نے تقریباً تمام اسلامی تاریخوں کا مطالعہ کیا۔ بڑے بڑے علماء کی کتب میں ڈھونڈا، لیکن مسلم دانشوروں، علماء، مفکروں اور مورخوں کی کتب میں جواب نہ مل سکا اور یہ سوال بحث ومباحثہ کا حصہ بن گیا۔ اسی دوران میرے بڑے ماموں زاد بھائی کرنل غیور حسن زیدی مرحوم کے صاحبزادے سرجن ڈاکٹر محمد اظفر زیدی جن کی گہری اور عمیق نظریں تاریخ عالم پر رہتی ہیں اور جن کو سیر و سیاحت کا بھی بڑا شوق ہے، اور اپنے والد بزرگوار کی طرح مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور تاریخ اسلامی اور تاریخ عالم کے قابل ذکر گلشنوں اور گلستانوں سے خوبصورت پھول چنتے رہتے ہیں، مشہور فرانسیسی سکالر، دانشور مورخ اور مفکر جناب ول ڈیوراں (Wil Durant) کی مشہور زمانہ ادیان اور مذاہب عالم پر لکھی سات جلدوں پر مبنی ایک ضخیم کتاب (The Age of faith) مطالعہ کے لیے دی۔ اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب بہت اہم سوالوں کے جواب اس کتاب میں مجھے مل گئے۔ مذہب اسلام کے باب میں وہ پہلا اہم سوال کہ ابوسفیان نے ایک سال کا وقفہ کیوں لیا تو ول ڈیوراں اپنی اس تصنیف میں رقمطراز ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے واقعے کو تقریباً ۲۳۰۰ دو ہزار تین سو سال گزر چکے تھے اور اس دوران جب بھی لوگ حج کے لیے آتے تھے تو اپنے ساتھ قیمتی دھاتوں یعنی سونا چاندی اور دوسری دھاتوں سے بنی ہوئے دنبے، ہرن اور جانوروں کی شکل میں بنی ہوئی ٹرافیاں اور شبیہیں لاتے تھے، چڑھاوے کے لیے اور خانہ کعبہ کے اندر رکھے بتوں پر چڑھاتے تھے اور ان دو ہزار تین سو سالوں میں اس

دولت سے (سولہ) کنویں جن کی گہرائی تقریباً تین سو میٹر تھی، وہ بھر گئے تھے، جو بنوامیہ کے جاہ پسند سردار ابوسفیان کے علم میں تھے اور اس نے یہ ساری دولت اس ایک سال کے وقفے ہیں نکال کر دمشق منتقل کر دی۔ اور مصر سے Black Grenite پتھر منگوا کر دمشق (شام) کے شہر کو از سرِ نو تعمیر کیا، یہ جانتے ہوئے کہ آنے والے وقت میں وہ ان کے خاندان کا دارالخلافہ بنے گا، اسی طرح ہوا اور دمشق شہر Black City کے نام سے مشہور ہوا اور جس کے اثرات آج تک دیکھے جا سکتے ہیں۔

دوسرا اہم سوال کہ رسول پاکؐ کی کتنی اولادیں تھیں، اس کا جواب بھی اسی کتاب میں مل گیا کہ رسول اکرمؐ کی صرف تین اولادیں تھیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام، ایک حضرت قاسم علیہ السلام اور تیسری سیدۃ النساء العالمین شہزادیٔ کونین، خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا۔ دونوں بیٹے کم سنی ہی میں انتقال فرما چکے تھے۔ اور جناب سیدہ فاطمۃ الزہراؑ ہی سے بقول حدیث قدسی رسول پاکؐ کی نسل چلی اور قیامت تک چلتی رہے گی۔ اور قائم و دائم رہے گی آمین یارب العالمین۔

میں اپنے بھتیجے سرجن ڈاکٹر اظفر زیدی کا مشکور و ممنون ہوں جنہوں نے میرے یہ الجھن دور کر دی۔

غدیرِ خُم کی ضوفشانی (جرأت رندانہ)

مولا علیؑ کا پیار ہی جس کا خمیر ہے
اُسکی ہر ایک سانس میں "جشن غدیر" ہے
لو فیصلہ زُبانِ رسالت نے کردیا
سارا جہاں فقیر ہے "حیدرؑ" امیر ہے

ہم تمام شیعیانِ حیدر کرارؑ "عید غدیر" بڑے اہتمام سے مناتے ہیں کیونکہ ہمارے ائمہ علیہم السلام کے فرمان کے مطابق کیوں کہ اِسی دن یعنی ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو دین حنیف جو حضرت آدم علیہ السلام لے کر آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک تکمیل کے مراحل طے کرتا رہا، لیکن کبھی بھی مکمل نہ ہوسکا۔ اور اسی دوران ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرامؑ آئے، لیکن دین مکمل نہ ہوسکا۔ یہاں تک خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور قدسی ہوا اور آپؐ نے بھی توحید کی تبلیغ کے تمام امور بحکم خداوند تعالیٰ لوگوں تک پہنچادیے، لیکن ابھی بھی دین مکمل نہ ہوسکا اور اگر دین مکمل نہ تھا تو پھر تمام اصول دین فروع دین نماز، روزے، زکوٰۃ، حج، عدل وانصاف سب میں کمی رہ گئی آخر کیوں؟ یہ سوال بڑا اہم ہے۔

اور پھر ۱۸، ذی الحجہ "غدیر خم" کے مقام پر پروردگار عالم نے "وہ خاص پیغام" جس میں کائنات کے تمام دکھوں، بیماریوں، غموں کا علاج تھا، جس کے پہنچانے سے صدیوں سے تکمیل کے مراحل طے کرتا ہوا دین مکمل ہونا تھا۔ اسے پہنچانے کا حکم دیا اور بڑے ہی غیظ وغضب کی صورت میں حکم دیا کہ اگر یہ "خاص پیغام" نہ پہنچایا تو کچھ بھی نہیں پہنچایا۔ آپ قارئین کرام ہماری اس "جرأت راندانہ" کو نظر انداز نہ کیجیے گا، کیوں کہ شیعیانِ حیدر کرارؑ، نڈر، بے باک، صاف گو، حق پرست اور بہادر ہوتے ہیں۔ میں نے تو بس قرآن کے الفاظ کی ہی ترجمانی کی ہے۔ اور رسولِ پاکؐ نے وہ "خاص پیغام" یعنی مولائے کائنات علی علیہ السلام کا اعلان کردیا۔ اس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں، صرف یہ لکھنا چاہوں گا کہ جب یہ اعلان ہوگیا تو وہ تمام امور یعنی روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج، عدل اور وہ دین حنیف، جس کا نام "اسلام" تھا مکمل ہونے کی نوید پروردگار عالم کی طرف سے آگئی اور یہ آیت مبارکہ: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (۱) یعنی آج کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو دین اسلام مکمل ہوگیا اور پروردگار عالم بھی راضی ہوگیا۔ اور تمام امور جو ابھی تک اور تمام اعمال جو ابھی تک نامکمل تھے، کلمہ جو نامکمل تھا، جس کو رسول پاکؐ نے خود کہہ کر مکمل کیا "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ" اور جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

---

(۱) (سورۂ مائدہ، آیت ۳)

کے ساتھ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ لگا دیا گیا تو تمام پچھلے اعمال 'RetiospectiveEffect' "ہیں مکمل کر دیے گئے اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ جو بھی یہ کلمہ پڑھتا رہے گا اور علیؑ کی ولایت پر قائم رہے گا نجات پائے گا۔ ہم شیعیانِ حیدر کرار

""غدیر خم" سے اٹھتے ہوئے خمار سے مخمور ہیں اور رہیں گے۔ یہ وہ منزل ہے جس کا کوئی اختتام نہیں ہو سکتا۔ اسے کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ صرف عروج کی طرف گامزن رہے گی۔ کیوں کہ ہزاروں صدیاں ہزار قیامتیں بھی گزر جائیں، پھر بھی ذکر مولا علی علیہ السلام نہ تو ختم ہو گا اور نہ کوئی ختم کر سکے گا۔ ہم تو علی علیہ السلام کے متوالے، دیوانے اور مستانے ہیں۔

رند جو ظرف اُٹھا لیں وہی پیانہ بنے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی مے خانہ بنے۔

جب تک رہے گی نہج البلاغہ نگاہ میں
انسانیت رہے گی علیؑ کی پناہ میں

اللہ تعالیٰ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور ہماری اس فکری کاوش کو قبول فرمائے آمین یا رب العالمین۔ دعاؤں میں یاد رکھے گا۔

میجر (ر) سیّد افتخار حسین زیدی

۱۸، ذی الحجہ ۱۴۳۱ ہجری، قمری

کراچی، سندھ (پاکستان)

التماس سورۂ فاتحہ

سیدہ نثار فاطمہ زیدی بنت سید منظور علی زیدی
سید حسین علی زیدی ابن سید باقر حسین زیدی
سید باقر حسین زیدی ابن سید مہدی حسین زیدی
سید مہدی حسین زیدی ابن سید حیات علی زیدی
سیدہ نیازی بیگم زیدی سید امتیاز حسین زیدی
سیدہ ممتازی بیگم زیدی سید حیات علی زیدی
سید منظور علی زیدی سید فتح حسین زیدی
سید اکبر علی زیدی سید علی اصغر زیدی
سید علی اکبر زیدی آغا سید ذوالفقار علی نقوی
اور کل مومنین و مومنات اور شہدائے ملت جعفریہ

مآخذ ومنابع

(۱)	قرآن پاک	مترجم مولانا حافظ فرمان علی صاحب
(۲)	نہج البلاغہ	مترجم مولانا مفتی جعفر حسین صاحب
(۳)	نہج الاسرار من کلام حیدر کرارؑ	محمد بشارت علی صاحب
(۴)	سیرۃ النبیؐ	علامہ سید سلیمان ندوی صاحب
(۵)	سیرۃ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ	مولانا مفتی جعفر حسین صاحب
(۶)	چودہ ستارے	الحاج علامہ سید نجم الحسن کراروی صاحب
(۷)	علم اور عقل	جناب مرتضیٰ حسین صاحب
(۸)	صحیفہ معرفت	مؤلف سید اشتیاق حسین صاحب
(۹)	تجلی	ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی صاحب
(۱۰)	اوم اور علیؑ	حکیم سید محمود گیلانی صاحب
(۱۱)	تاریخ کعبہ	سید حسن ظفر صاحب
(۱۲)	تاریخ اسلام	جناب امتیاز پراچہ صاحب
(۱۳)	تاریخ عالم	جناب اخلاق احمد قادری صاحب
(۱۴)	تصاویر	

(۱) بیت ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا۔ یہ وہ پاک و پاکیزہ دولت خانہ ہے، جہاں رسولِ اکرمؐ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ زندگی گزاری۔

(۲) بیت امیر المومنین حضرت علی علیہ اسلام اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور دونوں صاحبزادیاں حضرت بی بی زینب اور حضرت بی بی ام کلثوم سلام اللہ علیہما نے زندگی گزاری۔ یہ نہایت ہی متبرک دولت خانہ ہے۔

(۳) بیت المقدس کی "مسجد صخرہ" میں ہوا میں معلق پتھر جو "معراج النبیؐ" کے وقت براقِ رسولؐ کے ساتھ اڑنے لگی اور رسولؐ پاک کے حکم پر آج تک ہوا میں رُکی ہوئی ہے اور جہانِ عالم کے لیے "زندہ معجزہ" ہے۔

(تمام تصاویر کی فراہمی کے سلسلے میں راقم الحروف، فرزندِ ارجمند سید مہدی حسن خرم زیدی کا دلی ممنون ہے)

(۱۵) رسالہ "گلدستۂ نور" ازالحاج خدا بخش اظہر شجاع آبادی
(بشکریہ جناب میر محمد مقبول سومرو)

WESTERN SCHOLARS WRITERS HISTORIANS AND ARCHEOLOGISTS

1. La Bible, la Quran, la Science By French Scholar "Marris Buckail"
2. The Age of Faith, By French Historian "Wil Durant"(with Thanks Dr. Azfar Zaidi)
3. HERO FULFI. By French Archeologists & writer "Dr. Shamplon"
4. Khalil Jibran Philosopher writer
5. Gabriel Enkiri (Lech Evalier De Islam) "شہوار اسلام"